خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

اگست 2020

عید نمبر

Pakistanipoint
Learning Point

کہنی سنی — مدیر 10

کرن کرن روشنی — ادارہ 11

ہمارے نام — نادرہ خاتون 30

آپ سے کیا پردہ

دیکھ ہماری دید کے کارن — انشاجی 16

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے — امت الصبور 240

مجھ سے ملئے

پائیں سلمان سعید سے — شاہین رشید 17

انٹرویو

حرا انور سے ملاقات — شاہین رشید 22

عید آئی ہے — ادارہ 26

ناول

تتلی جیسا پیار — راحت جبیں 36

رنگ ریز میرے — عفت سحر 170

حاتم — نمرہ احمد 188

مکمل ناول

آجنبی کون ہو تم — فرزانہ کھرل 106

افسانے

یہ راستہ کوئی اور ہے — شازیہ جمال طارق 59

راجدھانی — زوبی ظفر شیخ 98

چاند رات — فریدہ گوہر 147

دھوپ — شازیہ الطاف ہاشمی 166

بدگمان — صدف آصف 222

بیل — حنا بشریٰ 229

نظمیں غزلیں

غزل — امجد اسلام امجد 235

نظم — سباس گل 235

نظم — سمیرا ستار انجمانی 236

70 روپے

48 صفحات

2020 مئی

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

03172266944

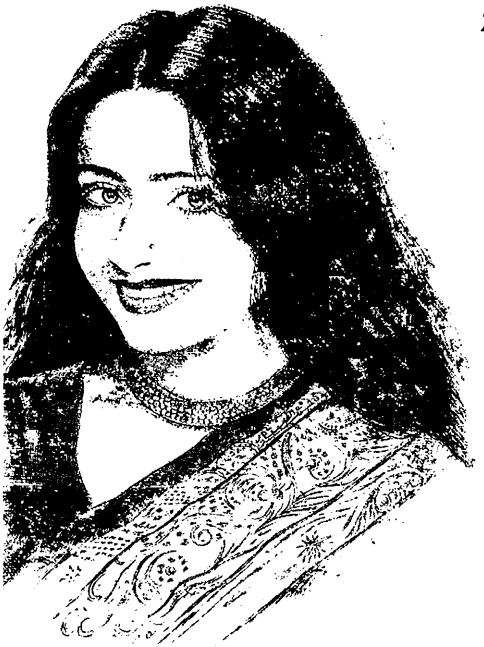

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ — شگفتہ جاہ 236

خبریں وبریں — واصفہ سہیل 242

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے — خالدہ جیلانی 239

پکوان

آپ کا باورچی خانہ — عطیہ بتول 254

موسم کے پکوان — خالدہ جیلانی 251

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں — عدنان 256

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے — امت الصبور 258

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ..... -/840 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ..... -/7000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا .. -/8000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

مدیر

کہی سنی

خواتین ڈائجسٹ اگست کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

ذی الحجہ کے مہینے کا آغاز ہو چکا ہے۔ عید الاضحیٰ کی آمد آمد ہے۔

ہر قوم کے اپنے تہوار ہوتے ہیں۔ جنہیں وہ اپنے رسوم و رواج کے مطابق اپنے انداز میں تفریح اور ناچ گا کر مناتی ہے لیکن مسلمانوں کا معاملہ مختلف ہے۔ مسلمانوں کے تہوار بھی ایک خاص وقار اور مقصد رکھتے ہیں۔

عید الاضحیٰ ہمارا مذہبی تہوار ہے۔ یہ قربانی کے ایک عظیم واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ جب سے دُنیا کی ابتدا ہوئی ہے، قربانی تمام مذاہب کا حصہ رہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں ہابیل، قابیل نے اللہ کے حضور قربانی پیش کی تھی لیکن جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے سعادت مند فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو بے مثال قربانی پیش کی، وہ اللہ کو اتنی پسند آئی کہ قیامت تک کے لیے صاحبِ حیثیت مسلمانوں پر لازم کر دیا کہ ہر سال قربانی کر کے اس واقعہ کی یاد تازہ کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کے اشارے پر اپنا عزیز فرزند قربانی کے لیے پیش کر دیا اور سعادت مند فرزند نے بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے اطاعت و فرماں برداری کی مثال قائم کر دی۔

قربانی کا مقصد یہ یاد دلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اطاعت اور اس کی خوشنودی ہمیں دُنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہونا چاہیے۔

عید کے لغوی معنی خوشی کے ہیں۔ عید کے تصور سے ہر طرف مسرت و شادمانی کے رنگ بکھرے نظر آتے ہیں لیکن کورونا کی آفت نے جیسے دُنیا ہی بدل کر رکھ دی ہے۔ تہواروں کی رونق بھی دُھندلا گئی۔ عید الفطر بھی سونی سونی، اداس گزری، اب جبکہ عید الاضحیٰ میں چند ہی روز باقی ہیں، کہیں بھی وہ روایتی گہما گہمی اور رونق نظر نہیں آ رہی ہے۔ جانوروں کی خریداری میں بھی وہ جوش و خروش نہیں ہے جو ہر سال دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ دنوں کے حساب سے بڑھتی مہنگائی ہے جس نے سفید پوشی کا بھرم بھی تار تار کر دیا ہے۔ زندگی کی بنیادی ضروریات کی فراہمی بھی مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

قربانی میں ان لوگوں کا حصہ نہ بھولیے گا جو وسائل سے محروم ہیں۔

آپ سب کو ہماری جانب سے عید الاضحیٰ مبارک۔

دُعا ہے کہ صبح عید آپ کے آنگن میں خوشیوں کا پیغام لے کر طلوع ہو۔ آمین۔

اس شمارے میں،

- فرزانہ کھرل کا ناول ۔ اجنبی کون ہو تم،
- نعیمہ ناز اور بشریٰ احمد کے ناولٹ،
- نمرہ احمد، راحت جبیں اور عفت سحر طاہر کے ناول،
- شازیہ جمال طارق، صدف آصف، زوبی ظفر شیخ، شازیہ الطاف ہاشمی، فریدہ گوہر اور حنا بشریٰ کے افسانے،
- ڈراما پروڈیوسر حرا انور سے ملاقات،
- معروف فنکار سلمان سعید سے باتیں،
- کرن کرن روشنی ۔ احادیث نبوی کا سلسلہ،
- آپ کا باورچی خانہ، ہمارے نام، نفسیاتی ازدواجی اُلجھنیں اور دیگر سلسلے شامل ہیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

قربانی سے متعلق احکامات ومسائل

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو چتکبرے اور سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دیا کرتے تھے اور (ذبح کرتے وقت) بسم اللہ اور تکبیر پڑھتے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گردن پر قدم مبارک رکھ کر اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کرتے دیکھا۔ (بخاری)

فوائد ومسائل:۔

1۔ عیدالاضحیٰ کے موقع پر صاحب استطاعت کو کم از کم ایک بکری، مینڈھا، گائے یا اونٹ کے ایک حصے کی قربانی کرنا ضروری ہے۔

2۔ ایک سے زیادہ جانوروں کی قربانی بھی جائز بلکہ افضل ہے۔

3۔ گھر کے فرد کو اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کرنا چاہیے، تاہم کوئی دوسرا شخص بھی ذبح کر سکتا ہے۔

4۔ قربانی کا جانور عمدہ اور خوب صورت ہونا چاہیے۔

5 قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت درج ذیل حدیث میں مذکور دعا پڑھنا مسنون ہے۔

6۔ ذبح کرتے وقت جانور کے جسم پر پاؤں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جانور قابو میں رہے اور بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔

قربانی کی دعا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روات ہے، انہوں نے فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن دو مینڈھے قربان کیے۔ جب انہیں قبلہ رخ کیا تو فرمایا۔

ترجمہ: ''میں نے یکسو ہو کر اپنا چہرہ اس اللہ کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور

ں مشرکین میں سے نہیں۔ بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔ اے اللہ! یہ جانور تجھ ہی سے ملا تو اور تیرے ہی لیے قربان کیا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت کی طرف سے ہے۔"

(ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرنا چاہتے تو دو بڑے بڑے، موٹے، تازے، سینگوں والے، چتکبرے اور خصی مینڈھے خریدتے۔ ایک اپنی امت کی طرف سے ذبح فرماتے، یعنی امت کے ہر اس فرد کی طرف سے جو اللہ کی توحید کی گواہی دیتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پہنچانے (اور رسول ہونے) کی گواہی دیتا ہو۔ اور دوسرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی طرف سے ذبح کرتے (مسند احمد)

فوائد و مسائل:

1۔ قربانی کے جانور عمدہ ہونے چاہئیں۔

2۔ ظاہری شکل وصورت میں بھی اچھا ہونا چاہیے اور موٹا تازہ اور صحت مند بھی۔

3۔ خصی جانور کی قربانی درست ہے۔ اسے عیب شمار نہیں کیا جاتا۔

4۔ گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔

5۔ کسی اور کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے۔

قربانی واجب ہے یا نہیں؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس کے پاس (قربانی کرنے کی) گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو اسے چاہیے کہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔" (مسند احمد)

فوائد و مسائل:

1۔ اس حدیث سے بظاہر قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے دلائل سے اس کا استحباب و استنان معلوم ہوتا ہے، اس لیے محدثین نے ان سارے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ قربانی سنت موکدہ ہے، یعنی ایک اہم اور موکد حکم ہے فرض نہیں، تاہم استطاعت کے باوجود اس سنت موکدہ سے گریز کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

2۔ قربانی مسلمانوں کی اجتماعیت کا منظر ہے اور اس سے آپس کے تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔

3۔ قربانی نہ کرنے والا مسلمانوں کی خوشیوں میں شریک ہونے کا حق نہیں رکھتا، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے نماز عید پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ مقصد اسے تنبیہ کرنا ہے تاکہ وہ قربانی ترک نہ کرے۔

واجب

حضرت محمد بن سیرین رحمتہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: "میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

"کیا قربانی واجب ہے؟"

انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان قربانی کرتے رہے اور یہی طریقہ جاری ہے۔" (طبرانی)

قربانی کا ثواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قربانی کے دن آدم کا بیٹا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو اللہ کو خون بہانے (جانور کی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو۔ وہ (جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گا (اور

نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں (قبولیت کا) مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اس لیے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔" (ترمذی)

کون سی قربانی مستحب ہے؟

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

رسول اللہ صلیہ علیہ وسلم نے سینگوں والے نرمینڈھے کی قربانی دی۔ وہ سیاہی میں کھاتا، سیاہی میں چلتا اور سیاہی میں دیکھتا تھا۔ (ابوداؤد)

فوائد و مسائل:

1۔ قربانی کا جانور دیکھنے میں بھی خوب صورت ہونا چاہیے۔

2۔ "نر" (فحیل) سے مراد یہ ہے کہ وہ خصی نہ تھا۔

3۔ نر اور خصی دونوں قسم کا جانور قربانی میں دینا جائز ہے۔

4۔ سیاہی میں کھانے، چلنے اور دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا منہ بھی سیاہ تھا، اس کے پاؤں بھی کالے تھے، اور اس کی آنکھوں کے اردگرد کی جگہ بھی سیاہ تھی۔ اس طرح کا مینڈھا خوب صورت سمجھا جاتا ہے، نیز دیکھنے میں بھی خوب صورت اور بھلا لگتا ہے۔

قربانی کا جانور

حضرت یونس بن میسرہ بن حلبس رحمتہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔

"میں اللہ کے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابوسعید رزقی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قربانی کے جانور خریدنے لگا۔

یونس بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے مینڈھے کی طرف اشارہ کیا جس کے کانوں اور گلے کا کچھ حصہ سیاہ تھا۔ وہ جسمانی طور پر نہ زیادہ اونچا تھا نہ زیادہ پست تھا۔ انہوں نے فرمایا۔

"میرے لیے یہ خرید لو۔" گویا انہوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مینڈھے کے مشابہ قرار دیا۔ فوائد:

1۔ بزرگ آدمی کے ساتھ اس کی ضروریات کے سلسلے میں جانا اس کی خدمت اور احترام میں شامل اور باعث ثواب ہے۔

2۔ قربانی کا جانور بالکل نکما نہیں ہونا چاہیے ہاں البتہ بہت زیادہ قیمتی اور نمایاں نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

3۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کوشش کرتے تھے کہ ان کا ہر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ممکن حد تک مشابہ ہو، اسی لیے امام ابن ماجی رحمتہ اللہ نے باب کے عنوان میں اسے مستحب قرار دیا ہے۔

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بہترین کفن وہ ہے جو ایک رنگ کی دو چادروں پر مشتمل ہو اور بہترین قربانی سینگوں والا مینڈھا ہے۔"

کتنے افراد کی طرف سے کفایت ہو سکتی ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ "ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ عیدالاضحیٰ آ گئی، چنانچہ ہم نے دس دس آدمی کی طرف سے ایک ایک اونٹ اور سات سات آدمیوں کی طرف سے ایک ایک گائے مشترکہ طور پر ذبح کی (ترمذی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

ہم نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے اور ایک گائے سات افراد کی طرف سے ذبح کی۔" (صحیح مسلم)

فائدہ:

1۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ میں سات آدمی شریک

ہو سکتے ہیں۔ امام مسلم رحمتہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد احادیث روایت کی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں بھی اور عمرے میں بھی سات آدمیوں کو ایک اونٹ میں شریک کیا۔ لیکن ان دونوں احادیث میں باہم کوئی تعارض نہیں، کیونکہ اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت کا واقعہ عام قربانی کے موقع کا ہے جب کہ سات آدمیوں کی شرکت کا تعلق حج وعمرہ سے ہے۔ بنابریں حج وعمرہ میں گائے اور اونٹ دونوں میں صرف سات سات افراد ہی شریک ہوں گے، جب کہ عام قربانی میں گائے میں سات اور اونٹ میں دس، افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ یہ فرق حدیث سے ثابت ہے۔

گائے کی قربانی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ (ابوداؤد)

کس عمر کے جانور کی قربانی درست ہے؟

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ بکریاں دیں جو انہوں نے قربانی کے لیے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) صحابہ کرام میں تقسیم کر دیں۔ (ان کے پاس) بکری کا ایک سالہ بچہ (باقی) رہ گیا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو انہوں نے فرمایا:

''اس کی قربانی تم دے دو۔'' (بخاری)

فائدہ:

1۔ حدیث میں عتود کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے۔ ''جو بچہ خود چارہ چرنے کے قابل ہو جائے اور ماں کا محتاج نہ رہے۔''

2۔ نواب وحید الزمان خان رحمتہ اللہ نے عتود کے معنی ایک سال کا بکرے کا بچہ لیے ہیں۔ (ترجمہ حدیث زیر مطالعہ) ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

جذعہ کی قربانی

حضرت ام بلال بنت ہلال رحمتہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بھیڑ کے جذعہ کی قربانی جائز ہے۔'' (مسند احمد)

فوائد ومسائل:

1۔ ثنیہ یا مسنہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت ٹوٹ کر دو نئے دانت آ جائیں۔

2۔ جذعہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ کے دانت نہ ٹوٹے ہوں۔

3۔ مذکورہ بالا حدیث اور ام بلال رحمتہ اللہ سے مروی حدیث: ''بھیڑ کے جذعے کی قربانی کرو، اس لیے کہ اس کی قربانی جائز ہے۔'' (مسند احمد :۶/۳۶۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں بھی بھیڑ کا جذعہ قربان کیا جا سکتا ہے، البتہ صحیح مسلم (۱۹۶۳) میں ہے، کی رو سے مسنہ (دودانتا) جانور کی قربانی کرنا افضل ہے نیز راجح قول کے مطابق جذعہ صرف بھیڑ میں جائز ہے، یعنی دنبہ اور چھترا، دیگر جانوروں کے اس عمر کے بچوں کی قربانی کرنا جائز نہیں۔

4۔ شیخ زہیر شاویش لکھتے ہیں ''بھیڑ بکری اور گائے بیل میں مسنہ وہ ہوتا ہے جو تیسرے سال میں لگ جائے اور اونٹوں میں جو چھٹے سال میں لگ جائے۔ بھیڑ کے جذعے کے متعلق علما کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ (بھیڑ کا بچہ) ہے جو پورے سال کا ہو جائے۔

لیکن یہ بات حتمی نہیں، الگ الگ ملکوں کی الگ الگ آب وہوا کی وجہ سے اس میں فرق بھی ہو سکتا ہے، اس لیے اصل اعتبار بکرے، گائے بیل اور اونٹ میں دودانتا ہونا ہے اور دنبے چھترے کا ایک

سالہ ہونا۔

دو دانت والے جانور کی قربانی

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دو دانتے کے سوا کوئی جانور (قربانی میں) ذبح نہ کرو، سوائے اس کے کہ تمہارے لیے (دو دانتا جانور تلاش کرنا) مشکل ہو جائے تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کر دو۔" (مسلم)

فائدہ:

1- علامہ البانی رحمتہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جذعہ سے مراد بھیڑ کا جذعہ ہے، بکری کا جذعہ نہیں۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ گوشت کی بکری ہے۔ قربانی کی نہیں۔"

انہوں نے کہا: "اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک بکری کا جذعہ ہے۔ (کیا میں اس کی قربانی دے دوں؟)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قربان کر دو لیکن تمہارے سوا کسی اور کے لیے درست نہیں۔" علامہ البانی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی روشنی میں بکری کا جذعہ ذبح کرنے کی اجازت نہیں، البتہ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روشنی میں بھیڑ کا جذعہ (ایک سال کا بچہ جس کے دانت نہ ٹوٹے ہوں) جائز ہے۔

جس جانور کی قربانی دینا مکروہ ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو، یا جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو، یا جس کا کان چرا ہوا ہو، یا جس کے کان میں (گول) سوراخ ہو، یا اس کا ہونٹ کٹا ہوا ہو۔" (ابوداؤد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔ (ترمذی)

فوائد و مسائل:

1- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کے کان سلامت ہونے چاہیں۔

2- آنکھیں دیکھ لینے کا مقصد یہ ہے کہ جانور کی دونوں آنکھیں سلامت ہوں۔ جس کو ایک آنکھ سے نظر نہ آتا ہو، اس کی قربانی درست نہیں۔

3- قربانی کا اصل مقصد اللہ کے لیے اچھی چیز قربان کرنا ہے، اس لیے بے عیب جانور ذبح کرنا چاہیے۔ گوشت کھانا یا غریبوں کو کھلانا ایک اضافی فائدہ ہے، اصل مقصد نہیں۔ ورنہ آنکھ یا کان کا عیب گوشت کھانے کے مقصد میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

قربانی کی کھالیں

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ آپ کے (قربانی کے) تمام اونٹوں کا گوشت، ان کی کھالیں اور جھولیں غریبوں میں تقسیم کر دیں۔

قربانیوں کا گوشت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہر اونٹ کی ایک ایک بوٹی لے کر ہنڈیا میں ڈالی گئی (اور پکائی گئی) تب انہوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے) کچھ گوشت کھایا اور کچھ شوربا پیا۔ (مسند احمد)

☆☆

دیکھ ہماری دید کے کارن

انشاجی

دیکھ ہماری دید کے کارن کیسا قابلِ دید ہوا
ایک ستارہ بیٹھے بیٹھے تابش میں خورشید ہوا

آج تو جانی، رستہ تکتے، شام کا چاند پدید ہوا
تُو نے تراز کار کیا تھا، دل کب نا اُمید ہوا

آن کے اس بیمار کو دیکھے، تجھ کو بھی توفیق ہوئی؟
لب پر اس کے نام تھا تیرا، جب بھی درد شدید ہوا

ہاں اس کے جھلکی دکھلائی، ایک ہی پل کو دریچے میں
جانو اک بجلی لہرائی، عالم ایک شہید ہوا

تُو نے ہم سے کلام بھی چھوڑا، عرضِ وفا کے سُنتے ہی
پہلے کون قریب تھا ہم سے، اب تو اور بعید ہوا

دُنیا کے سب کارج چھوڑے، نام پہ تیرے انشا نے
اور اسے کیا تھوڑے غم تھے، تیرا عشق مزید ہوا

باتیں سلمان سعید سے

شاہین رشید

1۔اصلی نام؟
سلمان سعید
2۔پیار کا نام؟
کوئی نہیں۔
3۔تاریخ پیدائش/سال؟
3نومبر 1985 کراچی۔
4۔ستارہ/ہائٹ؟
اسکارپیو(عقرب).....6فٹ 2انچ۔
5۔بہن بھائی/آپ کا نمبر؟
پانچ بھائی.....سب سے چھوٹا ہوں۔
6۔شادی؟
ابھی نہیں کی۔

7۔تعلیمی قابلیت/مادری زبان؟
اکنامکس میں ماسٹرز/اردو۔
8۔شوبز میں آمد/گھر والوں کا ردعمل؟
شوبز میں گزشتہ پانچ سال سے ہوں اور میری امی کی خواہش تھی کہ میں اس فیلڈ میں آؤں اور اداکاری کروں لیکن جب میں اس فیلڈ میں آیا تو امی کا انتقال ہوگیا۔
9۔پہلا ڈراما پہچان کس نے دی؟
پہلا ڈراما ''یہ شادی نہیں ہوسکتی'' اور اس ڈرامے سے پہچان بنی تھی۔
10۔بچپن کی کوئی اچھی اور بری عادت؟
اچھی عادت یہ ہے کہ بچپن سے ہی ڈیمانڈنگ نہیں ہوں اور بری عادت یہ کہ ضرورت سے زیادہ صاف گو ہوں۔
11۔پہلی کمائی کس کے ہاتھ میں دی؟
امی کے ہاتھ میں۔
12۔شوبز کے علاوہ آپ کی مصروفیات؟
کرکٹ اور ٹریولنگ۔
13۔آپ کا سورج کب نکلتا ہے؟
دوپہر دو بجے تک، کیونکہ میں رات کو کافی دیر سے سوتا ہوں۔
14۔صبح کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی؟
صبح اٹھتا ہی نہیں ہوں۔کوشش کرتا ہوں کہ نیند پوری ہوجائے۔
15۔بھوک کو کم کرنے کے لیے کیا کھاتے ہیں؟
میں ڈائٹنگ نہیں کرتا، اس لیے جو ملتا ہے کھالیتا ہوں۔

16۔ پاکستان کے لیے کیا سوچتے ہیں؟
کہ ہماری عوام پڑھ لکھ جائے تاکہ تھوڑی عقل آجائے اور ہمارا ملک ترقی کرے۔
17۔ سیاست میں کون پسند ہے؟
عمران خان۔
18۔ کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟
کسی بھی ملک کی نہیں۔
19۔ زندگی بوجھ بن جاتی ہے جب؟
جب انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کا محتاج ہوجائے تب۔
20۔ شوبز میں کیا اچھا اور کیا برا ہے؟
مجھے جھوٹ بولنے والے اور ''آف اسکرین'' بھی اداکاری کرنے والے مطلبی لوگ بہت برے لگتے ہیں اور جب لوگ تعریف کرتے ہیں۔ محبت سے ملتے ہیں تو اچھا لگتا ہے۔
21۔ اسپورٹس سے آپ کا لگاؤ، کون سا کھیل پسند ہے؟
مجھے کرکٹ سے بہت لگاؤ ہے۔
Love Cricket اور میں ہر ویک اینڈ پر کرکٹ کھیلتا ہوں۔
22۔ زندگی سے کیا سیکھا؟
ابھی تو شروع ہوئی ہے زندگی۔
23۔ ایک نصیحت جو اپنے ہم عمروں کو کرنا چاہیں گے؟
تعلیم بہت ضروری ہے اور اپنے والدین اور اللہ تعالیٰ کی باتوں پر عمل کریں۔ تو ان شاء اللہ دنیا اور آخرت میں کامیابیاں حاصل کریں گے۔
24۔ گزشتہ دو سالوں میں کون سا ڈراما سیریل پسند آیا؟
''میرے پاس تم ہو'' ہی دیکھا۔ بہت پسند آیا باقی میں زیادہ تر انگریزی سیریز دیکھتا ہوں۔
25۔ پہلی بار کیمرے کا سامنا کیا تو؟
نارمل تھا اور پراعتماد تھا۔
26۔ کبھی ہجوم میں تنہائی محسوس ہوئی ہے؟
ہمیشہ ہوتی ہے۔
27۔ دل کی دھڑکن کب تیز ہوجاتی ہے؟
جب کوئی غلط کام کرتا ہوں۔
28۔ ''کیا مارننگ شو ہونے چاہئیں؟
ہاں، ہونے چاہئیں۔ یہ شو بہت سے لوگوں کی کمائی کا ذریعہ ہیں۔
29۔ گھر میں سب سے زیادہ پیار اور ڈانٹ کس سے ملی؟
پیار امی سے اور ڈانٹ ابو سے ملی۔
30۔ بیمار ہونے پر بیماری کو سیریس لیتے ہیں؟
جب بیماری حد سے بڑھ جاتی ہے جب سیریس لیتا ہوں میں ویسے ہمیشہ فٹ رہتا ہوں۔ بس تھوڑا سست ہوں۔
31۔ آپ کے اب تک کے ڈراموں کی تعداد؟
تقریباً پچیس ڈراما سیریلز کرچکا ہوں۔ جو بہت مقبول ہوئے ان میں ''یہ شادی نہیں ہوسکتی''، ''تکبر''، ''مراسم''، ''خودغرض''، ''بھروسہ''، ''دوبول'' اور ''میرا دل میرا دشمن'' شامل ہیں۔
32۔ رومینٹک رول آسانی کرلیتے ہیں یا نیگیٹو رول؟
دونوں ..... البتہ رومینٹک رول زیادہ آسانی سے کرلیتا ہوں۔ کیونکہ نیچرل ہوجاتا ہے۔ محنت نہیں کرنی پڑتی۔
33۔ ادب سے لگاؤ..... کس کو زیادہ پڑھتے ہیں؟
میں کتابیں نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ نیند آجاتی ہے۔ ہاں سننا اچھا لگتا ہے۔
34۔ کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا ہو؟
اکثر فیصلے غلط ثابت ہوجاتے ہیں۔
35۔ کچن سے لگاؤ؟ کیا اچھا پکا لیتے ہیں؟
کوئی لگاؤ نہیں ہے..... لیکن آج کل ناشتہ خود بناتا ہوں۔ آملیٹ اور چائے۔
36۔ رونا آتا ہے جب؟

جب ہرٹ ہوتا ہوں اور جب جذباتی موویز دیکھتا ہوں۔

37۔ایک خواہش جو حسرت بن گئی؟
کہ کاش میرے والدین بھی میرے ساتھ ہوتے۔ ہمارے درمیان ہوتے۔

38۔کس کے لیے زندہ رہنا چاہتے ہیں؟
میرا خیال ہے کہ شادی کے بعد اپنے بیوی بچوں کے لیے، ابھی چونکہ سنگل ہوں اس لیے اپنے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔

39۔ایک نصیحت جو گرہ سے باندھ لی؟
جھوٹ نہیں بولنا، دھوکا نہیں دینا۔ کسی کا دل نہیں دکھانا۔

40۔آپ کو نفرت ہے؟
نفرت کسی سے نہیں..... مگر بلاوجہ جھوٹ بولنے والے اور Fake لوگ، غیبت کرنے والے ناپسند ہیں۔

41۔ ڈنر پر گئے مگر بل سامنے آیا تو والٹ غائب؟ کیا کریں گے؟
بہت بار ایسا ہوا ہے۔ مگر پھر بعد میں دے دیتا ہوں اور اچھی بات یہ ہے کہ وہ لوگ مان بھی جاتے ہیں آسانی سے۔

42۔ ڈرائیونگ کے وقت کون سا گانا زیادہ سنتے ہیں؟
کوئی ایک نہیں۔ بہت سے پسندیدہ گانے ہیں، انہیں ہی سنتا ہوں۔

43۔ڈاکٹر، حکیم اور ہومیو پیتھک کس پر یقین ہے؟
میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر کی دوائیاں جلدی اثر کرتی ہیں اس لیے ڈاکٹر پر یقین ہے۔ باقی سب چاہتے ہیں کہ مریض سے زیادہ سے زیادہ پیسے کمائے جائیں۔ صحیح گائیڈ کوئی نہیں کرتا..... سب چور ہیں۔

44۔پاکستان میں کیا چیز فری ملنی چاہیے؟
آج کل تو ماسک فری ملنے چاہئیں۔

45۔کیا دل سے اترا ہوا شخص پہلے جیسا مقام حاصل کر سکتا ہے؟
نہیں بالکل نہیں..... مگر میں معاف ضرور کر دیتا ہوں۔

46۔محفل میں بیٹھ کر موبائل یوز کرنے والوں کے لیے کیا کہیں گے؟
نہیں کرنا چاہیے بدتمیزی لگتی ہے۔ میں بھی کوشش کرتا ہوں کہ نہ کروں۔

48۔ملک سے باہر جاب کی پیشکش ہو تو؟
جہاں سے بھی آفر آئے گی کروں گا۔

49۔غصے میں آپ کا ردعمل؟
غصہ بہت آتا ہے لیکن برداشت بھی بہت ہے۔ اکثر کچھ بڑوں پر آتا ہے غصہ جو زیادتیاں کرتے ہیں مگر برداشت کرنا پڑتا ہے۔

50۔ٹی وی ٹاک شو کے بہترین اینکر پرسن؟
فہد مصطفیٰ۔

51۔نصیحت جو بری لگتی ہے؟
کہ ایکٹنگ چھوڑ کر کچھ اور کر لو۔

52۔جوائنٹ اکاؤنٹ ہونا چاہیے یا سنگل؟
ابھی تک تو سنگل ہے۔ شادی کے بعد دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

53۔ایک ڈیٹ جو آج تک یاد ہے؟
17 مئی..... جب میری امی کا انتقال ہوا۔

54۔ایک کھانا جو کسی بھی وقت کھا سکتے ہیں۔

برگر اور پیزا۔

55۔ اپنی پرفارمنس میں کیا کمی نظر آتی ہے۔
کہ اپنی باڈی لینگویج بہتر سے بہتر کروں۔

56۔ اپنا ڈرامہ دیکھ کر کیا سوچتے ہیں؟
کام اچھا ہو تو خوشی ہوتی ہے اور سوچتا ہوں کہ میرا ڈرامہ دیکھ کر دوسرے کیا سوچ رہے ہوں گے ان کے کیا ردعمل ہوں گے۔ میری پرفارمنس دیکھ کر۔

57۔ کس چینل پر ریموٹ رک جاتا ہے؟
جہاں کرکٹ ہو۔

58۔ پہلی فلم جو سینما میں دیکھی؟
یاد نہیں..... شاید ''جراسک پارک'' دیکھی تھی یا Indecent Proposal

59۔ کوکنگ سے لگاؤ ہے یا صرف کھانے سے صرف کھانے سے لگاؤ ہے۔

60۔ کون سا رول کرنے کی خواہش ہے؟
کوئی ایک نہیں بلکہ بہت سے اچھے مختلف اور چیلنجنگ لیڈ رول کرنے کی خواہش ہے۔

61۔ آپ کا ناقابل فراموش کردار؟
ابھی تک ایسا کچھ نہیں کیا۔

62۔ کس رول کو کرنے سے انکار کیا؟
آج کل نیگیٹو رول زیادہ آفر ہو رہے ہیں تو ایک لوگوں کو منع کر دیا ہے۔

63۔ آپ کی فیوچر پلاننگ؟
شادی، فیملی اور اچھا ایکٹنگ کیریئر اور کوئی بزنس۔

64۔ کھلی آنکھوں سے کون سا خواب بار بار دیکھتے ہیں؟
خود کو بہت کامیاب دیکھتا ہوں۔ بہترین اداکار کا ایوارڈ اور کامیاب پروڈیوسر دیکھتا ہوں اپنے آپ کو۔

65۔ پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟
لاہور کی فوڈ اسٹریٹ۔

66۔ آئینے کو کتنا وقت دیتے ہیں؟
جب ضرورت پڑے تب ہی..... ورنہ نہیں۔

67۔ کیا شادی کرنا ضروری ہے؟
بہت ضروری ہے۔ کیونکہ زندگی میں آپ کو لائف پارٹنر کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر آپ کی فیملی بنتی ہے۔ آپ دوسرے حرام کاموں سے بچے رہتے ہیں اور شادی سنت بھی ہے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے شادی کر لینی چاہیے۔

68۔ اپنا کل سوچ کر کیا احساسات ہوتے ہیں؟
یہ کہ زندگی میں بہت سا وقت ضائع ہو گیا ہے۔ اور ابھی تک زندگی شروع بھی نہیں ہوئی۔

69۔ سگنل پر کھڑے ہو کر کن چیزوں کا جائزہ لیتے ہیں؟
آس پاس کے لوگوں کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ سڑک پر رہنے والوں اور بھیک مانگنے والوں اور بزرگ اور معذور افراد کو دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ان کے لیے کچھ کر سکوں۔

70۔ خواتین رائٹر میں آپ کی پسندیدہ رائٹر؟
عمیرہ احمد بہترین رائٹر ہیں۔

71۔ فلم اور ٹی وی کے کون سے فنکار بچپن میں پسند تھے؟
بچپن سے ابھی تک ''امیتابھ'' سے بہتر کوئی اداکار نہیں دیکھا اور ٹی وی کے ہمایوں سعید ہمیشہ اپنی اداکاری سے دوسروں کو حیران کر دیتے ہیں۔

72۔ بچپن میں کون سے گیمز زیادہ کھیلے؟
کرکٹ کے علاوہ ٹیبل ٹینس، اسکواش اور سوئمنگ کافی کی ہے۔

73۔ شاپنگ کرتے وقت پہلے کس کا خیال آتا ہے؟
کہ میرا والٹ میری جیب میں ہے کہ نہیں اور کوئی ایسا اسٹور مل جائے جہاں سے سب چیزیں مل جائیں گھومنا نہ پڑے۔

74۔ کب ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرتے ہیں؟ ابھی تک تو نہیں لیکن بہت Sky Living کرنے کی خواہش ہے۔

75۔ بھی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں؟
میں چھپ کے کچھ نہیں کرتا۔ ویسے میرے کان بہت تیز ہیں۔ آس پاس کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ سب سنائی دے جاتی ہیں۔
76۔ کبھی تنہائی میں کسی کو یاد کر کے روئے؟
اکثر روتا ہوں۔ کوئی بھی ایموشنل مووی دیکھ کر، اور اپنے والدین کو یاد کر کے روتا ہوں۔
77۔ کبھی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟
ایک دو بار دکھایا تھا..... سب نے کہا کہ بہت لکی ہو، اور واقعی لکی ہوں کہ اللہ میرے لیے کافی آسانیاں کر دیتا ہے۔
78۔ اگر آپ کو کسی سیلبریٹی کا انٹرویو کرنا پڑے تو کس کا کریں گے؟
میں خود اداکار ہوں، میں کسی اور کا انٹرویو کیوں کروں گا۔ اگر کبھی ہوسٹ بن گیا تو پھر شاہ رخ خان کا کر دوں گا۔
79۔ نیند کتنی پیاری ہے؟
اگر آجائے تو بہت ..... ویسے سونے کا شوق نہیں ہے۔
80۔ آپ کے گھر میں کون اس فیلڈ میں ہے؟
میں اور میرا بھائی ہیں اور کسی کو دلچسپی نہیں ہے اس فیلڈ سے۔
81۔ بچت کس شکل میں کرتے ہیں۔
بچت ہوتی ہی نہیں ہے۔ اور اگر پیسے بچ جائیں تو گھومنے پھرنے نکل جاتا ہوں۔
82۔ ٹی وی کا کوئی ایسا پروگرام جو بند ہو جانا چاہیے؟
یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ چینلز کو جو ٹھیک لگتا ہے، وہ وہی کرتے ہیں۔ ہاں نیوز چینل پر جھوٹ بہت بولا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔
83۔ شادی میں کن رسموں کے خلاف ہیں؟
سب کے ..... بالکل سادگی سے شادی ہونی چاہیے جیسا اسلام میں بتایا گیا ہے۔
84۔ آج کی فکر زیادہ ہے یا کل کی؟
بس مرنے کے بعد کی۔
85۔ زندگی کب تقسیم ہو جاتی ہے؟
جب والدین نہیں رہتے۔
86۔ فیملی میں کون مزاج کا گرم ہے؟
مجھ سے بڑا بھائی عدنان۔
87۔ کس عمر میں موبائل استعمال کرنے کی اجازت ملی تھی؟
میرا خیال ہے کہ جب میں بیس سال کا تھا۔
88۔ غصے میں پہلا لفظ کیا نکلتا ہے؟
کچھ برا ہی نکلتا ہے۔
89۔ پسندیدہ تہوار؟
رمضان..... رمضان المبارک میں سب کچھ اچھا لگتا ہے۔
90۔ مرنے کے سین کرنا کیسا لگتا ہے؟
یہ منحصر ہے سین پر کہ سین کتنا اچھا لکھا ہوا ہے اور ڈائریکٹر کس طرح شوٹ کرتا ہے۔
91۔ کیا چیز نشے کی حد تک پسند ہے؟
مجھے کسی بھی چیز کی ایڈکشن نہیں ہے نہ چائے نہ کافی اور نہ ہی کچھ اور۔ بس مجھے اچھا کھانا پسند ہے۔
92۔ دل کی سنتے ہیں یا دماغ کی؟
دل کی۔
93۔ کیا چیز لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتے؟
اپنا فون۔
94۔ کھانا کہاں کھانا پسند ہے۔ اپنا بیڈ، ڈائننگ ٹیبل یا چٹائی؟
اپنے بیڈ پر ہی کھاتا ہوں۔
95۔ بی پی ہائی ہو جاتا ہے جب؟
جب کوئی بھی بے وقوفی والی یا غلط بات کرے یا کوئی جھوٹ بولے۔ جھوٹ تو برداشت ہی نہیں۔
96۔ اچھی یا بری خبر سب سے پہلے کسے سناتے ہیں؟
اپنے بہت قریبی دوست کو۔

☆☆

ڈراما پروڈیوسر

حرا انور سے ملاقات

شاہین رشید

سچ کہا ہے کسی نے کہ تین گھنٹے کی مووی کی تیاری میں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اس کا اندازہ اسی کو ہوتا ہے جو پاپڑ بیلتا ہے۔ ہم اور آپ تو فلم دیکھ کر یا ڈرامے دیکھ کر اچھا برا کہہ کر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ یوں تو کسی بھی ڈرامہ سیریل کی تیاری میں کئی لوگوں پر مشتمل ایک ٹیم ہوتی ہے مگر اس ٹیم میں چار فیکٹر اصل میں ڈرامے کی بنیاد ہوتے ہیں کہ جن کے بغیر ڈرامہ مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔ ان میں رائٹر، ڈائریکٹر، اداکار اور پروڈیوسر..... باقی تین کے کام تو سمجھ میں آتے ہیں مگر پروڈیوسر کا کیا کام ہوتا ہے اور لوگ اس شعبے کا انتخاب کیوں کرتے ہیں۔ یہ جاننے کے لیے ہم نے معروف پروڈیوسر ''حرا انور'' سے بات کی۔ حرا انور ہم ٹی وی نیٹ ورک میں پروگرامنگ پروڈیوسر ہیں۔

''السلام علیکم! کیسے مزاج ہیں آپ کے؟''

''وعلیکم السلام۔ میں ٹھیک ہوں۔''

''کچھ اپنے بارے میں بتائیے؟''

''میری فیملی کا تعلق بہاول پور سے ہے۔ ہم لوگ پنجابی ہیں۔ میں کراچی میں پیدا ہوئی۔ 15 ستمبر کو۔ ہم تین بہنیں ہیں، دو بہنوں کی شادی ہو چکی ہے اور دونوں ہی ملک سے باہر رہتی ہیں۔ بہنوں میں میرا نمبر دوسرا ہے۔ میری شادی نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ سب اوپر والے کے فیصلے ہوتے ہیں۔ میری امی ہاؤس وائف ہیں جبکہ والد صاحب ریٹائرڈ گورنمنٹ آفیسر ہیں۔ میں نے انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا ہوا ہے کراچی یونیورسٹی سے۔''

''اس فیلڈ سے وابستہ ہوئے کتنے سال ہو گئے ہیں آپ کو؟''

''مجھے اس فیلڈ سے وابستہ ہوئے تقریباً گیارہ سال ہو گئے ہیں اپنے کیریر کا آغاز میں نے یونیورسٹی کے دور میں ہی کر دیا تھا۔ ''تھیٹر'' کے ذریعے سے اور علی عمران کی گائیڈنس میں..... علی عمران صاحب کو کون نہیں جانتا، وہ آج کل کونٹینٹ ہیڈ ہیں اے آر وائی ڈیجیٹل میں اور بلبلے جیسے مقبول سٹ کام کے رائٹر بھی ہیں۔ پانچ سال میں نے ان کے ساتھ اے آر وائی میں کام کیا اور سیکھا کہ ڈرامہ کیا ہوتا ہے۔ پھر بہ حیثیت سینئر مینیجر اے آر وائی کونٹینٹ میں نے اس جاب کو خیر باد کہا اور ''ہم'' نیٹ ورک کو جوائن کیا۔ یہاں مجھے میمونہ صدیقی کے ساتھ کام کرنے کا موقع

ملا۔ اس ادارے میں کام کرتے ہوئے مجھے تقریباً ساڑھے پانچ سال ہوگئے ہیں۔ میمونہ صدیقی نے مجھ پر بہت بھروسا کیا اور مجھے آگے بڑھنے کے مواقع دیے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں آج تک ان ہی کے ساتھ کام کررہی ہوں۔ کافی تعداد میں ڈرامہ سیریل کرچکی ہوں۔ جس میں ''ڈری جاتی ہے صلہ'' نظر بد'' کتنی گرہیں باقی ہیں'' پوری سیریز اور سیزن ٹو کی بھی پوری سیریز کی ہیں ''محبت آگ سی'' اور ''آتش'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔''

''آپ نے انگریزی ادب میں ماسٹرز کیا اور فیلڈ پسند کی میڈیا کی۔ کیوں؟''

''ہنستے ہوئے..... ''آپ کا یہ سوال مجھے بہت پسند آیا..... اور اکثر لوگ جب مجھ سے ملتے ہیں تو وہ بھی اس طرح کا سوال کرتے ہیں کیونکہ میڈیا کا نام سن کر آج بھی لوگ گھبرا جاتے ہیں..... یونیورسٹی میں ڈرامہ میرا پسندیدہ مضمون رہا ہے اور ہمارے سارے پروفیسرز نے شیکسپیئر کو اتنے اچھے انداز میں پڑھایا کہ مجھے قدرتی طور پر دلچسپی پیدا ہوگئی۔ یونیورسٹی میں ایک ڈرامیٹک سوسائٹی بنائی اور تھیٹر شروع کیا اور جو ڈرامیٹک سوسائٹی کولیگز کے ساتھ مل بنائی، ان میں کچھ آج کل مصروف آرٹسٹ ہیں..... خیر اس پورے سلسلے میں میرے ماموں ''نبیل ظفر'' (جو خود اس انڈسٹری کا بڑا نام ہیں) نے مجھے علی عمران صاحب سے ملوایا۔ جو اس وقت اے آر آئی کے کونیکٹ ہیڈ ہیں۔ انہوں نے مجھے بہت گائیڈ کیا اور جیسے ہی میرا ماسٹرز کا فائنل ایر ختم ہوا علی سر نے مجھے جاب آفر کردی۔ اور آپ کو بتاؤں کہ جب میں نے تھیٹر کیا تو اس وقت بھی میں نے پروڈکشن اور اسکرپٹ ڈیپارٹمنٹ میں ہی کام کیا۔''

''اے آر وائی میں پانچ سال کیسے گزرے اور اس ادارے کو چھوڑنے کی کیا وجوہات تھیں؟''

''اے آر وائی میں میرے پانچ سال بہت زبردست گزرے۔ میں نے اس ادارے سے بہت کچھ سیکھا اور یہاں سے ہی مجھے پتا چلا کہ ڈرامہ اور اسکرین کیا ہوتی ہے اور جہاں تک چھوڑنے کی بات ہے تو سب زندگی میں آپ آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ تو اچھے مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ''ہم ٹی وی'' جیسے میں اپنا دوسرا گھر کہتی ہوں نے مجھے بہت اچھا موقع دیا۔ آگے بڑھنے کا تو میں نے پھر اے آر وائی چھوڑ دیا۔ ہم میں میمونہ صدیقی نے میرے کام کو مزید پالش کیا۔ ہم ٹی وی والوں نے مجھے خود بلایا۔''

''آپ نے اے آر وائی چھوڑا کہ اچھی آفر آگئی، کہیں اور سے آفر آئی تو؟..... اور آپ نے کہا کہ میمونہ صدیقی نے آپ پر بھروسا کیا۔ یعنی ''فری ہینڈ'' دیا؟''

''ہم ٹی وی کی سب سے بہترین بات یہ ہے کہ وہ ٹیم ورک پر یقین کرتے ہیں..... میمونہ باس نے مجھے بہت جگہ فری ہینڈ دیا مجھ پر بھروسا کیا اور

میرے کام کو پسند کیا اور میری حوصلہ افزائی کی۔ چونکہ یہاں ہر کام بہت آرگنائزر طریقے سے ہوتا ہے اس لیے اب اس ادارے کو چھوڑ کر کہیں اور جانے کا بالکل بھی ارادہ نہیں ہے۔

''ڈائریکشن کی طرف رجحان نہیں ہے کیا؟ اب پروڈکشن اور ڈائریکشن علیحدہ علیحدہ شعبے ہو گئے ہیں۔ وجہ؟''

''مجھے ڈائریکشن کا بہت شوق ہے اور ان شاء اللہ آگے پوری کوشش ہے کہ ڈائریکشن کی طرف آؤں۔ چینل پروڈیوسر کی جاب مجھے بہت پسند ہے۔ کیونکہ آپ پورے پروجیکٹ کو لیڈ کر رہے ہوتے ہیں۔ آؤٹ سورس (Out Source) پروڈیوسر کے ساتھ مل کر کاسٹنگ، پروموشن ڈیزائن وغیرہ وغیرہ..... کافی کریٹو کام ہے اور اس عہدے پر رہ کر بہت ساری فیلڈز کے لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا موقع ملتا ہے اور آپ نے بالکل ٹھیک کہا کہ اب ڈائریکشن اور پروڈکشن علیحدہ شعبے کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وقت بہت بدل گیا ہے۔ کام کرنے کے طریقے یا انداز بدل گئے ہیں۔ جب سے پرائیویٹ چینلز بنے ہیں تو بہت سے پرائیویٹ پروڈکشن ہاؤس بھی آ گئے ہیں۔ اس لیے طریقہ کار بدل گیا ہے کام کا۔''

''پروڈیوسر کی کیا ذمہ داریاں ہوتی ہیں؟''

''چینل پروڈیوسر جو میری Designation ہے اس کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے، کہ جو کونٹیکٹ آؤٹ سورس پروڈیوسر Submit کرتا ہے اس کا انتخاب چینل کو ٹینٹ ڈیپارٹمنٹ کے ساتھ مل کر کرنا، پھر اس کے لیے چینل کی طرف سے فنکاروں کے انتخاب کہ ہمیں یہ کاسٹ چاہیے۔ پھر ڈائریکٹر کے لیے بتانا کہ ہمیں ڈائریکٹر چاہیے۔ پھر لوکیشن کا انتخاب کروانا۔ پھر یہ کہ پروموشن کیا ہونی چاہیے۔ چینل پروڈیوسر اور آؤٹ سورس پروڈیوسر مل کر ایک پروجیکٹ چینل کے لیے بناتے ہیں۔ اور دونوں کے کام یعنی ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کے اپنی اپنی جگہ مشکل ہیں۔ بس انسان کا شوق سارے کام کرواتا ہے۔''

''اگر کوئی پروڈیوسر بننا چاہیے تو اس کے لیے کیا ضروری ہے؟''

''جو اس فیلڈ میں آنا چاہتے ہیں ضرور آئیں۔ لیکن اس کے لیے تجربہ اور تعلیم بہت ضروری ہے اور Out Source پروڈیوسر بننے کے لیے بہت صبر وتحمل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ چینل کی ڈیمانڈ پر ان کو پروجیکٹ بنا کر دے رہے ہوتے ہیں۔''

''ملک سے باہر بھی ڈرامے بنتے ہیں۔ آپ کو آسانی کہاں ہوتی ہے؟''

''ہماری رائے یہ ہی ہوتی ہے۔ اپنے ملک میں ہی ڈرامے بننے چاہئیں۔ اور کہانیاں بھی گھریلو ہوں۔ کیونکہ ناظرین گھریلو کہانیوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

''اس فیلڈ میں آپ کو گیارہ سال ہو گئے آپ نے کیا سیکھا؟''

اس فیلڈ میں آ کر سب سے پہلے تو لوگوں کے رویے سمجھنا سیکھے کہ لوگوں سے کس طرح ڈیل کرنا ہے یا ڈیل کرنا چاہیے کیونکہ آپ کو ہر طرح کے لوگوں سے ملنا ہوتا ہے لہٰذا لوگوں سے کس طرح ڈیل کرنا چاہیے یہ بہت ضروری ہے سیکھنا۔''

''حرا! یہ بھی بتائیں کہ کوئی ڈرامہ جو آپ کے لحاظ سے بہترین تھا مگر اس کو شہرت نہیں ملی۔ اور کوئی ڈرامہ جس کو کرنے میں تھوڑی مشکل پیش آئی ہو؟''

''ہم نے ایک ڈرامہ سیریل کیا تھا ''نظر بد'' کے نام سے، موبل انٹرٹینمنٹ کا یہ پروجیکٹ تھا۔ اسے عمران نذیر نے لکھا تھا اور اقبال حسین نے ڈائریکٹ کیا تھا۔ جب وہ ڈرامہ کر رہے تھے تو میرے دل میں یہ ڈر تھا کہ پتا نہیں ناظرین کیا رسپانس دیں۔ کیونکہ اس ڈرامے کا ٹاپک ''کالا جادو'' تھا۔ اس ڈرامے کو کرتے ہوئے اتنے غیر معمولی واقعات ہوئے کہ

میں آپ کو بتا نہیں سکتی اور ذاتی طور پر نہ صرف میں نے بلکہ ہماری آؤٹ سورس کی پوری ٹیم نے فیس کیا لیکن ڈرامے کا بہت اچھا رسپانس ملا..... ابھی تک کے ڈراموں میں ایسا کوئی ڈرامہ نہیں ہے کہ جس سے امیدیں اچھی ہوں اور اس نے اچھا رسپانس نہ دیا ہو کوئی نہیں۔"

"بہ حیثیت پروڈیوسر کے آپ کو کوئی ایوارڈ ملا؟"

"مسکراتے ہوئے..... چینل کے ایمپلائز کی ایوارڈ کے لیے نامزدگی Nomination نہیں ہوتی۔ ٹیم کو ایوارڈ ملے گا تو سمجھیں کہ ہمیں ملے گا۔"

"لوگ کیسے ملے آپ کو اس فیلڈ میں؟"

"جس فیلڈ میں بھی آپ چلے جائیں۔ وہاں اچھے برے لوگ تو ہوتے ہی ہیں۔ لیکن یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کیسے ڈیل کرتے ہیں لوگوں کے ساتھ..... میڈیا کی فیلڈ بہت اچھی ہے۔ مجھے بھی بہت اچھے لوگ ملے کہ میری تربیت نے مجھے ادھر ادھر بھٹکنے نہیں دیا۔ اور میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں سے یہی کہوں گی کہ میڈیا کی فیلڈ بہت اچھی ہے اور اس فیلڈ کو نئے خون اور نئے دماغ کی ضرورت ہے۔"

"کیا خیال ہے کہ اب کچھ نجی سوال ہو جائیں؟"

"بالکل۔"

"حرا! آپ خوش شکل اور اسمارٹ ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اداکاری کی فیلڈ میں نہیں آئیں؟ اور فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟"

"تعریف کا شکریہ..... ہماری فیلڈ چوبیس گھنٹے کی جاب ہے۔ فری ٹائم ذرا کم ہی ملتا ہے۔ اور جب فری ٹائم ملتا ہے تو پھر وہ وقت اپنے والدین کے ساتھ گزارتی ہوں۔ کتابیں پڑھتی ہوں کیونکہ پڑھنے سے بھی انسان بہت کچھ سیکھتا ہے اور پڑھائی مجھے مدد دیتی ہے میری جاب میں اور میں بالکل بھی سوشل نہیں ہوں اور گھر میں وقت گزارنا مجھے پسند ہے۔"

"گھریلو امور سے کتنی دلچسپی ہے..... کرونا نے زندگی محدود کر دی ہے۔ یہ پابندی کیسی لگ رہی ہے؟"

"جی آج کل کے حالات نے سب کی روٹین کو محدود کر دیا ہے مگر مجھے تو پہلے بھی گھر میں رہنا زیادہ اچھا لگتا تھا۔ اس لیے مجھے کوئی زیادہ فرق نہیں پڑا۔ اور جناب مجھے کوکنگ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ لیکن گھر کے سارے کام کر لیتی ہوں۔"

"گھر والے کتنے کوآپریٹو ہیں؟ کیا لڑکیوں کو جاب کرنی چاہیے؟"

"اللہ کا بہت شکر ہے کہ میرے گھر والے بہت سپورٹیو ہیں۔ خاص طور پر میرے والد صاحب میرے اس فیلڈ میں آنے سے پہلے میری امی تھوڑی بہت فکر مند تھیں جو کہ ایک نیچرل بات ہے۔ امی کی ہمیشہ سے خواہش تھی کہ میں سی ایس ایس کروں کیونکہ میری ایک بہن ڈاکٹر ہے اور دوسری نے ایم بی اے کیا ہوا ہے لیکن میں ڈرامہ فیلڈ میں آ گئی۔ لیکن اب میری امی اتنی خوش ہیں کہ سب کو میرے بارے میں خود بتاتی ہیں۔ اور میرے ڈراموں کے بارے میں بھی بتاتی ہیں تو میں خوش ہوں کہ میرے والدین خوش ہیں..... اور ہاں لڑکیوں کو ضرور جاب کرنی چاہیے اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہیے۔ ڈگری الماری میں سجانے کے لیے نہیں لی جاتی۔ اور اپنے خاندان میں میں ہی ہوں اس فیلڈ میں۔"

"اور فیوچر پلاننگ کیا ہے؟"

"یہی کہ اگر آگے بڑھنے کا چانس ملا تو ضرور یہ چانس لوں گی اور مزید اچھا کام کروں گی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے "حرا انور" صاحبہ سے شکریہ کے ساتھ اجازت چاہی۔

||
||

مزے دار کھانوں کے بغیر کسی بھی خوشی کا کیا مزا۔ تہواروں پر تو خصوصی طور پر پکوان تیار کیے جاتے ہیں۔ عیدالفطر ہو یا عیدالاضحیٰ جب تک دستر خوان پر مزے دار کھانے نہ ہوں گھر والوں کے چہروں پر خوشی نظر نہیں آتی۔ یہ اور بات ہے کہ عیدالفطر پر زیادہ دلچسپی اپنی تیاری میں ہوتی ہے۔ مٹھائی اور دیگر لوازمات سے مہمانوں کی تواضع کردی جاتی ہے جبکہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر نت نئے مزیدار گھر میں بنے کھانوں پر زیادہ زور ہوتا ہے۔ عیدالاضحیٰ پر تو خاتون خانہ کا سارا وقت ہی کچن میں گزرتا ہے۔ ایک طرف گوشت سنبھالنا تو دوسری طرف گھر کے افراد کی فرمائشیں۔ چونکہ گوشت وافر مقدار میں موجود ہوتا ہے۔ اس لیے فراخ دلی سے کھانوں پر نت نئے تجربات کیے جاتے ہیں۔

حسب روایت عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہم نے اپنی قارئین سے سروے کیا ہے۔ سوالات یہ ہیں۔

(1) کورونا کی وبا بہت سے معمولات زندگی پر اثر انداز ہوئی ہے۔ کیا آپ اس عید پہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں یا موجودہ صورت حال میں مشکل نظر آتا ہے۔

(2) عید قرباں پر آپ خصوصی طور پر کون سی ڈش بناتی ہیں، آپ کے گھر میں جو ڈش زیادہ پسند کی جاتی ہے، اس کی ترکیب لکھیے۔

آیئے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے کیا جوابات دیے ہیں۔

عید آئی ہے

ادارہ

طوبیٰ کامران..... نامعلوم شہر

(1) مشکل ہے قربانی اس سال۔ باقی اللہ غیب سے مدد فرمادے تو میں کہہ نہیں سکتی۔

(2) گھر میں ماشاءاللہ سب کچھ شوق سے کھایا جاتا ہے۔ چپلی کباب ہوں یا کچے قیمے کے کباب، بریانی ہو یا پلاؤ مگر جو چیز خاص طور پر بقرعید پر بنتی ہے اور پورے سال انتظار رہتا ہے، وہ ہے نمکین گوشت اور فرائی چانپ کون بھول سکتا ہے بھلا۔

نمکین گوشت

ترکیب:۔ نمکین گوشت کی ترکیب بہت آسان ہے چکنائی والا گوشت لے لیں۔ اچھی طرح دھوکر لہسن ادرک اور نمک کے ساتھ چڑھا دیں۔ پانی اتنا رکھیں کہ گوشت گل جائے اور پانی سوکھ جائے۔ ڈش میں نکال کر کالی مرچ چھڑک دیں لیجیے لذیذ آسان نمکین گوشت تیار ہے۔

ناہید اسماعیل..... کراچی

(1) کوئی ایسا ویسا۔ کرونا کی وبا نے تو معمولات زندگی کو ایسا متاثر کیا ہے کہ کچھ ہفتے تو حواس قابو کرنے میں ہی لگ گئے بھاگتی دوڑتی گھڑیوں کے آگے جیسے اچانک کوئی اسٹاپ لگا دے۔ زندگی کو ایسا بریک پہلے کبھی نہیں لگا تھا، ایسے کہ یکدم زندگی محدود ہو کر رہ گئی۔ شروع کے دنوں میں تو عجب بے یقینی کی فضا تھی پھر کچھ خوف اور پھر بے بسی کا گہرا احساس، لیکن اس سے انکار نہیں کہ بحیثیت مسلمان اس یقین اور سوچ نے ہمیشہ مضبوط بھی رکھا کہ موت کا دن اور وقت مقرر ہے، نہ ایک گھڑی پہلے نہ ایک گھڑی بعد۔ ہاں لیکن احتیاط کا سبق تو ہمارے پیارے مذہب نے بھی پڑھایا ہے وہ کرنے کی کوشش ضرور کی۔

یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ ایک طرف عوام کی بڑی

تعداد معاشی مشکلات کا شکار ہوئی تو دوسری طرف کریانہ اور میڈیکل اسٹورز کی بن آئی یوں لگتا تھا کہ پھر ساری زندگی کمائی کا موقع نہیں ملے گا۔

قربانی ہمارے ہاں ہر سال باقاعدگی سے تو نہیں کی جاتی ہاں جس سال بھی استطاعت ہو، یہ فریضہ ادا کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں اور چونکہ معاشی حالات بھی اس وبا کی لپیٹ میں آئے ہیں تو موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے اس بار قربانی میں محض حصہ لینے کا ارادہ کر پائے ہیں اللہ کامیاب کرے، آمین۔

(پیاری ناہید قربانی میں حصہ لینا قربانی ہی کرنا ہے۔)

(2) ڈشز تو ہمارے ہاں زیادہ نہیں بنتیں، باربی کیو بھی کبھی کبھار ہی کرتے ہیں، ہاں تکوں کی ڈش جو تقریباً ہر گھر میں ضرور ہی بنتی ہے یا امی بقرعید پر کچے قیمے کے کباب بناتی ہیں اور لاجواب بناتی ہیں جبکہ میں سب کے لیے تکے بناتی ہوں جو سب کو بہت پسند بھی آتے ہیں سو اسی کی ترکیب حاضر ہے۔

کچھ لوگ بیف پسند نہیں کرتے لیکن میرے خیال میں تکے بیف کے ہی زیادہ مزیدار بنتے ہیں۔ تو چلیں اب شروع ہو جائیں۔

مزے دار تکے

اشیاء:۔

گائے کا گوشت	آدھا کلو
ادرک، لہسن کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
کٹی ہوئی لال مرچ اور نمک	حسب ذائقہ
کچا پپیتا پسا ہوا	ایک چمچ
تیل	ایک چمچ
لیموں کا رس	حسب پسند
زیرہ	ایک چوتھائی چائے کا چمچ

(یہ تہائی اور چوتھائی کا حساب میری سمجھ میں نہیں آیا یاد ہی نہیں رہتا کہ اس کا مطلب کیا ہے لیکن میرا خیال ہے اس وقت یہ ہے کہ چمچ کے چار حصے کریں اور صرف ایک حصہ لے لیں۔ یا اسے بھی چھوڑیں بس تین چٹکی زیرہ لے لیں لیکن خیال رہے چٹکی بہت بڑی نہ ہو۔ اب سب سمجھ گئے ہوں گے کہ ناہید اسمٰعیل کتنی قابل ہیں)

ترکیب:۔ گوشت کے ایک سے ڈیڑھ انچ کے کیوبز بنالیں پھر اس میں سوائے زیرہ اور تیل کے ساری اشیاء اچھی طرح ملا کر پندرہ بیس منٹ میرینیٹ کرلیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور اس میں زیرہ ڈال کر چلائیں گوشت ڈالیں پانی کا چھینٹا دے کر گلنے تک پکائیں۔ پپیتے کی وجہ سے گوشت جلد ہی گل کر تیل چھوڑ دے گا تو بس بھون کر اتار لیں پھر لیموں کا رس چھڑک کر مکس کر کے پیش کریں۔ یقیناً سب کو پسند آئے گا۔

پتا نہیں سروے اور خط آپ تک پہنچ سکے یا نہیں یہ ہم لاک ڈاؤن کی وجہ سے کہہ رہے ہیں۔ مل جائے تو پلیز بتایئے گا کہ ہم نے کیسا لکھا۔

سلمیٰ مسرت.....خیابان سرسید راولپنڈی

(1) ان شاء اللہ بھرپور طریقے سے سنت ابراہیمی ادا کریں گے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس بار گھر میں اکیلے ہی اپنی چھت پر کریں گے، اس سے پہلے چار پانچ گھر مل کر کرتے تھے خوب رونق ہوتی تھی۔ میں اور چھوٹی بہن امی کے ساتھ مل کر کلیجی اور گوشت کی ایک سادہ ڈش اور پلاؤ بناتے تھے۔ میرے بچے اور بھانجے مل کر رات تک سارا کام کر لیتے تھے۔ لیکن اس بار کورونا کی وجہ سے صورت حال مختلف ہوگی۔

(2) عید کے پہلے روز تو یہ روایتی ڈشز بنتی ہیں جن کا ذکر اوپر کر چکی ہوں دوسرے دن میں صبح سے تمام ہڈیاں ایک بڑے دیگچے میں سفید زیرہ، نمک ڈال کر ہلکی آنچ پر رکھ دیتی ہوں، دوپہر تک زبردست قسم کی یخنی نکل آتی ہے، اس کا پلاؤ سب بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ترکیب وہی ہے کہ چاولوں کا مسالا تیار کر کے پانی ڈالتے وقت یخنی کا پانی ڈال دیں جتنے

گلاس کم ہیں اتنا پانی شامل کرلیں دِعا ہے کہ یہ وبا دنیا سے دور ہو جائے۔ سب کے لیے یہ پیغام ہے کہ استغفار اور درود شریف کے ساتھ دعاؤں کی کثرت کریں یہ مومن کا ہتھیار ہے۔

معصوم لڑکی.....نامعلوم شہر

(1) پہلے سوال کا جواب تو کچھ یوں ہے کہ گھر میں صرف مابدولت اور والدہ ہوتی ہیں۔ بھائی الگ رہتے ہیں تو اپنے اپنے گھروں میں حیثیت کے مطابق قربانی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ البتہ جب سب ساتھ تھے تب بھی گائے میں حصہ ڈالا جاتا تھا جسے سنبھالنا بعداز قربانی مما کی ذمہ داری تھی۔

(2) بقرعید پر مما اسپیشلی گھر کے مسالوں سے چٹ پٹی بوٹیاں بناتی ہیں جس کی ترکیب وہ نہیں بتائیں گی۔ (ہاہاہا) لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں ہم بھی کچھ ایسے نکمے نہیں۔ تو نمکین عید کی دعوت پر سالن کے طور پر اسٹو بنتا ہے جو مابدولت ہی پکاتی ہیں اور سب کو پسند آتا ہے۔ ترکیب پیش خدمت ہے۔

اسٹو

آدھا کلو گوشت میں ایک پاؤ دہی، دو چمچے کٹی لال مرچ، نمک اور ادرک لہسن کا پیسٹ لگا کر رکھ دیں۔ یاد رہے جتنی دیر گوشت میرینیٹ ہوگا ذائقہ اتنا ہی عمدہ۔

اب حسب پسند تیل میں ثابت گرم مسالا، ثابت سرخ مرچ اور ایک عدد بڑی پیاز ڈال کر سنہرا کرلیں۔ پھر اس میں گوشت شامل کر کے گلنے تک پکائیں۔ آخر میں ادرک اور تلی ہوئی سرخ مرچوں سے سجا کر پیش کریں۔

صدف ناصر.....گوجرانوالہ

(1) جی بالکل اس میں کوئی شک نہیں ''کورونا'' کی وبا سے معمولات زندگی بے حد ڈسٹرب ہوئے ہیں۔ فاقوں تک نوبت آ گئی۔ مگر خاص الخاص پاکستان میں بہت بڑا المیہ ہے کہ جب بھی ملک کسی ناگہانی آفت کا شکار ہوا۔ وہیں کچھ ''بے ضمیر'' لوگوں کو اپنی اصلیت دکھانے کا موقع مل گیا۔ اشیائے خورد و نوش مہنگی سے مہنگی کر دیں۔

شاپنگ میں ہزاروں، لاکھوں لٹایا جائے گا اور قربانی کا ذکر آتے ہی ''کورونا'' اور ''برے حالات'' کا رونا روئیں گے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جو قربانی کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں ہمیشہ سے وہ اب بھی کریں گے۔ جو پہلے بھی ''خرابی تقدیر'' کے ستائے ہوئے ہیں وہ اب بھی ستائے جائیں گے۔ خدارا! کچھ خیال کیجیے حقیقی ضرورت مندوں کا، یہی اصل ''قربانیاں'' اصل ''حج اور عمرے'' ہیں۔

(2) خصوصی ڈش نہیں جناب ڈشز ہیں۔ ''گوجرانوالہ'' میں سب سے اول کام ہی ''اچھا کھانا ہے باقی کام بعد میں۔ بہرحال ''پلاؤ، گوشت کے پکوڑے، نمکین گوشت، اچار گوشت لازمی بنتا ہے۔ ہاں مگر ''پلاؤ'' سب ہی بار بار بنواتے ہیں۔ کیونکہ میری عادت ہے سبھی بچوں، بڑوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بناتی ہوں کہ مسالے تیز نہ ہوں۔ گوشت خوب نرم، اچھی طرح گلا ہوا ہو۔

گوشت کے پکوڑے

''گوشت کے پکوڑے'' بنانا کبھی نہیں بھولتی کیونکہ سارا بچپن ہر عید پر ابو خود ہمیں بنا کر کھلاتے تھے۔ (اللہ ابو کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین)

ترکیب:۔

دو یا تین کلو بالکل صاف ستھرا، گول بوٹی کا گوشت لیں۔ انہیں ایک جیسے چھوٹے سائز میں کاٹ لیں۔ پھر اچھی طرح گلا لیں۔ (نمک ایک چمچ ڈال کر) اس کے بعد بیسن میں نمک، مرچ، ہلدی، زیرہ ڈال کر مکس کر لیں اور پکوڑے بنائی جائیں گوشت کے۔ بیسن اور مسالہ جات ہیوی نہ رکھیں کیونکہ گوشت بذات خود ''ہیوی'' ہوتا ہے۔ رائتے کے ساتھ نوش فرمائیں۔ ورنہ جدید دور کے مطابق ''کیچپ، مایونیز، کولڈ ڈرنک'' زندہ باد۔

☆☆

نادرہ خالون

ہمارے نام

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

حمیرا شفیع.....صادق آباد

خواتین ڈائجسٹ سے برسوں پرانا ناتا ہے۔ گھر میں امی اور بڑی بہن پڑھتی تھیں اور ہم چھوٹے۔ محض تصویروں سے دل بہلایا کرتے تھے۔ نجانے کیسے تانکا جھانکی کرتے کرتے خود میں بھی لکھنے لکھانے کے جراثیم پیدا ہو گئے۔ پہلی کہانی نوائے وقت کے ''پھول اور کلیاں'' میں اس وقت چھپی جب ہم صرف پانچویں کلاس میں پڑھتے تھے۔ کالج پہنچے تو نظم، غزل، افسانہ الغرض ہر ایک میں طبع آزمائی کی۔ ڈائجسٹ سے بھی بدستور تعلق قائم رہا مگر یہاں لکھنے کی جرات نہیں کی۔ پھر یوں ہوا کہ غم روزگار میں ایسے الجھے ایسے الجھے کہ سر سدھ بدھ ہی نہ رہی۔ اب کچھ عرصے سے یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا ہے۔

یوں تو سارے کا سارا ڈائجسٹ ہی بہت عزیز ہے۔ مگر ''ہمارے نام'' کی تو کیا ہی بات ہے۔ ایک ایک خط نہایت ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ ہر مہینے حاضری دیں مگر کیا کریں وہی پرانا دکھڑا کہ پوسٹ آفس گھر سے بہت دور ہے۔ اس پر مستزاد کارکردگی کا یہ عالم ہے دھڑکا سا لگا رہتا ہے کہ خط جاتے جاتے مقررہ تاریخ گزر جائے گی۔ ہماری اماں کا تو خیال ہے کہ گھر سے پوسٹ آفس کا اتنا زیادہ دور ہونا ڈائجسٹ والوں کے حق میں بہتر ہے ورنہ ہم نے اتنے خطوط لکھنے تھے کہ آئے روز ان کے دفتر میں ہمارے ہی خطوط کا چھوٹا موٹا سا سیلاب آیا رہتا تھا۔

اس بار جولائی کا ڈائجسٹ 11 تاریخ کو ملا۔ کہنی سننی میں مدیر صاحب کا احتیاط کا مشورہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

کرن کرن روشنی سے فیض یاب ہوئے۔ فرح نادر سے ملاقات خوب رہی۔ شاہین آپی نے ثنا فیصل سے خوب ملاقات کروائی۔ تتلی جیسا پیارا اپنا رخ موڑ رہا ہے۔

افسانے اس بار صرف چار تھے۔ چاروں ہی زبردست تھے۔ ناولٹ نعیمہ جی کا بہترین رہا۔ شمائلہ العباد کا ''ہجر زادہ'' بہت متاثر کن تحریر تھی۔ مریم عزیز کی کہانی اچھی تھی۔ اگرچہ کچھ طویل تھی۔

''آپ کا باورچی خانہ'' زینب نور نے مشکل سویٹ ڈش کی ترکیب پیش کی۔ اب انسان ''بوہلی'' کہاں سے لے۔ عدنان بھائی بہترین نفسیات دان ہیں۔ اچھے مشورے دیتے ہیں۔

ڈاکٹر فریال سے گزارش ہے کہ وہ بچیوں کو ماہانہ نظام میں ہونے والی کمزوری اور درد کے بارے میں کچھ ڈاکٹری مشورہ دیں۔ اسی طرح سے ریحانہ باجی کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کوکنگ بہت اچھی کرتی ہیں۔ میں بھرے ہوئے پراٹھے پکانے کی بہت شوقین ہوں مگر وہ پکتے پکتے کھل جاتے ہیں اور مواد باہر آ جاتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں میری رہنمائی کریں۔

ج: پیاری حمیرا! آپ نے شروع میں اپنی تحریریں ہمیں نہیں بھجوائیں اور بلاوجہ کسر نفسی سے کام لیا۔ یقین رکھیں کہ ہمیں ہیروں کی پہچان ہے اور ہم ان کی قدر بھی خوب کرتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی پہلی تحریر ہم نے فوراً ہی شامل کر لی تھی۔ آپ نے ان افسانوں کی لسٹ

لاہی ہے جو ہمیں بھجوائے ہیں۔ یہ افسانے ہمارے پاس محفوظ ہیں اور ان شاء اللہ باری باری جگہ پائیں گے۔ آپ کے لیے ہمارا مشورہ ہے کہ آپ باقاعدہ پلاٹ بنا کر طویل تحریروں کی طرف توجہ دیں یعنی ناولٹ، مکمل ناول وغیرہ۔ ہمارے خیال میں آپ میں صلاحیت ہے، آپ لکھ سکتی ہیں فقط کہانی کا تانا بانا ٹھیک سے بننا ہے۔

خواتین ڈائجسٹ پہ تبصرہ بھی اچھا ہے۔ ''ہجرزادہ'' شمائلہ العباد کی تحریر تھی سہواً نام غلط لکھا گیا۔

ڈاکٹر فریال اور ریحانہ چوہدری تک آپ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

ام ہانی.....سلانوالی

نماز عصر ادا کر کے کاغذ قلم سنبھال لیا ہے۔ الفاظ ہیں کہ کسی شرارتی بچے کی طرح آنکھ مچولی کا کھیل کھیلتے ہیں۔ (اور میں پکڑنے میں ہلکان)

عمر عزیز کی بائیس بہاریں دیکھ چکی ہوں۔ بلکہ بہاریں کیوں سردیاں، گرمیاں، خزائیں سب دیکھی ہیں۔ (ہی ہی ہی) حال ہی میں انگریزی میں ایم اے کیا ہے (الحمدللہ) اور اب ہم ہیں اور خواتین وشعاع کا ساتھ ہے دوستو!

خواتین سے رشتہ بارہ یا تیرہ برس پرانا ہے تب میں لطیفے پڑھتی تھی۔ آہستہ آہستہ شعور کی منازل طے کرنے میں اتنی سمجھ دار ہوگئی کہ خواتین کے تمام سلسلے پڑھنے لگی (یہ پڑھنے کی عادت بڑی بہن سے لگی) خواتین سے بہت کچھ سیکھا۔ آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں؟ ایک بہت ہی پیاری چیز جو میں نے خواتین سے سیکھی وہ تھی ''اپنے کردار اور اپنی عزت کو قابل قدر و بیش قیمت جاننا۔'' نادان لڑکیوں کی نادانیوں اور ان کی بدولت وہ ٹھوکریں جو ان کے نصیب میں آتی ہیں، ایسی بے شمار کہانیاں (افسانے و ناولٹ وغیرہ) پڑھ کر اتنی عقل آئی کہ کبھی ایسی ویسی بات کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ اس کے لیے تھینک یو سو مچ خواتین۔ شمارے پر تبصرہ اگلی دفعہ کروں گی۔

ج: ام ہانی! آپ کی کہانی مل گئی ہے ابھی پڑھی نہیں۔ اچھی ہوئی تو ضرور جگہ پائے گی۔

جب آپ قارئین لکھتی ہیں کہ خواتین نے آپ میں عزت نفس پیدا کی، اپنے وقار کا خیال رکھنا سکھایا تو ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ خواتین ڈائجسٹ کا اجراء کرتے وقت ہمارے پیش نظر یہ ہی مقصد تھا کہ خواتین خود کو پہچانیں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔

صبا راجپوت.....نامعلوم

میں نے فیس بک وغیرہ جوائن کیا ہوا تھا، ڈائجسٹ تو پہلے بھی پڑھتی تھی پر کبھی لکھا نہیں، صرف خواتین ڈائجسٹ کو وقت دینے کے لیے میں نے اپنی ID ڈیلیٹ کردی۔ آپ سے پوچھ کر میں نے واٹس اپ کے ذریعے تبصرہ بھیجا اور شاعری بھی لیکن جب پرچا آیا تو نہ خط شامل تھا۔ نہ شاعری، شاعری کا تو مجھے گمان تھا کہ ایسی شاعری کی جگہ نہیں ہوگی۔ وہ تو صرف ''پارو'' بہنوں کے لیے ہے نا پر خط کے لیے تو آپ نے یقین دلایا تھا نا۔

ج: پیاری صبا! آپ کا خط شامل ہے۔ اب آپ بھی ہماری ''پاور'' بہنوں میں شامل ہوگئیں۔ آپ کا پچھلا خط شامل نہ ہوسکا، اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ آئندہ خیال رکھیں گے کہ ہماری ''پارو'' بہن کا دل نہ ٹوٹے۔

پرچے پر تو آپ نے تبصرہ کیا ہی نہیں؟ آئندہ خط لکھیں تو پرچے پر ضرور تبصرہ کیجیے گا۔

صدف ناصر.....گوجرانوالہ

''کرن کرن روشنی'' سے دل کو ایمان کی روشنی سے منور کیا اور ادارے کو سراہا۔

''ہمارے نام'' میں اپنا نام دیکھ کر مجھے دلی خوشی ہوئی۔ ساتھ ساتھ میری بیٹیوں کو بھی۔ جو بالترتیب اول۔ سوئم اور پنجم کلاس میں ہیں۔ اور نہ صرف میرا خط پڑھتی ہیں بلکہ ''اقوال زریں'' بھی۔ کچھ قاری بہنیں کہتی ہیں اتنی چھوٹی عمر میں کوئی کیسے پڑھ سکتا ہے۔ مگر یہ سچ ہے۔ ''میری ڈائری سے'' حمدہ خان کا انتخاب پسند آیا۔ ''مجھ سے ملیے'' فرح نادر سے ملاقات اچھی رہی۔ ثناء فیصل سے انٹرویو ٹھیک تھا مگر ہلکے پھلکے سے انٹرویوز زیادہ اچھے لگتے ہیں۔

مکمل ناول ہر دل عزیز رائیٹر مریم عزیز کا۔ ''اے دل بے خبر'' بہت خوش ہو کر پڑھنا شروع کیا لیکن افسوس پہلے صفحے اور پیرے سے ہی پوری اسٹوری کا پتا چل گیا۔ پلیز اس ٹاپک کو اب ختم کردیں۔

ناولٹ شائلہ والعباد کا ''ہجر زادہ'' اچھی تحریر، نعیمہ ناز اظہار کیوں نہیں کرتیں کافی دنوں بعد لے کر آئیں معذرت کے ساتھ اس فعہ کافی بے رنگ سا لکھا۔ کہیں کہیں آسیہ رزاقی کی جھلک بھی محسوس ہوئی۔ افسانے حمیرا عروش ''راج دلاری'' بہترین لکھا۔ ''پارلر والی'' بہت پرانا ٹاپک ہے۔ مگر اچھا لکھا۔ نئی اور پرانی رائیٹرز سے گزارش ہے کہ پلیز نئے موضوعات پر لکھا کریں۔ ''شریک سفر'' گھر گھر میں یہی مسائل ہیں۔ ''واپسی کب ہے'' ہمارے معاشرے کی تلخ حقیقت۔ ''آپ کا باورچی خانہ'' زینب نور کی آمد اچھی لگی۔ ''ڈش پہلی دفعہ سنی۔ ٹرائی کی تو ضرور بتائیں گے۔

''ہمارے نام'' سمارہ انعم بھٹی کا بہت شکریہ میرا خط آپ کو اچھا لگا اور ہمیں سب ہی بہنوں کے اچھے لگے۔ بس اتنی سی ریکویسٹ ہے کوئی کہانی پسند نہ آئے بہت سخت جملے استعمال نہ کریں۔ دل آزاری ہوتی ہے رائیٹرز کی۔ ''پھوپھو کی دعوت واقعی ایک اچھی اسٹوری تھی اور آپ کا جواب بھی اچھا تھا۔

ج: صدف جی! تفصیلی تبصرے کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ آپ نے بہت متوازن اور اچھا تبصرہ کیا ہے ہر کہانی پر۔ آپ کا باورچی خانہ ہمیں موصول نہیں ہوا۔ دوبارہ بھجوائیں۔

سیدہ بخاری اینڈ بخاری سسٹرز..... کبیر والہ

ہم بخاری سسٹرز آپ سے ناراض تھیں وجہ یہ ہے کہ ہمارے ابا ہمیں چھوڑ گئے اور آپ نے ہم سے تعزیت ہی نہ کی۔ لاکھوں قارئین بیمار ہوتے ہیں اور فوت ہو جاتے ہیں کس کس کی آپ عیادت، تعزیت کریں یہی سوچ کر اپنی خود ساختہ ناراضی خود ہی کم کر لی ہے (خط لکھ کر) یہ آپ کو بتا دوں کہ میرے ابا بھی تقریباً بیس پچیس سال سے آپ کے مستقل سلسلوں کے مستقل قاری تھے خاص کر قرآن وحدیث کے۔ عائشہ تو کچھ زیادہ ہی خفا تھی میری بھولی بہن یہ نہیں جانتی تھی کہ ابا کو تو صرف ہم جانتے ہیں اور جن کی خبریں لگتی ہیں، انہیں ایک دنیا جانتی ہے بہر حال چوٹ تازی تازی لگی تھی نا تو اس لیے سب اتنا حساس ہو رہے تھے رسالہ آتے ہی باری باری بھائیوں نے آ کر پوچھا، خط شائع ہوا چونکہ اس میں ابا کا ذکر ہونا تھا نا تو اس لیے۔

کہانی ''تتلی جیسا پیار'' اس رسالے کی بہترین اور میری پسندیدہ ترین کہانی ہے حالم اس دفعہ کچھ خاص سمجھ میں نہیں آئی الجھی الجھی سی تھی، شاید کافی دنوں بعد پڑھی اس لیے۔ اب آتے ہیں رنگ ریز کی طرف یہ کچھ ملتی جلتی نہیں۔ کرن کے ہم نفس ہم نوا کے ساتھ۔ اس میں بھی تین بہنیں اس میں بھی تین۔ بھائی دونوں میں نہیں۔ سچی بتاؤں مجھے ایسے لگتا ہے ارسلہ اور نرمین ایک ہی لڑکی ہے جسے عفت سحر خواتین میں پکڑ لاتی ہیں تو کبھی آسیہ مرزا کرن میں کھینچ لیتی ہیں ادھر زلفی بے چارا اوندھا پڑا ہے۔ ادھر سکندر۔

ج: پیاری سیدہ! آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچی اس کا ہمیں بے حد افسوس ہے۔ آپ نے اپنے والد کے آخری دو ایام کے بارے میں پوری تفصیل سے خط لکھا تھا اور ہم نے وہ خط کمپوز بھی کرایا۔ لیکن جب دو ماہ کی غیر حاضری کے بعد آفس کھلا تو لاک ڈاؤن تھا۔ آفس میں کام کرنے کا دورانیہ بہت کم تھا، ہم نے جس طرح ممکن ہوا، جون کا پرچا مکمل کیا۔ اسی ہڑبونگ میں آپ کا خط جو آپ نے اپنے والد صاحب کے بارے میں لکھا تھا۔ شامل ہونے سے رہ گیا۔

ہمیں آپ کے والد کی وفات کا بے حد افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

آپ کے پاس خط کی نقل ہو تو دوبارہ لکھ کر بھجوا دیں۔ ہم شامل کر لیں گے۔

بشریٰ یامین ملک ..... دریا خان ضلع بھکر

نمرہ احمد کا ناول حالم بہت زبردست ہے اتنا کہ حالم کے اختتام پہ نمرہ کو بیسٹ رائٹر کا ایوارڈ ملنا چاہیے۔ راحت جبیں کا ناول ''تتلی جیسا پیار'' اپنے نام کی طرح منفرد ہے مجھے بھی رنگ برنگی تتلیاں بہت پسند ہیں لیکن عظمیٰ چھوٹی بہن تو دشمن ہے تتلیوں اور پرندوں کی۔ سڑیل سی۔ رنگ ریز میرے بہت اچھا ہوتا ہے۔ عفت سحر طاہر! میں روبیکا (بے قوف سی ہیروئن) کو بہت یاد کرتی ہوں۔ ناولٹ کبھی اچھے ہوتے ہیں اور کبھی بہت بکواس۔ انداز بیاں نیا اور کلچر بھی نیو ہو تو کیا ہی بات ہے افسانے اچھے ہوتے ہیں خاص کر منشا محسن علی اور افشین نعیم کے۔

میں اور عاصمہ سردیوں کی کپکپا دینے والی راتوں میں ''یار دلدار'' پڑھ کر بے آواز اور بے حساب ہنستے تھے بے آواز اس لیے کیونکہ ساتھ والے روم میں ابو ہوتے۔ اب تو خیر جلا کر راکھ کر دینے والی گرمیاں عروج پر ہیں۔ میں گھر والوں کو بہت ہنساتی ہوں ویسے آج کل تو لطیفہ سنا کر بتانا پڑتا ہے کہ یار سیریس کیوں ہوگئی ہو یہ لطیفہ تھا۔ ایک شکوہ ہے آپ سے کہ خط سارے شائع کیا کریں صفحات کی کمی کا بہترین حل یہ ہے کہ فضول سے اشتہارات لگانے کے بجائے خط شائع کر دیا کریں۔ نمرہ احمد اور نگہت سیما میری پسندیدہ رائٹر ہیں۔ نگہت سیما بہت اچھا لکھتی ہیں۔

ج: پیاری بشریٰ! ہنسنے ہنسانے والے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ آپ کے گھر والوں کی خوش نصیبی ہے کہ آپ ان کو ہنساتی رہتی ہیں۔ خواتین ڈائجسٹ کی ابتدا سے یہ پالیسی رہی ہے کہ فضول اشتہارات تو ہم شائع ہی نہیں کرتے۔ پرچے میں ہر ماہ دو یا تین اشتہار ہوتے ہیں اگر فضول اشتہار شائع کرتے تو پرچے میں اشتہارات کی بھرمار ہوتی۔

اقراء سرور.....ڈی جی خان

سرورق پسند نہیں آیا۔

کرن کرن روشنی ایک بہترین سلسلہ۔ انشاء جی کی انگریزی فلم دیکھی۔ انشاء جی آپ زندہ ہوتے تو میں آپ سے ضرور ملتی۔ میری ڈارن سے کوئی بھی غزل پسند نہیں آئی۔ فرح نادر سے باتیں سو سو لگیں۔

''تتلی جیسا پیار'' سبحان اللہ راحت جبیں کمال کی منظر نگاری، کوئی اتنا اچھا بھی لکھ سکتا ہے۔ ''رنگ ریز میرے'' زیادہ پسند نہیں آرہا یہ ناول۔

''اے دل بے خبر'' انتہائی زبردست ناول۔ مریم عزیز کا پہلا ناول میں نے پڑھا۔ پڑھ کر ان کی فین ہوگئی۔ اظہار کیوں نہیں کرتیں!'' نعیمہ ناز جی آپ کمال کی مصنفہ ہیں۔

''ہجر زادہ'' ایک بہت ہی نازک مسئلے کو شائلہ والعباد نے زبردست اور منفرد طریقے سے اجاگر کیا۔ عندلیب زہرا تم بہت اچھا لکھتی ہو۔ تمہاری تحریر بہت سادہ، مختصر مگر جامع ہوتی ہے۔

حمیرا عروش کی ''میری راج دلاری'' چوٹ کھانے کے بعد ہی ساس کو راج دلاری لگتی ہے۔ عنبرین ابدال کا افسانہ ''شریک سفر'' بہت اچھا لگا۔ یہ ہر گھر کا المیہ بن چکا ہے ہر گھر کی کہانی ہے اور آخر میں جس افسانے نے دل کو پکڑ کر رلا دیا۔ میمونہ صدف کا ''واپسی کب ہے'' کیا کیا یاد دلا دیا اس افسانے نے۔

مجھے اپنے شہر کا وہ لڑکا یاد آ گیا جس نے پچھلے سال خودکشی کر لی تھی۔ اس کا آخری ویڈیو پیغام سن کر آپ دل پکڑ پکڑ رو دیے گا۔ اتنا بڑا ظلم کیا تھا اس کے والدین نے اس پر۔ وہ بہت معصوم تھا۔

اتباف ابرک کی غزل دل کا حال بیان کرتی ہوئی سید عارف کی غزل بھی دلی جذبات کی عکاسی کرتی ہوئی۔ جواد مقصود کا دعائیہ خواب دل کو چھو گیا۔

میری ڈائری سے ناہید اسماعیل کی مختصر سی غزل بہت پسند آئی۔

اس بار خط سب کے سب انتہائی دلچسپ، جامع اور بہترین تھے۔ ماشاء اللہ ڈاکٹر فریال آپ کا کلینک کہاں ہے؟ کبھی شہر کا چکر لگا تو میں آپ سے ملنے آؤں گی۔

ج: پیاری اقراء! خط لکھنے کے لیے کسی قابلیت یا ڈگری کی ضرورت نہیں۔ آپ خوامخواہ اتنے دن تک سوچتی رہیں۔ آپ سادہ سے الفاظ میں اپنے جذبات بیان کر دیں۔ ہمارے لیے آپ کی رائے اہم ہے، آپ کی لفاظی نہیں۔ آپ نے تمام کہانیوں پر بہت اچھا تبصرہ کیا ہے۔ اب باقاعدگی سے رابطہ رکھیے گا۔

از طرف فرزانہ انصاری عرف گڑیا.....کراچی

نادرہ آپی آج دو سال بعد آپ کو خط لکھنے کے لیے قلم اٹھایا ہے۔ آپ نے تو ہمیں یاد ہی نہیں کیا اور ہم بھی آپ سب کو بھولے ہی نہیں۔ خواتین اور شعاع پڑھے بنا تو مجھے نیند ہی نہیں آتی۔ مگر پورے ایک سال تک میں نہیں پڑھ پائی، وجہ آپ کو بتاتی ہوں۔

18 دسمبر 2018 کو میرے چھوٹے بیٹے ''محمد حذیفہ'' کی پیدائش ہوئی۔ سخت سردیوں کے دن تھے۔ حذیفہ 15 دن کا تھا اسے نمونیہ کا اٹیک ہوگیا۔ ہیموگلوبن بھی کم ہوگیا۔ جوانڈس (شدید پیلیا) ہوگیا۔ تین جنوری 2018 کو اسے عباسی ہاسپٹل کے نیو چلڈرن آئی سی یو میں رکھا گیا۔ ڈاکٹر زیادہ پرامید نہیں تھے مگر رب کریم نے

حذیفہ کو نئی زندگی عطا کی۔ میں چھلے میں تھی وقت بے وقت آنے جانے سے اثرات کے زیر اثر آ گئی۔ دس سے پندرہ دن اسی میں گزرے۔ مجھے اپنا ہوش نہیں تھا۔ دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ بہت شدید تکلیف میں یہ دن گزرے۔ میری ایک لاکھ کی کمیٹی کھلی تھی وہ سب بیماری میں خرچ ہوگئی۔ روحانی علاج فی سبیل اللہ ہوا۔ اللہ کے حکم سے پہلی مرتبہ میں ہی بہت افاقہ ہوا۔

اسی دوران ٹی بی ہوگئی نجانے کیسے۔ پھیپھڑوں میں پانی بھر گیا۔ نادرہ آپی میں ایسی ہوگئی تھی خود سے بیٹھ نہیں سکتی تھی۔ کھڑی نہیں ہوسکتی تھی۔ اپنے بچے کو گود میں نہیں لے سکتی تھی۔ بس بہت کڑا وقت تھا جو گزر گیا۔ اللہ پاک نے بہت رحم کیا۔ ان کا کام چھوٹ گیا۔ معاشی حالات بھی بہت برے ہوگئے۔ پھر اس موقع پر میرے بہن بھائیوں نے بہت ساتھ دیا۔ میری بڑی نند نے ایک ماہ تک کھانا پکا پکا کر بھیجا (وہ ہماری گلی میں ہی رہتی ہیں) ان کی بیٹی صفائی ستھرائی کر جاتی تھی۔

ایک ماہ تک مجھے میری بڑی بہن ''صابرہ باجی'' نے اپنے گھر رکھا۔ حذیفہ کو ان کی بیٹی نے سنبھالا۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتی ہوں کہ ان سب کو اس کا اجر دے۔

بہر حال اب اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے بیماری بھی دور ہوگئی۔ حذیفہ بھی ٹھیک ہوگیا، روزگار بھی لگ گیا۔ معاشی پریشانیاں تو اب بھی ہیں مگر اب ان کی نوعیت بدل گئی۔

جنوری 2019 سے جولائی 2020 تک سارے شمارے صرف چھ ماہ میں پڑھ لیے۔ شعاع میں ابھی تک اپریل تک پہنچی ہوں۔ بہت ساری کہانیوں نے دل کو چھوا۔

خواتین ڈائجسٹ کے مارچ 2020 کے شمارے میں ''حالم'' کی جو قسط آئی تھی، اس میں تالیہ ایڈم سے جو سامان منگواتی ہے، وہ لا کر دیتا ہے۔ وہیں قسط ختم۔ میں نے کسی شمارے کا انتظار اتنی شدت سے نہیں کیا جتنا اپریل 2020 کے شمارے کا، میں نہیں جا پاتی انہیں بھیج دیتی۔ ضلع وسطی کا ہر بک اسٹال، اخبار والوں ہر جگہ ڈھونڈ لیا مگر آنا تو ملتا نا؟

نادرہ آپی صرف ایک مرتبہ کا بتاتی ہوں۔ رمضان المبارک کے دن تھے۔ لاک ڈاؤن لگا ہی تھا۔ میں روزے سے تھی۔ مگر ''حالم'' پڑھنے کی دھن سوار، بھری دوپہر میں تین بچے ان کے ساتھ بائیک پر نکلی جگہ جگہ راستوں میں رکاوٹیں کھڑی تھیں۔ نیو کراچی میں ایک علاقہ ہے ''سندھی ہوٹل'' کے نام سے وہ اپنے مشہور زمانہ ٹریفک جام کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ کبھی آپ آنا سندھی ہوٹل چاروں طرف روڈ ہے اتنا ہی ٹریفک اتنے ہی پیدل چلنے والے، اسے ''چھوٹی جونا مارکیٹ'' بھی کہتے ہیں۔ وہاں سے نکلنے کے لیے ایک گھنٹہ چاہیے ہوتا ہے۔ میں روزانہ جاتی رہی تین ماہ تک یا نہیں بھیجتی رہی (جو چیز کہیں نہ ملے وہاں مل جاتی ہے اس لیے) مجھے تو وہاں کے دکاندار بھی پہچاننے لگ گئے تھے یہ ڈائجسٹ ڈھونڈنے آتی ہیں۔ اب آپ میری محبت دیکھ لیں (اور آپ نے کسی شمارے میں مجھے یاد بھی نہیں کیا) ہم کبھی کہیں سے نکلتے۔ کبھی کہیں سے پانچ بجے سب بند (واپسی میں نماز روزے کی تیاری بھی کرنی ہوتی تھی) آخر میں تو یہ تنگ آ گئے تھے کہتے پاگل کر دیا تم نے ڈائجسٹ کے چکر میں، میں رو پڑتی تو پھر لے جاتے بہر حال اللہ اللہ کر کے جون 2020 کا شمارہ ملا۔ اب کچھ بھی ہو شمارے کا ناغہ نہیں کرنا۔

''عفت سحر'' کا رنگ ریز میرے بہت زبردست چل رہا ہے۔ راحت جبین کا ''تتلی جیسا پیار'' اپنا رنگ نہیں جما پا رہا۔ محمود صاحب (صائم کے نانا) کا کردار بھی بہت اچھا ہے۔ ستارہ خالہ کا کردار بھی بہت پسند آیا۔

شمائلہ دالعباد کی ''ہجرہ زادہ'' اچھی کاوش تھی۔ ایسے موضوع پر کوئی لکھتا نہیں تھا۔ مہر النساء کی خودکشی دل دہلا گئی۔

مریم عزیز کا ''اے دل بے خبر'' بھی اچھا ناول ہے۔ مگر جیا نے اچھا نہیں کیا۔

آپی اس مرتبہ میں سروے میں حصہ نہیں لے رہی کیوں کہ ہم قربانی نہیں کر پاتے (حالات ہی بہتر نہیں ہوتے) امی کے گھر ہوتی تھی۔ اب ہوتی ہے۔ اب وہاں کا کیا لکھوں اپنے گھر کی بات الگ ہوتی ہے۔ میرا بیٹا حسن ہر سال مجھے زچ کیے رکھتا ہے۔ مما گائے لے آؤ۔ بکرا لے آؤ اب اسے کیسے سمجھائیں۔ کبھی کہے گا کرن آپی کو کہہ دو مجھے بکرا بھجوا دیں، کبھی حنیف ماموں کو، گائے بھجوا دیں، سمجھانے کی

بقیہ صفحہ نمبر 244 پر

راحت جبیں

سلی جیسا پیار

اس گھر میں دو بھائی زبیر اور سرمد اپنی بیویوں ثمینہ اور ساجدہ کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ زبیر اور ساجدہ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا دانیال تھا۔ بیٹیوں کی شادی ہو چکی تھی جبکہ سرمد اور ثمینہ کی دو بیٹیاں تھیں روشانے اور زوباریہ۔ روشانے کی منگنی دانیال سے ہو چکی تھی۔

زوباریہ پورے گھر کی لاڈلی میٹرک میں پڑھ رہی تھی۔ پڑوس میں رہنے والا صائم، فائقہ اور ابراہیم کی اکلوتی اولاد تھا۔ زیبی اور صائم میں بچپن سے بہت دوستی تھی، دونوں لڑتے جھگڑتے بھی تھے۔ فائقہ کو زیبی کا یوں چھت پھلانگ کر اپنے گھر آنا اور صائم سے بے تکلف ہونا برا لگتا تھا، ان کے خیال میں وہ اب بڑے ہو گئے تھے، اس لیے زیبی کو خاص طور پر احتیاط کرنا چاہیے۔

صائم کالج کے دوستوں کی پارٹی میں زیبی کو لے جاتا ہے۔ جہاں ایک دوست زیبی سے فری ہوتا ہے پھر اس کا نمبر لے کر زیبی سے بات کرتا ہے۔ زیبی صائم کی غلط فہمی میں شہیرت بات کرتی ہے اور تحفے وصول کرتی ہے، پتا چلنے پر

پریشان ہوتی ہے۔ صائم کا شہیر سے جھگڑا ہو جاتا ہے۔

زوباریہ کے کہنے پر صائم اپنا گٹار توڑ دیتا ہے۔ صائم اس سے معافی مانگتا ہے۔ زیبی اس کے لیے اپنی پاکٹ منی سے گٹار خریدتی ہے۔ اور صائم کی بالکونی میں کارڈ کے ساتھ رکھ دیتی ہے۔ صائم جان لیتا ہے کہ یہ کس کا تحفہ ہے۔

صائم اور زیبی چھت پر بارش میں بھیگ رہے ہیں۔ فائقہ وہاں آجاتی ہیں اور زیبی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے گھر لے جاتی ہیں اور اس کے گھر والوں خاص طور پر ثمینہ کو کھری کھری سناتی ہیں۔ دانیال بھی وہاں آجاتا ہے۔ فائقہ دانیال کو کہتی ہیں کہ اپنے گھر کی عزت سنبھالو۔ دانیال کہتا ہے کہ رائی ہے تو پہاڑ بنتا ہے۔ ثمینہ زوباریہ کو زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتی ہیں۔

گھر پہنچنے پر صائم فائقہ سے بحث کرتا ہے۔ ابراہیم بھی فائقہ پر ناراض ہوتے ہیں۔ صائم زوباریہ کے گھر معافی مانگنے جاتا ہے مگر ثمینہ اسے سخت سست سنا کر دروازہ بند کر دیتی ہیں۔

روشانے کی شادی ہو رہی ہے زیبی اداس ہے کہ اس نے تو تمام پروگرام صائم کے ساتھ بنائے تھے۔

سب کے سونے کے بعد زیبی کھانا پلیٹ میں لے کر چپکے سے بالکونی میں جاتی ہے صائم وہاں موجود ہوتا ہے۔ فائقہ بھی ان کے پیچھے آتی ہیں اور مسیج کر کے دانیال کو اوپر بلاتی ہیں، دانیال دونوں کو آ کر تھپڑ مارتا ہے اور زیبی کو لا کر روشانے کے کمرے میں اس کے سامنے پھینکتا ہے۔

صائم گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے دوست مراد کے گھر میں کمبائن اسٹڈی کے بہانے رہتا ہے۔ اس کے والد کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ مراد کا گھر چھوڑ دیتا ہے۔ ایک فون کال آتی ہے کہ صائم کو گولی لگی ہے۔ وہ ہاسپٹل جاتے ہیں تو پتا چلتا ہے گولی اس کے بازو کو چھو کر گزری ہے، وہ اسے گھر لے آتے ہیں۔ زیبی کے لیے صائم کا رشتہ آتا ہے۔ وہ لوگ انکار کر دیتے ہیں۔ فائقہ کے اصرار پر زیبی کو بلایا جاتا ہے۔ وہ انکار کر دیتی ہے۔ صائم دنگ رہ جاتا ہے۔

صائم فائقہ سے معافی مانگ کر کہتا ہے کہ وہ اب اپنی پڑھائی پر توجہ دے گا۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد وہ دونوں پھر ملنا شروع کر دیتے ہیں۔ تب فائقہ ان سے کہتی ہیں کہ وہ دونوں دو تین سال ایک دوسرے سے نہیں ملیں گے۔ پھر وہ ان کا ساتھ دیں گی۔

صائم ماں سے وعدہ کر لیتا ہے کہ وہ ان کی بات مان کر پڑھائی پر توجہ دے گا اور زوباریہ سے ملے گا نہیں ابراہیم صاحب کہتے ہیں کہ انٹرنیٹ کے اس دور میں ایسا کیسے ممکن ہے۔ زوباریہ کو صائم پر غصہ آتا ہے کہ اس نے ماں کی بات کیوں مان لی۔ فائقہ فون پر بات کی اجازت دے دیتی ہیں۔

روشانے اس بات پر بہت خوش ہوتی ہے کہ اب ان کے ملنے پر پابندی لگ گئی ہے اور صائم کا کمرہ نیچے شفٹ کر دیا گیا ہے۔

زوباریہ ایک دن سب کی آنکھ بچا کر صائم کے گھر پہنچ جاتی ہے سرمد صاحب بخار کی وجہ سے گھر میں ہوتے ہیں۔ روشانے غصے میں دروازے کی کنڈی لگا دیتی ہے ارباب سے کہتی ہے گھنٹی بجے تو دروازہ آپ کھولیے گا۔ ثمینہ کو پتا چلتا ہے تو وہ دم بخود رہ جاتی ہیں۔ زیبی صائم سے مل کر واپس آتی ہے دروازہ بند دیکھ کر گھنٹی بجاتی ہے۔ دروازہ پر زرد چہرہ لیے باپ کو دیکھ کر شرم سے زمین میں گڑ جاتی ہے۔ وہ موبائل لے کر چند میسجز دیکھتے ہیں اور اندازہ لگا لیتے ہیں کہ وہ صائم سے کس حد تک رابطے میں ہے۔

گھر میں سب کو پتا چل جاتا ہے کہ صائم کا رشتہ زیبی کی مرضی سے آیا تھا۔ سرمد صاحب ابراہیم اور فائقہ کے پاس جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اتنی کم عمری میں اس کی شادی یا رشتہ نہیں کر سکتے۔ ان کے انکار پر وہ زوباریہ کا رشتہ طے کر دیتے ہیں۔ صائم کو نانا کے پاس دوسرے شہر بھیج دیا جاتا ہے۔

منگنی کی رات سرمد بیٹی کے لیے کھانا لے کر کمرے میں جاتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ وہ باپ یا صائم میں سے کسے چنے گی۔ صبح وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ وہ زیبی کی خوشی کا خیال کریں گے اس کی شادی صائم سے ہی کریں گے۔ زیبی صائم سے رابطہ کر کے اپنی منگنی کا بتاتی ہے دونوں بھاگ کر نانا کے پاس لاہور جا کر نکاح کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ زیبی اور صائم گھر چھوڑ دیتے ہیں۔

صائم اور زیبی رات کے دو بجے مراد کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہ انہیں اپنے سرونٹ کوارٹر میں رکھتا ہے۔ مراد کو زیبی بہت بری لگتی ہے جو اپنے گھر والوں کو یوں دھوکا دے کر آ گئی تھی۔ سرمد ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔ ٹرین میں بیٹھنے کے بعد انہیں دانیال اور ابراہیم اسٹیشن پر نظر آتے ہیں۔ وہ ٹرین سے اتر کر چھپ جاتے ہیں۔

زیبی اور صائم مسجد میں جا کر نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن مولوی صاحب منع کر دیتے ہیں کہ اتنی کم عمر لڑکی کا نکاح ولی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

صائم اور زیبی رات کے دو بجے مراد کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہ انہیں اپنے سرونٹ کوارٹر میں رکھتا ہے۔ مراد کو زیبی بہت بری لگتی ہے جو اپنے گھر والوں کو یوں دھوکا دے کر آ گئی تھی۔ سرمد ہسپتال پہنچ جاتا ہے۔ ٹرین میں

بیٹھنے کے بعد انہیں دانیال اور ابراہیم اسٹیشن پر نظر آتے ہیں۔ وہ ٹرین سے اتر کر چھپ جاتے ہیں۔
زیبی اور صائم مسجد میں جا کر نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن مولوی صاحب منع کر دیتے ہیں کہ اتنی کم عمر لڑکی کا نکاح ولی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔
ایک ٹیکسی ڈرائیور انہیں اپنے گھر لے جاتا ہے۔ صائم اسے پیسے دیتا ہے وہ ان کا نکاح کروا دیتا ہے۔ پولیس اس کے گھر آ جاتی ہے۔ وہ دونوں وہاں سے بھی بھاگ جاتے ہیں۔

آٹھویں قسط

''تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟'' محمود صاحب نے حیرت سے دونوں کو دیکھا۔
''بابا! یہ وہی تو ہے جو.....'' اس سے آگے سیماب کو مناسب الفاظ نہ ملے تو جملہ صائم نے مکمل کر دیا۔
''وہی، جسے ایک گھنٹے سے آپ کے سامنے بیٹھ کر گالیاں دے رہی ہے۔''
''بالکل بھی نہیں۔'' سیماب صاف مکر گئی۔ محمود صاحب نے تعجب سے اسے دیکھا۔
''میرا مطلب ہے میں وہ نہیں کہہ رہی تھی۔ جو یہ سمجھا ہے۔ بلکہ میں وہ کہہ رہی تھی۔ جو یہ بالکل نہیں سمجھا۔ ویسے یہ آپ کا ہے کون؟'' بات کرتے کرتے احساس ہوا موصوف کا تعارف مکمل نہیں ہے۔
''میرا نواسا ہے۔''
''لگتا تو نہیں۔'' بہت برجستہ اظہار تھا۔ محمود صاحب بے ساختہ ہنس پڑے۔
''آپ جیسے نفیس انسان کا نواسا ایسا تو ہرگز نہیں ہونا چاہیے تھا۔''
''اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔'' صائم کو غصہ آنے لگا۔ سیماب نے اطمینان سے سینے پر ہاتھ رکھا۔
''میں۔ میں اپنی مدر پر گئی ہوں ان ہی کی طرح کیوٹ اور سویٹ ہوں کیوں بابا؟'' اب سیماب کی تائید کا مطلب نقص امن تھا۔ سو وہ کھڑے ہو گئے۔
''باقی فیصلے آپس میں کر لو۔ میں نماز پڑھ لوں۔''
صائم نے بصد احترام راستہ چھوڑا۔ وہ مسکراہٹ دباتے اندر چلے گئے۔
تب صائم نے خوں خوار نظروں سے اسے گھورا، اس کے تیور یکسر بدل گئے تھے۔
سیماب نے بدقت مسکرانے کی سعی کی۔
''میں لیچڑ ہوں۔'' وہ آگے بڑھا۔
''مجھے لگتا تھا۔'' سیماب پیچھے کھسکی۔
''میں کم ظرف ہوں؟''
''مجھے فیل ہوا تھا۔''
''میں گھٹیا ہوں۔''
''شکل سے لگتے ہو مگر یقین جانو ہو نہیں۔'' گویا تسلی دی اور ساتھ ہی۔ سیماب نے لپک کر آئس کریم کا چمچہ اٹھا لیا اور دھمکی دی۔
''دیکھو! کوئی میرے ساتھ زیادہ بدتمیزی کرے تو میں اس کی آنکھیں نکال دیتی ہوں۔''
''اس چمچ کے ساتھ.....'' صائم نے اس کے ہتھیار کو استہزائیہ انداز میں دیکھا۔
''چلو دیکھتے ہیں اس ہتھیار کا استعمال کیسے کرتی ہو۔'' وہ آگے بڑھا۔ سیماب تیزی سے پیچھے ہٹی اور پیچھے برآمدے کی سیڑھی تھی۔ وہ گر سکتی تھی اگر صائم اس کا چمچے والا ہاتھ پکڑ کھینچ نہ لیتا۔ سیماب کا سر صائم کے کندھے

سے ٹکرایا..... صائم نے فوراً ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ حواس بحال ہونے میں تھوڑا وقت لگا۔
''تم انتہائی بے ہودہ انسان ہو۔''
''ابھی سر کے بل گرتیں۔ اگر میں نہ پکڑ لیتا۔'' صائم نے اس کے خجالت زدہ چہرے کو دلچسپی سے دیکھا۔
''مجھے اچھی طرح پتا ہے پیچھے سیڑھیاں ہیں۔ اتنا تم اس گھر میں نہیں آئے ہو گے۔ جتنا میں نے یہ سیڑھیاں پھلانگی ہیں۔''
صائم کو چپ سی لگ گئی۔ خاموشی سے جا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔
''اب کیا ہوا؟ بولتی کیوں بند ہو گئی۔''
''کیونکہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کبھی کبھی ہمارے پاس اپنے پیاروں کو دینے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا۔''
ستون کے ساتھ کھڑی سیماب نے چور نظروں سے اسے دیکھا۔
اس کے بال پیشانی پر بکھرے تھے اور آنکھوں کی کیفیت۔ سیماب کو بہت پہلے گزرا ایک پل یاد آیا۔ وہ جوش میں اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔
''تم وہی ہو، جس نے بہت عرصے پہلے مجھے چور کہا تھا۔ یہاں اسی گھر میں۔''
''مجھے یاد نہیں۔''
''لیکن مجھے تو یاد ہے۔ سیماب اپنے دشمنوں کو کبھی نہیں بھولتی۔'' وہ اس کی طرف جھک کر پراسرار لہجے میں گویا ہوئی تو صائم کو ہنسی آ گئی۔
''عجیب لڑکی ہو۔''

☆☆☆

رات کو اس نے سارا قصہ زیبی کو سنایا۔ وہ بالکونی میں کھڑی ساتھ والی بالکونی کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں حبس زدہ اندھیرا دم سادھے تھا۔
یہ اگست کی حبس زدہ راتیں تھیں اور یہیں ریلنگ سے لٹک کر وہ دونوں اسٹریٹ لائٹ کے گرد جمع پتنگوں کا تماشہ دیکھتے تھے۔
''پتنگے کہاں؟ دیوانے ہیں اور دیوانوں کا رقص تو ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اس نے ایک بار کتاب میں پڑھی بات دہرائی تو وہ ہنس ہنس کر دہرا ہو گیا۔
''کہاں سے سیکھتی ہو یہ بے تکی باتیں۔''
اور زیبی ناراض ہو گئی تھی۔ جسے منانے کے لیے صائم نے اسے بہت خوب صورت چھوٹا سا جیولری باکس گفٹ کیا تھا۔ زیبی نے جوش میں کھولا تو۔
''تم میری بات سن رہی ہو؟'' سیماب نے اس کی بے توجہی محسوس کر لی تھی۔
''ہاں سن رہی ہوں پھر کیا ہوا؟''
''پھر کیا ہونا تھا۔ پہلے لڑائی پھر صلح اور اس کے بعد دوستی ہو گئی۔''
''قصہ ختم ہوا.....'' زیبی کے سر پر دیوانوں کا رقص شروع ہو گیا تھا۔ اس نے مڑ کر لائٹ ہی بند کر دی۔ نہ معشوق ہو گا نہ عاشق ناچیں گے۔
''قصہ تو اب شروع ہوا ہے۔''
''کیا مطلب؟''
''اب ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں محبت نہ ہو جائے۔'' سیماب کی کھلکھلاتی سرگوشی پر زیبی سن ہو گئی۔

خوب صورت جیولری باکس میں پتنگوں کے مردہ بدن تھے۔

☆☆☆

سرمد صاحب کی طبیعت کچھ بوجھل سی تھی۔ ''زیبی سوپ بنا کر کمرے میں لے آئی۔''

''میرا دل نہیں چاہ رہا۔''

''بس تھوڑا سا لے لیں۔'' وہ پیالہ ہاتھ میں لے کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ وہ بیٹھے تو اس نے ان کے پیچھے تکیے لگا دیے۔

''زیبی! آگے کا کیا سوچا ہے؟''

''زندگی چل رہی ہے ابو! آگے کا کیا سوچوں۔'' سوپ میں چمچہ گھماتے زوباریہ نے دانستہ ان کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

''کیا اب تک اسی کا انتظار کر رہی ہو؟'' ثمینہ کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا۔ وہ واقعی پوچھنا چاہتی تھیں۔ مگر زوباریہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد سی لہر اٹھی۔ یہ حوالہ کبھی پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

''ایسا نہیں ہے۔''

''پھر ستارہ سے کہوں، تمہارے لیے کوئی اچھا رشتہ ڈھونڈے۔ یہاں تو۔'' ان کے ادھورے جملے میں پوری کہانی تھی۔

زیبی سوپ کا پیالہ رکھ کر کمرے سے نکل گئی۔

''ہاں، ٹھیک ہے یہ حق تو اس نے تب ہی ہمیں نہ دیا تھا۔ اب تو ڈاکٹر بن گئی ہے۔ خود کما رہی ہے۔'' ثمینہ افسردگی سے گویا ہوئیں۔

''اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔''

''وہی تو کر رکھا ہے۔''

☆☆☆

روشانے کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ آہٹ پر مڑ کر دیکھا۔

''زوباریہ! ذرا فریزر سے نگٹس تو نکال دو۔ فاطمہ ضد کر رہی ہے۔''

''میں بنا دیتی ہوں۔ برتن بھی رہنے دو۔ میں کر لوں گی۔'' زوباریہ نے فریزر کھولا۔

''یہ تو بس دو چار پڑے تھے تو میں نے سوچا سنک خالی کر دوں۔''

زوباریہ نگٹس کا پیک کھولنے لگی۔

''امی نے تم سے کوئی بات کی.....''

''ہوں۔''

''تم نے کیا جواب دیا۔''

''روشانے انہیں سمجھاؤ، میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔ اس کے بغیر بھی گزر جائے گی۔''

روشانے نل بند کر کے مڑی۔

''نہیں گزرتی، اگر ایسا ہوتا تو آدم جنت میں اکیلا ہوتا۔ مگر اللہ جانتا تھا انسان کے فطری تقاضے کیا ہیں؟ جو اس سے انکار کرتے ہیں۔ وہ یا تو بہت عظیم ہوتے ہیں یا فطرت کے باغی اور ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ گھر شوہر بچے ان کے بغیر زندگی کا فطری تسلسل قائم ہی نہیں ہوتا۔'' وہ رسانیت سے سمجھانے لگی۔

''آج کل پڑھ کیا رہی ہو۔'' پین میں تیل ڈالتے ہوئے زوباریہ جھنجھلائی۔

''ماں بن رہی ہوں تو اندازہ ہوتا ہے یہ کتنے پیارے رشتے ہیں۔'' وہ مسکائی۔
''روشانے! میں شادی نہیں کرسکتی۔'' زوباریہ نے سختی سے کہا تو روشانے ٹھٹھک گئی۔
''سنو! کیا اب بھی صائم کا انتظار کررہی ہو؟ کیا وہ آئے گا۔''
(لوگ بھول کیوں نہیں جاتے)
''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' اس نے گرم تیل میں نگٹس ڈالے۔
''تو پھر میری بات مانو۔ ماضی کو بھول کر اس رشتے کو ایکسیپٹ کرلو۔''
''کس رشتے کو.....''
''تمہارے لیے ایک پروپوزل آیا ہے۔''
اسے لگا، وہ کھولتے تیل میں جا گری ہو۔

☆☆☆

سب بے حد خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ بوا کو یاد آیا وہ سلاد لانا تو بھول ہی گئیں۔ تو اٹھ کر کچن میں چلی گئیں تب ہی وہ ہنسی۔ بالکل محبوب کے کان میں کی جانے والی مدھم سرگوشی جیسی ہنسی تھی۔
جیسے کسی نے چپکے سے چٹکی بھر لی ہو۔
ستارہ نے بے حد چونک کر سیماب کو دیکھا۔ وہ تو پارہ صفت لڑکی تھی۔ ہنستی تو کھلکھلا کر یہ مدھر ہنسی اس کی شخصیت کا حصہ نہ تھی۔
''کیا بات ہے؟''
''کون سی بات؟'' سیماب نے چونک کر ماں کو دیکھا۔
''وہی جسے سوچ کر تمہیں ہنسی آئی ہے۔''
''میں ہنسی تھی؟'' وہ تعجب سے بڑبڑائی، ابھی ابھی تو اسے اپنی اور صائم کی بات یاد آئی تھی۔
''جب سے ہماری صلح ہوئی ہے۔ آفس والوں نے سکون کا سانس لیا ہے۔ وہ فدا حسین پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا۔ مس جی، اب تو آفس میں رونق ہی نہیں رہی۔''
لنچ بریک تھا اور آفس میں اکا دکا لوگ ہی موجود تھے۔
سیماب گھر سے سینڈوچز بنا کر لائی تھی۔ صائم اس کی بات پر بس مسکرا دیا۔
''تم اتنا کم کیوں بولتے ہو۔ لڑتے ہوئے تو تمہاری زبان خوب چلتی ہے۔''
''میں بھی بولنے لگا تو تمہاری کون سنے گا۔'' اس نے سینڈوچ میں موجود ٹماٹر کا قتلہ نکال کر سائیڈ پر رکھ دیا۔
''تم بھی ٹماٹر نہیں کھاتے۔''
''اور کون نہیں کھاتا۔''
(کیا مصیبت ہے یار کیا ٹماٹر کے بغیر سینڈوچ نہیں بن سکتے؟ صائم کو اچھی طرح یاد تھا اور کون ٹماٹر نہیں کھاتا تھا۔)
''میری کزن نہیں کھاتی۔''
صائم خاموش ہی رہا..... سیماب نے اسے غور سے دیکھا اور مسکرائی۔
''ویسے تم اچھے لائف پارٹنر ثابت ہوگے۔''
اس غیر متوقع بات پر صائم نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی۔
''آئی مین، جس سے تمہاری شادی ہوگی تم تو خاموشی سے اس کی، سنتے رہوگے۔''

''تم اور تمہاری لاجک.....'' صائم نے پلیٹ کھسکا دی۔
''بس اور یہ کون کھائے گا۔'' سیماب نے باقی سینڈوچز کو دیکھا۔
''بچیں گے تب کوئی اور کھائے گا۔'' صائم نے اس کی رفتار پر چوٹ کی۔
''سیماب! اب کہاں کھو گئی ہو۔''
وہ ستارہ کی آواز پر چونک گئی۔
''اف مجھے کیا ہو رہا ہے۔ بیٹھے بیٹھے کہاں پہنچ جاتی ہوں۔''
''یہ بوا جی ابھی تک روٹی لے کر نہیں آئیں۔''
''چاولوں کے ساتھ روٹی کھائیں گی۔'' بوا نے سلاد کی پلیٹ اس کے سامنے رکھی۔
''تو کیا کروں، چاولوں میں نرا نمک ہے۔'' سیماب کو اپنی حواس باختگی پر غصہ آنے لگا۔
''ذرا بھی نہیں۔'' بوا برا مان گئیں۔
''بس اب ہم خانساماں رکھیں گے۔''
''کوئی خانساماں نہیں رکھیں گے۔ ستارہ بی بی! بس اب چھوٹی بی بی کی شادی کر دیں۔ پیچھے رہ گئے ہم دو جنے۔ سکون سے پکائیں گے۔ سکون سے کھائیں گے۔''
''یہ شادی کہاں سے آ گئی۔''
''ہمارے زمانے کے سیانے کہتے ہیں۔ جب لڑکی بلاوجہ چیخے چلائے تو سمجھو بر مانگتی ہے۔''
وہ تو مزے سے کہہ کر چلتی بنیں۔ سیماب کے پتنگے لگ گئے۔
''ثابت ہوا آپ کے زمانے کے سیانے اتنے بھی سیانے نہیں تھے۔''
''غلط تو نہیں کہہ رہیں۔ یہی مناسب عمر ہے۔''
''آپ بھی کس کی باتوں میں آ رہی ہیں۔''
''سیما! میں سیریس ہوں۔ تمہاری پسند یا کوئی چوائس ہے تو بتا دو۔ ورنہ میں دیکھوں۔''
سیماب نے ایک لمحے کو سوچا۔ پھر چمچہ ہاتھ سے رکھ دیا۔ پسند اس کے سامنے تھی اور محبت کے لیے ساری عمر پڑی تھی۔ شادی ہو جاتی تو سکون سے محبت محبت کھیلتے۔
''اماں! ایک لڑکا ہے۔''
ستارہ ہمہ تن گوش ہوئیں۔ ایک کمٹمنٹ ماں بیٹی میں ہمیشہ سے تھی۔ وہ ستارہ کو اپنی پسند بتائے گی۔ مگر آخری فیصلہ ماں کا ہوگا جو ہر صورت سیماب کو ماننا پڑے گا۔
''پتا نہیں کیسے لیکن کچھ ہی دنوں میں ہماری بہت دوستی ہو گئی ہے۔''
''کچھ ہی دنوں کی دوستی میں تم نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔'' سیماب نے حیرت سے بیٹی کو دیکھا اور بیٹی نے اس سے کہیں زیادہ حیرت سے ماں کو۔
''تو کیا سال دو سال اس کے ساتھ یہ دیکھنے کے لیے ریلیشن شپ رکھوں کہ وہ اس کے قابل ہے یا نہیں۔''
ستارہ گنگ سی بیٹی کو دیکھے گئیں۔
''مطلب وہ اچھی فیملی سے ہے۔ جاب بھی اچھی ہے۔ کوئی اخلاقی برائی بھی نظر نہیں آتی۔ لائف پارٹنر میں یہی سب تو دیکھا جاتا ہے، نہیں۔''
''ہاں کیوں نہیں۔'' ستارہ کا دل فخر و پیار سے بھر گیا۔ ان کی بیٹی کہیں زیادہ میچور تھی۔
''اسی لیے میں چاہتی ہوں، آپ محمود بابا سے بات کر لیں۔ صائم سے مل لیں۔''

''ان سے کیوں؟'' سیماب چونکیں۔
''کیونکہ وہ ان کا نواسا ہے۔''
''وہ بھی تمہیں پسند کرتا ہے؟''
''کبھی کہا تو نہیں۔''
''تو بات کیسے بڑھے گی اسے کہنا چاہیے۔''
''محمود بابا کے ذریعے۔''
سیماب نے مزے سے کہا اور صرف کہا ہی نہیں۔ شام کی چائے پر صائم اور محمود صاحب کو انوائیٹ بھی کر لیا۔ ستارہ کو احساس ہوا وہ ابھی اتنی بھی میچور نہیں ہوئی۔
صائم انہیں اچھا لگا تھا۔ سنجیدہ سا کم گو نوجوان، مگر اس کی سنجیدگی بوجھل نہیں تھی۔ جب بات کرتا تو رکھ رکھاؤ اور خوش گوار انداز میں، جب صائم اور سیماب اپنی اپنی کافی لے کر لان میں چلے گئے تو ستارہ نے محمود صاحب سے کھل کر بات کی۔
محمود صاحب پریشان ہو گئے تھے۔
''کیا صائم نے سیماب سے کوئی بات کی۔''
''نہیں اور میں چاہتی ہوں، آپ صائم سے بات کریں۔ اگر وہ سیماب کو اس نظر سے نہیں دیکھتا تو میں سیماب کو روک لوں گی۔ میں نہیں چاہتی، وہ اس راستے پر اکیلی چلتی بہت دور نکل جائے۔ یک طرفہ رشتے بہت اذیت دیتے ہیں۔''
''تم فکر نہ کرو بیٹا! میں صائم سے بات کر لوں گا۔''
محمود صاحب کے لہجے سے چھلکتی پریشانی ستارہ کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

☆☆☆

''تمہیں ایک بہت انٹرسٹنگ چیز دکھانی ہے۔''
صائم پرندوں کے پنجرے کے پاس کافی کا آخری گھونٹ بھر رہا تھا۔ جب سیماب لیپ ٹاپ اٹھائے آ گئی۔ اس کا چہرہ اندرونی جوش سے جگمگا رہا تھا جیسے کوئی بہت خاص چیز ملی ہو۔ اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور میز پر رکھ دیا۔ خود کرسی پر بیٹھ گئی۔ صائم دوسری کرسی پر بیٹھنے کے بجائے اس کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔
سیماب نے ایک ویڈیو آن کی اور خود مڑ کر شرارت سے صائم کو دیکھا۔
صائم جو ریلیکس سا کھڑا تھا۔ اچانک اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔
''کیا ہوا؟ یہ تم ہی ہو نا۔''
''یہ تمہارے پاس کہاں سے آ گئی؟'' صائم نے خود کو سنبھالا۔
''ایک زمانے میں یہ میرا فیورٹ سونگ تھا۔ میں نے اس سنگر کو ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی۔ مگر پھر کبھی نظر ہی نہیں آیا۔''
وہ ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکا کر ویڈیو دیکھنے لگی۔ صائم نے دونوں ہاتھ پھیر کر اپنے چہرے سے ماضی کی گرد صاف کرنے کی سعی کی۔
''تمہاری آواز بہت اچھی ہے۔ تم نے گانا کیوں چھوڑ دیا۔''
''بس شوق تھا ختم ہو گیا۔''
''مجھے بھی ماڈلنگ کا بہت شوق تھا مگر ختم ہو گیا۔'' اس نے مسکرا کر لیپ ٹاپ بند کر دیا۔

''ایک بات تو بتاؤ۔'' وہ بیٹھے بیٹھے کرسی پر اس کی طرف رخ کر گئی۔
''تمہارے میوزک میں محبت بولتی ہے۔ محبت ہوئی تھی یا کرنے کی خواہش تھی؟''
کچھ سوال خاموشی سے ٹال دینے کو دل چاہتا ہے یہ بھی ایسا ہی ایک سوال تھا۔
''نانا کو دیکھ لوں، بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہوں گے۔''
وہ ٹال کر چلا گیا۔
سیماب نے مسکراتی نظروں سے اسے اندر تک جاتے دیکھا۔
اسے لگا اس انسان سے محبت ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

مکانوں کے ٹیرس، بالکونیوں اور باغیچے میں ٹھنڈی سی شام اتر آئی تھی۔
ان بس زدہ دنوں میں یہ شام غنیمت تھی۔ شاید کہیں آس پاس بادل برسے تھے۔ صائم نے گردن موڑ کر نانا کو دیکھا۔ وہ کچھ الجھے الجھے لگ رہے تھے۔ ایک ایک قدم سوچ سوچ کر رکھتے بہت آہستہ چل رہے تھے۔ ان ہی کی ضد تھی کہ واک کروں گا۔
''آپ تھک گئے ہیں۔''
''تھک گیا ہوں تو تم کیا مجھے کندھوں پر اٹھاؤ گے۔'' وہ چڑ کر بولے۔
''اٹھا بھی سکتا ہوں.....'' وہ سچ مچ اٹھا لیتا اگر نانا اپنی لاٹھی نہ اٹھا لیتے۔
''کیا ہوا نانا! آج کی کافی زیادہ تلخ تھی۔'' اس نے در پردہ ان کے ناراض طرز عمل کی وجہ جاننے کی سعی کی۔
''تم سیماب کو پسند کرتے ہو۔''
''کرتا ہوں، آپ نہیں کرتے؟'' اس نے سادگی سے پوچھا۔
''اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔''
''ہا، ہا آپ سے کس نے کہہ دیا۔'' صائم ہنسا۔ بنگلے کی دیوار پر چڑھی بلی اس کے قہقہے پر دبک گئی اور چمکتی آنکھوں سے دونوں کو دیکھنے لگی۔ کیونکہ نانا رک گئے تھے۔
''تو اسے کیوں لگتا ہے۔''
''یہ تو سیماب کو پتا ہوگا۔''
''سنو لڑکے۔'' انہوں نے لاٹھی کی نوک سے اس کے سینے پر ٹھوکا دیا۔ ''سیماب مجھے بہت پیاری ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تم اسے کسی بھی طرح ہرٹ کرو۔ اس لیے فوراً سے پیشتر اس کی غلط فہمی دور کرو۔''
''کون سی غلط فہمی؟''
''یہی کہ تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو۔'' وہ تنبیہ کر کے آگے بڑھنے لگے۔ راستے میں چھوٹے چھوٹے کنکر آنے لگے تھے۔ جنہیں وہ اپنی لاٹھی سے ہٹا رہے تھے۔
''ٹھیک ہے۔ لیکن آخر مجھے کہیں نہ کہیں تو شادی کرنا ہوگی۔ سیماب سے کر لوں گا۔''
کنکر کھوڑا بڑا تھا۔ ان کی لاٹھی سے ٹس سے مس نہ ہوا تو صائم نے پاؤں کی ٹھوکر سے اڑا دیا۔ نانا پھر سے رک گئے تھے۔
''اس سے محبت کر لو گے؟''
''شاید کر لوں، شاید نہ کروں۔ مگر اسے خوش رکھ سکتا ہوں۔''
''اور زوباریہ کے بارے میں نہیں سوچو گے؟'' محمود صاحب پریشان تو تھے ہی اب غصہ بھی آنے لگا تھا۔

''جو چھوڑ گئی۔اس کے بارے میں کیا سوچنا۔'' صائم نے ایک اور کنکر کو ٹھوکر ماری۔
''وہ تمہارے راستے کا پتھر نہیں ہے۔ جسے ٹھوکر میں اڑا دو گے۔ دنیا گول ہے لڑکے! وقت لوٹ کر نہیں آتا۔ مگر بچھڑنے والے سامنے آجاتے ہیں فرض کرو۔ وہ اچانک تمہارے سامنے آجائے فرض کرو۔ وہ اب بھی تمہاری منتظر ہو تو کیا کرو گے؟''
صائم نے جھنجھلا کر جواب دینا چاہا کہ محمود صاحب بول اٹھے۔
''جلد بازی مت کرو۔ اپنے اندر اس کا جواب تلاش کرو۔''
واپسی کا سفر بہت خاموشی سے طے ہوا تھا اور اتنی آہستگی سے کہ مغرب کی اذان ہونے لگی تھی۔
محمود صاحب تھک گئے تھے۔ اس لیے نماز پڑھتے ہی بستر پر چلے گئے۔ وہ فیصلہ کر چکے تھے اب زوباریہ سامنے آئی تو دونوں کا آمنا سامنا کروا دیں گے۔ جبکہ صائم جائے نماز پر بیٹھا ان کے سوال کا جواب ہی تلاش کرتا رہا۔

☆☆☆

''اب اگر تم نے ذرا بھی شور کیا تو میں تمہاری پٹائی کر دوں گی۔''
اندر آتی زیبی نے نور فاطمہ کو دیکھا۔ وہ ماں کی ڈانٹ سن کر ناراض ہو کر کروٹ بدل گئی تھی۔
''میری گڑیا کو کیوں ڈانٹ رہی ہو۔''
''میری نیند سے حالت خراب ہے۔ تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں۔ مگر یہ ٹک ہی نہیں رہی۔ ابھی اس کا باپ شور مچاتا آجائے گا۔'' روشانے کی گفتگو اب روایتی عورتوں جیسی ہو گئی تھی۔ نور فاطمہ نے چور نظروں سے زیبی خالہ کو دیکھا۔
''تم تسلی سے سو جاؤ۔ میں اور نور مل کر کلر کریں گے۔''
جوش میں اٹھ کر نور نے چھلانگ ماری اور زیبی کے گلے سے لٹک گئی۔ وہ نور کو لے کر لاؤنج میں آ گئی۔ نور کو مصروف کر کے خود بھی اپنی الجھی سوچوں کے دھاگے سلجھانے لگی۔
ان خاتون نے زیبی کو ہسپتال میں دیکھا تھا جب وہ روشانے کو لے کر گئی تھی۔ وہیں ثمینہ سے ملاقات ہوئی تو ساری معلومات بھی لے لیں۔ اب وہ باقاعدہ رشتہ لے کر آنا چاہتی تھیں۔
''تم ہاں کر دو زیبی! بہت اچھی فیملی ہے۔ لڑکا باہر سے تعلیم مکمل کر کے آیا ہے۔'' روشانے نے منت بھرے لہجے میں کہا تھا۔
''کیسے ہاں کر دوں روشانے؟'' اس نے پردوں کی اوٹ سے جھانکتی دھوپ کی کرنوں کو دیکھا۔
''میں نہیں جانتی نادانی کی عمر میں کیے اس نکاح کی اہمیت کیا ہے؟ مگر اک ڈور میں بندھی ہوں۔ نہ آزاد ہوں نہ پابند، جب تک میں اس ان دیکھی ڈور کو توڑ نہ دوں۔ لمبی اڑان نہیں بھر سکتی۔''
''زیبی خالہ اندھیرا ہو رہا ہے۔'' نور کی آواز پہ اس نے چونک کر دیکھا۔ دھوپ غائب تھی۔
زیبی نے اٹھ کر پردے ہٹا دیے۔ سیاہ بادل امڈ کر آ رہے تھے۔
''تمہیں ڈھونڈنا ہو گا صائم، میری زندگی پر چھائے اس سحر کو تم ہی توڑ سکتے ہو۔ جو مجھے پوری طرح خوش بھی نہیں ہونے دیتا۔''
''زیبی خالہ! آپ یہاں کیوں نہیں رہتیں۔''
''میں وہاں پڑھتی تھی نا۔ پھر جاب بھی وہیں کر لی۔'' وہ دوبارہ نور کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اس کی بنائی پینٹنگ اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''آپ یہاں آجائیں۔ہم دونوں ایک ہی کمرے میں رہیں گے۔''
''اس طرح تو آپ ڈسٹرب ہوں گی۔''
''نہیں میں پاپا سے کہوں گی۔آپ کے لیے نیا بیڈ بنوادیں۔آپ مجھے پڑھانا اور میں آپ کی طرح ڈاکٹر بنوں گی۔''

اندر آتا دانیال بیٹی کی بات سن کر تپ سا گیا۔
''تم میری طرح بنو گی۔'' زوبار یہ نے پیار سے اس کا گال چھوا۔
''ہاں، مجھے آپ اچھی لگتی ہیں۔''
''نور فاطمہ.....!'' باپ کی آواز پر نور بھاگ کر اس کی طرف گئی۔زیبی اس کی بکھری چیزیں سمیٹنے لگی۔
دانیال نے اسے پیار کر کے سرد نظروں سے زیبی کو دیکھا۔
''اللہ نہ کرے۔میری بیٹی تمہارے جیسی بنے۔''
''نہیں بنے گی۔'' زوبار یہ سارا سامان سمیٹ کر کھڑی ہوگئی۔
''پاپا! دیکھیں ہم نے کتنی اچھی پینٹنگ بنائی ہے۔'' نور نے کاغذ اٹھا کر دکھایا۔
''بہت اچھی ہے۔'' انہوں نے کاغذ ہاتھ سے لے لیا۔''جاؤ مما کو بلا کر لاؤ۔''
نور بھاگ گئی۔
''تمہاری کتنی چھٹیاں باقی ہیں۔واپس کب جاؤ گی۔''
''بس ایک آدھ دن میں جا رہی ہوں۔''
''میں خود کو تمہارے بارے میں بہت سمجھاتا ہوں زیبی۔لیکن جب تمہیں نور کے قریب دیکھتا ہوں تو ڈر جاتا ہوں۔کہیں تمہاری نحوست اس کی معصومیت نہ کھا جائے۔''
اس نے کاغذ دو ٹکڑے کر کے میز پر پھینکا اور چلا گیا۔
''تو ثابت ہوا۔لوگ معاف نہیں کرتے۔''
''زیبی خالہ! یہ کیسے پھٹ گیا۔'' نور نے آکر پھٹا ہوا کاغذ دیکھا تو رونے والی ہوگئی۔گم صم کھڑی زیبی نے چونک کر اسے دیکھا۔پھر کھڑکی کے پار، بادل اور گھنے ہو گئے تھے اور برسنے کو تیار۔
''غلطی سے پھٹ گیا۔کوئی بات نہیں۔دوبارہ بنالیں گے۔قسمت تھوڑی ہے جسے ہم اپنے ہاتھوں دوبارہ نہیں بنا سکتے۔''

☆☆☆

محمود صاحب نے اپنے لان کے سب سے خوب صورت پھولوں کو جمع کر کے گلدستہ بنوایا تھا اور ساتھ میں خوب صورت آسٹریلین طوطوں کا جوڑا منگوایا تھا۔
''یہ سب کس لیے؟''
''سیماب کی سالگرہ ہے۔ابھی کیک لے کر آتی ہوگی۔'' محمود صاحب نے اسے جتایا تھا کہ سیماب ان کے لیے کتنی اہم ہے۔صائم طوطوں کو چھیڑتے گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
''کافی اور چاکلیٹ کیک کے بارے میں کیا خیال ہے۔''
سیماب نے بے یقینی سے یہ میسج پڑھا۔
''کیا وہ کچھ کہنے والا ہے۔'' بے یقین سی خوشی نے اس کے وجود کا احاطہ کر لیا۔
''بہت نیک خیال ہے۔'' جواب فوراً آیا۔
''تمہارے پاس پندرہ منٹ ہیں۔'' صائم نے اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔

اتنی دیر میں تو ڈریس بھی سلیکٹ نہیں ہوتا اور وہ آج بہت اچھا لگنا چاہتی تھی۔ ستارہ نے اجازت تو دے دی تھی۔ مگر مطمئن نہیں تھیں۔ تب ہی تو بے چین تھیں۔

''یہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔'' انہوں نے آئینے میں نظر آتی بیٹی کے خوب صورت عکس سے نظریں چرائیں۔

''میچ نہیں کر رہا۔ دوسرے نکال لیتی ہوں۔'' سیماب کی پوری توجہ میچنگ جیولری پر تھی۔

''مجھے تمہارا صائم کے ساتھ اس طرح جانا اچھا نہیں لگ رہا۔''

''اماں!'' وہ احتجاجاً مڑی۔

''دیکھو، ابھی تک اس نے کوئی اشارہ نہیں کیا کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتا پھر اس طرح لے کر گھومنا۔''

''اماں! مجھے بھی اس کی گرل فرینڈ نہیں بننا۔ اس کی عزت بننا ہے۔ میں گرل فرینڈ کا مطلب ٹائم پاس سمجھتی ہوں اور لڑکی کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہوگی جو کہ اسے محض اپنا وقت رنگین کرنے کے لیے گرل فرینڈ بنالیا جائے۔'' وہ رسانیت سے بولتی ان کے پاس آئی۔

''تو پھر۔''

''آج اس نے مجھے اسپیشلی انوائیٹ کیا ہے۔ ہوسکتا ہے بابا نے اس سے بات کرلی ہو اور وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ پلیز آج مت روکیے گا۔ آئی پرامس آئندہ نہیں جاؤں گی۔''

''تم انڈیپنڈنٹ ہو اپنے بارے میں فیصلہ لے سکتی ہو۔ میں بس اتنا چاہتی ہوں تم اپنی سمت درست رکھو۔''

''اب اسے پہن لوں۔'' سیماب نے بے چارگی سے ٹاپس سامنے کیا تو وہ مسکرادی۔

''ہاں پہن لو۔''

محمود صاحب نے ان دونوں کو ساتھ ساتھ جاتے دیکھا تو بے چین ہوگئے۔

صائم فیصلہ کرچکا تھا یا کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتا تھا۔

وہ سمجھ نہیں سکے تھے۔

☆☆☆

شام اپنے دھرتی کے سارے رنگ چرائے ان پر اتری تھی۔

دریا پر ٹمٹماتی روشنیاں

خاموش، ساکت پانی اس پر ہوا کی سرگوشیاں

چاکلیٹ کیک، کافی اور من پسند ساتھی۔

زندگی اس سے زیادہ خوب صورت نہیں ہوسکتی تھی۔

''کتنی خوب صورت شام ہے۔'' سیماب نے خود کو اس شام کے رنگوں میں گھلتے محسوس کیا تو بے اختیار بول اٹھی۔

''تو رنگ شربتوں کا۔ میں میٹھے گھاٹ کا پانی۔''

بہت دور ہوا پر کسی بدیسی گانے کی سر بکھرتے تھے۔

''ہوں۔'' صائم وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھا۔

''جیسے محبت کسی پر مہربان ہو رہی ہو۔'' وہ اسے کچھ کہنے کے لیے اکسا رہی تھی۔

''محبت مہربان نہیں ہوتی۔'' صائم نے افسردگی سے پانیوں پر لکھی تحریر پڑھی۔

''تمہیں کسی سے محبت ہوئی؟''

صائم نے چپ سادھ لی۔

سچ بولنے کی تاب نہ تھی اور جھوٹ وہ بولنا نہیں چاہتا تھا۔

''پھر تمہیں کیسے پتا محبت مہربان ہے یا نامہربان۔'' سیماب نے زیادہ دیر اس کے جواب کا انتظار نہ کیا۔
صائم کی چپ نہ ٹوٹی۔
سیماب ذرا سا آگے کو جھکی۔
''میرا بھی دل چاہتا ہے کسی سے محبت کروں۔''
''محبت چاہنے سے نہیں ہوتی۔'' صائم کی چپ ٹوٹی۔
''پھر کیسے ہوتی ہے؟''
صائم نے بے چینی سے اسے دیکھا۔ وہ روکنا چاہتا تھا اس پیاری سی لڑکی کو جس کی آنکھیں شام رنگ تھیں یہ راہ پر خار ہے مت قدم رکھو، پاؤں نگار ہوں گے تو کوئی مرہم بھی نہ لگائے گا۔ مگر وہ بول بھی نہ سکا۔
نظر نظر میں پیوست ہوگئی۔
ایک کی آنکھوں میں طلب تھی اور دوسرے کی آنکھوں میں کھو دینے کا احساس۔
صائم نے بمشکل نگاہ چرائی۔
سیماب عجیب سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
''چلیں۔'' صائم ایک دم کھڑا ہو گیا۔
''ہاں۔''
گاڑی میں بلا کی خاموشی تھی۔ اسی خاموشی سے اکتا کر سیماب نے پاؤں سے جوتے اتار دیے۔
''پوری شام برباد ہوئی۔ کہنے والے نے ایک لفظ نہ کہا تھا۔'' وہ بے زاری سے ٹاپس اتارنے لگی۔
''کیوں اتار رہی ہو۔ اچھے لگ رہے ہیں۔'' صائم نے ٹوکا۔
''اچھا! تم نے دیکھے تھے۔'' سیماب کے لہجے میں طنز در آیا۔ صائم کے جواب دینے سے پہلے ہی اس کا سیل بجنے لگا۔ فائقہ کی کال تھی۔
''تم گھر پر نہیں ہو؟''
''نہیں۔''
''کس کے ساتھ ہو؟''
وہ جس کے ساتھ تھا۔ وہ اس سے لاتعلق باہر دیکھ رہی تھی۔
(اف، یہ نانا میری جاسوسی کرنا کب بند کریں گے۔)
''اپنی فرینڈ کو اس کے گھر ڈراپ کرنے جا رہا ہوں۔''
''لڑکی ہے۔''
''لگتا تو یہی ہے۔'' اس نے سیماب کو دیکھا۔
دوسری طرف فائقہ نے بہت جوش میں بیڈ پر نیم دراز ابراہیم کو اطلاع دی۔
''وہ کسی لڑکی کو ڈراپ کرنے جا رہا ہے۔''
''تو؟'' ابراہیم نے حیرت سے ان کا جوش ملاحظہ کیا۔ جو دوبارہ صائم سے بات کرنے لگی تھیں۔
''خوب صورت ہے۔''
''جی، کافی.....'' اس نے سیماب کو دیکھ کر سچ بولا۔
''تمہیں کہاں ملی۔''
''آفس میں کام کرتی ہے۔ آج اس کا برتھ ڈے تھا تو کافی پلانے لے گیا۔'' صائم نے سادگی سے بتایا۔

سیماب نے چونک کر صائم کو دیکھا۔ وہ کس کے ساتھ اسے موضوع گفتگو بنا رہا تھا۔
''مجھ سے ملواؤ گے۔''
''آپ لاہور آئیں گی تو ضرور ملواؤں گا۔'' اس نے خدا حافظ کہہ کر فائقہ کے ہاتھ میں امید تھما دی۔ ان کا بیٹا زندگی کی طرف لوٹ رہا تھا۔ ایک نارمل لائف کی طرف..... اس نے نجانے کتنے عرصے کے بعد کسی لڑکی کے ساتھ کافی پی تھی۔ وہ لاہور جا کر فوراً اس لڑکی سے ملیں گی۔
''میرے بارے میں اتنی بات کرنے کی کیا ضرورت تھی، کون تھا۔''
سیماب نے سنجیدگی سے پوچھا۔
''مما تھیں، بہت سوال جواب کرتی ہیں یار۔'' اس نے سیل رکھا۔
''تم نے یہ کیوں کہا، تم مجھے ان سے ملواؤ گے۔''
صائم نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ کس بات پر غصہ دکھا رہی تھی۔ وہ سمجھ نہ پایا۔
''کیوں ملواؤ گے اور کس حیثیت سے؟''
صائم نے گاڑی کی رفتار آہستہ کی اور گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔
''سیما! مت کرو۔'' جو بات وہ پوری شام نہیں کر پایا تھا، اب پوزیشن کلیئر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
''میں نے کیا کیا ہے؟''
''مجھے اس راستے پر مت لے کر جاؤ، جس پر میں چلنا نہیں چاہتا۔''
''کیوں نہیں چلنا چاہتے۔'' سیماب نے بھی صاف بات کرنے کی ٹھانی۔
''تم میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔''
''تو بتا دو..... جو نہیں جانتی وہ بھی بتا دو..... کیونکہ میں تو اس رستے پر قدم رکھ چکی ہوں۔''
صائم گنگ رہ گیا۔
''خوب صورت رستوں کی منزل خوب صورت نہیں ہوتی۔''
''اس کا تعین ہم پہلے سے کیسے کر سکتے ہیں؟''
''سیما! مت کرو۔ میں خود کو محبت کے قابل نہیں سمجھتا۔ میں محبت نہیں کر سکتا۔''
''مت کرو..... وہ میں کر لوں گی۔''
سیماب نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔ وہ کچھ لمحے بے وقوفوں کی طرح اسے دیکھتا رہا۔ سیماب نے بھنویں اچکائیں اور سامنے دیکھنے لگی۔ اس کے انداز میں مضبوطی اور قطعی پن تھا۔
''اب ڈرائیو کرو گے یا وہ بھی میں ہی کروں۔''
صائم نے بے حد جھنجلا کر گاڑی بڑھائی۔
گھر کے سامنے ڈراپ کرتے تک وقت دونوں کے درمیان اور کوئی بات نہ ہوئی۔ اترتے ہوئے بھی سیماب نے بس خدا حافظ ہی کہا تھا۔ وہ اس پر مسلط ہونا نہیں چاہتی تھی، اس لیے وقت دے رہی تھی۔
دروازہ ستارہ نے کھولا۔
سیماب نے جوتے دروازے کے پاس ہی رکھ دیے۔ جلدی میں گاڑی سے ننگے پاؤں ہی اتر آئی تھی۔
''کیا ہوا؟'' ستارہ نے اس کا چہرہ پڑھنا چاہا۔
''وہ اپنی مدر سے ملوائے گا' باقی تفصیل بعد میں بتاتی ہوں۔ میں چینج کر لوں۔''
ستارہ مسکرا دیں تو صوفے پر بیٹھی بوا تلملا اٹھیں۔

''کیا دور آ گیا ہے۔ بے شرمی والی باتیں کھلے عام ہو رہی ہیں۔ بیٹی لڑکے سے مل کر آ رہی ہے اور والدہ پوچھ رہی ہیں کیا بنا؟ ہمارے دور میں تو ایسی باتوں پر قتل ہو جاتے تھے۔''

''بوا کیوں الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہیں۔'' ستارہ نے ٹوکا۔

''اب کیا کریں' تھوڑا بہت تو وقت کے ساتھ چلنا پڑے گا۔ لڑکا اور خاندان بہت اچھے ہیں، دیکھے بھالے ہیں۔ بیٹی بیاہتے ہوئے تسلی رہے گی۔'' ستارہ فرصت سے بیٹھ گئیں۔

''بری میں نانا بھی ساتھ آئے گا۔''

ستارہ کو ہنسی آ گی۔

''ایسی باتیں مت کریں۔ بس دعا کریں۔ سیماب نے جسے پسند کیا ہے، وہی اس کا نصیب ہو۔ میں اسے دکھی نہیں دیکھ سکتی۔''

''ان شاء اللہ۔ ایسا ہی ہوگا۔ لڑکا تو مجھے بھی بہت پسند آیا ہے۔''

☆☆☆

''جا رہی ہو۔'' سرمد نے پوچھا۔ وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھے فلور کشن پر بیٹھی تھی۔

''جی۔ چھٹی ختم ہو گئی ہے۔''

''واپس کب آؤ گی؟''

''جب بھی آپ بلائیں گی۔''

''میں نے نہیں بلایا، تو نہیں آؤ گی؟'' سرمد ہولے ہولے اس کا سر تھپکنے لگے۔

''تب بھی آؤں گی۔'' وہ نم آنکھوں سے ہنسی۔

''میں انتظار کروں گا۔''

''ابو! آپ نے مجھے معاف کر دیا نا۔'' ان کے گھٹنے پر ٹھوڑی ٹکا کر اس نے باپ کے چہرے کو دیکھا۔

''ماں باپ کا دل بڑا عجیب ہوتا ہے۔ اولاد غلطی بعد میں کرتی ہے، معاف پہلے کر دیتا ہے۔''

زیبی نے ان کا ہاتھ چوم لیا۔

''تمہیں ایک بات بتاؤں۔''

وہ کہہ کر رکے۔ زیبی سیدھی ہو کر منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔

''جس رات تم یہاں سے گئی تھیں۔''

''میں اس رات کو یاد کرنا نہیں چاہتی۔'' وہ کرلائی۔

''میں نے فیصلہ کر لیا تھا، تمہاری بات مان لوں گا۔ تمہاری شادی صائم سے کر دوں گا۔''

نادانستگی میں انہوں نے اس کی روح کو مضطرب کر دیا تھا۔ پچھتاوے اسے پھر سے ڈسنے لگے۔

تب ہی ثمینہ آئیں۔

''سارا سامان رکھوا دیا ہے۔ خشک میوے پیس کر بھی رکھ دیے ہیں۔ دودھ میں گھول کر روز پینا۔ کچھ چیزیں ستارہ کی ہیں، ان کا الگ بیگ بنا دیا ہے۔''

''میں بڑے ابو سے مل آؤں گا۔'' دل دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ اس سے قبل کہ نہ آنکھیں ساتھ دینے لگتیں، وہ وہاں سے نکل آئی۔ مگر وہاں بھی اس کی ذات موضوع گفتگو تھی۔

''زیبی کا رشتہ آیا ہے، ساجدہ نے بتایا تھا۔'' زیبی کے قدم رک گئے۔ بس جالی کا دروازہ بند تھا، اس لیے ساری آوازیں آ رہی تھیں۔

''اور جب انہیں حقیقت کا علم ہوگا تب..... ہمارے منہ پر تھوک کر چلے جائیں گے۔''
دانیال کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔ ساری دنیا معاف کر دے گی مگر یہ شخص.....
زیبی کو غصہ آنے لگا۔
''بڑی اچھی اور معقول خاتون تھیں۔ بتا رہی تھیں، دو سال پہلے بیٹا بری صحبت کا شکار ہو گیا تھا مگر اب سنبھل کر باپ کا کاروبار سنبھال رہا ہے۔
''ظاہر ہے اس کے لیے ایسے ہی رشتے آئیں گے۔''
''اگر تمہیں یہاں بیٹھ کر صرف زیبی کے ماضی میں خامیاں ہی نکالنی ہیں تو یہاں سے اٹھ جاؤ۔'' زبیر صاحب کا ضبط جواب دے گیا۔
''کیوں تم صرف اس کا ماضی دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کا حال نظر نہیں آ رہا۔ وہ کتنا سنبھل گئی ہے، نادانی کی عمر تھی..... گزر گئی۔ اب اس کی ذمہ داری پوری کرنی ہے یا نہیں۔''
دانیال نے چپ سادھ لی۔
زیبی کا دل احساس تشکر سے بھر گیا۔
''میں اس کا ہر فرض پورا کروں گا۔ روشانے کی طرح وہ بھی جائیداد میں حصہ دار ہے۔ میں اس کی شادی بھی کروں گا اور اسے اس کا حصہ بھی دوں گا۔'' ان کا لہجہ دوٹوک تھا۔
زیبی کو محمود صاحب کی بات یاد آئی۔
''عمل اور نیت نیک ہو، سمت درست ہو تو رویے خود بخود بدل جاتے ہیں۔''
زیبی نے نم آنکھیں دونوں ہاتھوں سے رگڑ ڈالیں۔
سفر مشکل اور طویل تھا مگر اسے اس کے رشتے واپس مل گئے تھے۔

☆☆☆

محمود صاحب کو بے چینی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آنے لگا۔ فائقہ اچانک ہی وارد ہوئی تھیں اور آتے ہی مطالبہ کہ انہیں اس لڑکی سے ملنا ہے..... جس کو ان کا بیٹا کافی پلانے باہر لے گیا تھا۔
''میں نے کیا اس کے پیچھے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں، مجھے کیا پتا وہ شہر میں کس کس کو کافی پلاتا پھر رہا ہے۔''
''ابا! اب ایسا بھی کچھ نہیں ہے۔ میرا بیٹا ایسا نہیں ہے۔'' وہ برا مان گئیں۔
''وہ لڑکی اس کے آفس میں کام کرتی ہے۔''
''ایک دن سیماب کو لے گیا تھا۔''
''اچھا تو سیماب ہے اس کا نام۔'' بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنے کی خواہش ہی الگ اور انوکھی تھی۔
''ستارہ کی بیٹی ہے، لیکن مجھے نہیں لگتا صائم اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''
''تو پھر اسے کافی پلانے کیوں لے کر گیا؟''
''کیا بچوں جیسی باتیں کرتی ہو فائقہ!'' انہیں غصہ آنے لگا تو فائقہ اٹھ گئیں۔
''ناشتا بنا رہی ہوں، صائم کو جگا دیں۔''
''صائم کو جگا دوں۔'' وہ بڑبڑائے، پھر زیبی کا نمبر ملا لیا۔
''کہاں غائب ہو اب تک۔''
''بابا! میں ہاسپٹل میں ہوں۔ آج ہی واپسی ہوئی ہے۔'' زیبی بزی تھی، انہیں تسلی ہوئی۔
''شام کو آؤ گی۔''

''جی۔''

وہ بس اتنا چاہتے تھے کہ فائقہ کے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے زیبی اور صائم کا آمنا سامنا ہو جائے۔ بتانے کو تو ویسے بھی بتا سکتے تھے، مگر صائم کا کیا بھروسا، سنتے ہی یہاں سے غائب ہو جاتا۔

کمرے سے باہر آتے صائم نے اشتہا انگیز خوشبوؤں سے جان لیا تھا کہ ماں آ گئی ہے۔

☆☆☆

وہ تینوں برآمدے میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ فائقہ نے مزے دار افغانی آملیٹ اور آلو کے پراٹھے بنائے تھے۔ رات کہیں چپکے سے بادل برس گئے تھے۔ اسی لیے صبح خوش گوار تھی۔ لان کی گھاس اتنی سبز تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی، اس پر بکھرے ست رنگے پھول.....

''صائم! اب شادی کر لو۔''

''مجھے اندازہ تھا کہ آپ یہی بات کرنے آئی ہیں۔'' صائم نے نوالہ توڑتے ہوئے شرارت سے محمود صاحب کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے آملیٹ کھا رہے تھے۔

''ماں کی محبت کا مذاق اڑاتے ہو۔'' وہ ناراض ہوئیں۔

''ارے نہیں، میری کیا مجال؟''

''تم شادی کر لو پھر ہم سب اکٹھے رہیں گے۔ بابا بھی اکیلے نہیں رہ سکتے اور میرا بھی دل نہیں لگتا۔''

''اسے اموشنل بلیک میل مت کرو۔ خود فیصلہ کرنے دو۔'' محمود صاحب نے نرمی سے بیٹی کو ٹوکا۔

''اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں، بتا دے جو بھی لڑکی پسند ہے۔ اب اتنا بڑا تو ہو ہی گیا ہے کہ اپنے بارے میں بہتر فیصلہ کر سکے۔''

(''تو بات ساری ٹائمنگ کی تھی، اس کی اور زیبی کی ٹائمنگ ہی غلط تھی)

صائم نے یاسیت آمیز تلخی سے سوچا۔

اندر آتی سیماب نے دور سے ہی اس فیملی بریک فاسٹ کو دیکھا۔

''اوہ، تو صائم کی مما آ گئیں۔'' اسے سب سے پہلے اپنے حلیے کی فکر ہوئی لیکن شکر تھا آفس کے لیے تیار ہو کر ہی نکلی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے قریب آ کر پرجوش انداز میں کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' فائقہ نے جواب دیتے ہوئے دلچسپی سے اس خوب صورت لڑکی کو دیکھا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' صائم نے پوچھا۔

''تمہارے ناشتے کی خوشبو کھینچ لائی۔'' وہ کھلکھلائی۔ ''لگ رہا ہے کہ ماں کے ہاتھ کا بنا ہے۔'' ایک دم رک کر صائم کی طرف جھکی۔

''مما ہی ہیں نا۔ یہ نہ ہو تمہاری بڑی بہن ہوں اور میں.....''

فائقہ نے بہت دلچسپی سے اس منظر کو دیکھا اور ہنس پڑیں۔

''ہاں۔ میں اس کی مما ہی ہوں..... بیٹھو تم بھی، ہمارے ساتھ ناشتا کرو۔''

''ضرور کرتی لیکن اوور ایٹنگ ہو جائے گی۔'' معذرت کرتے ہوئے اس کا دھیان محمود صاحب کی طرف گیا۔ جواب بھی آملیٹ کھانے میں مگن تھے۔

''بابا! مجھ سے ناراض ہیں کیا؟''

''ہاں۔''

''اچھا، سوری نا۔'' سیماب نے بے چارگی سے کہتے کان کی لو پکڑی۔ ''یہ سب اس صائم کی وجہ سے ہوا تھا' اس کے چکروں میں آپ کا کیک بھول گئی۔''

''اسی لیے تو گفٹ نہیں ملا۔''

''کہاں ہے میرا گفٹ؟''

محمود صاحب نے گلدان میں سجے پھولوں کو دیکھا جنہیں فائقہ نے پانی ڈال کر گلدان میں سجا دیا تھا اور پھر ایک طرف ٹنگے پنجرے کو۔ سیماب نے ان کی نظروں کا تعاقب کیا اور بھاگ کر پنجرے کے پاس آئی۔ اس کے چہرے پر بچوں جیسی خوشی تھی۔

''یہ میرا گفٹ ہے..... تھینکس بابا۔ میں واپسی پر پک کرلوں گی۔''

''کیک کے بغیر نہیں ملے گا۔'' انہوں نے نروٹھے پن سے کہا۔

''لے کر آؤں گی، آئی پرامس۔''

''آپ لوگوں کے تو لاڈ ہی ختم نہیں ہوتے اور مجھے آفس کے لیے دیر ہو رہی ہے۔'' صائم کھڑا ہو گیا۔

''مجھے بھی تمہارے ساتھ ہی جانا ہے۔ میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔'' وہ عجلت میں کہہ کر فائقہ سے اجازت لینے لگی۔ صائم اندر سے اپنی چیزیں لانے چلا گیا۔

''میں شام میں آؤں گی تمہاری امی سے ملنے۔''

فائقہ نے کہا تو سیماب نے جلدی سے دعوت ہی دے ڈالی۔

''ڈنر ہمارے ساتھ کریں۔''

فائقہ نے محمود صاحب کی طرف دیکھا تو وہ بھی فوراً مان گئے۔ یہ سب سے آسان طریقہ تھا، زیبی اور صائم کی ملاقات کا۔

''بابا..'' فائقہ ان دونوں کو ساتھ جاتا دیکھ کر جوش سے باپ کی طرف پلٹیں۔

''بس مجھے یہی ہو چاہیے۔''

''اگر زیبی درمیان میں نہ ہوتی تو میں بھی یہی کہتا۔'' انہوں نے گہری سانس لی۔

''زیبی!'' فائقہ بری طرح چونکیں، پھر غصے میں آ گئیں۔

''زیبی اب کہیں نہیں ہے بابا! وہ نحوست میرے بیٹے کی زندگی سے جا چکی ہے۔''

''دیکھتے ہیں۔'' انہوں نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

☆☆☆

سفید کرتا پائجامہ ان کے سفید جھاگ بالوں کے ساتھ میچ کر رہا تھا۔ وہ برآمدے مین دونوں ہاتھ لاٹھی پر ٹکائے ماں بیٹے کے منتظر کھڑے تھے مگر سوچوں کی پرواز کہیں سے کہیں جا پہنچی تھی۔

آج کے دن کا انہوں نے بہت انتظار کیا تھا۔

نتیجہ اللہ پر چھوڑتے وہ محو دعا تھے۔

''یا اللہ! ان تینوں بچوں کے حق میں بہترین فیصلہ کر۔''

وہ سیماب کے لیے بے حد فکر مند تھے۔

(''اس معصوم لڑکی کو پوری دنیا میں یہی گھامڑ نظر آیا تھا۔)

وہ دل ہی دل میں جھنجلائے۔ ماں بیٹے ہنستے مسکراتے باہر آ رہے تھے۔

''مجھے تو سیماب اتنی پسند آئی ہے..... ہنس مکھ، ملنسار۔ بہت پہلے اس کی ماں سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے یاد پڑتا ہے، وہ بھی ایسی ہی تھیں۔'' ہلکے سے توقف کے بعد وہ دل کی بات زبان پر لے آئیں۔

''سیماب بالکل ویسی ہے، جیسی میں بھولا نا چاہتی ہوں۔''
جہاں صائم ٹھٹھک گیا۔ وہیں محمود صاحب چڑ گئے۔
''میری بیٹی کا تو بس ہی نہیں چل رہا کہ آج بات پکی کر کے ہی آئے۔''
''آپ اس مقصد کے لیے آئی ہیں۔'' صائم کنفیوژ ہو گیا۔
''آئی تو اسی لیے ہوں مگر تمہارے حتمی فیصلے کے بغیر کیسے کچھ کہہ سکتی ہوں۔''
''اس نے اپنا فیصلہ کئی سال پہلے سنا دیا تھا۔'' انہوں نے جینز پر سفید ٹی شرٹ میں ملبوس اپنے خوبرو نواسے کو غصے سے دیکھا۔
فائقہ کو باپ پر بہت غصہ آیا۔ اس موقعہ پر اس منحوس لڑکی کا بار بار ذکر کیوں ہو رہا تھا؟
''بابا! آپ بھی کس زمانے کی باتیں لے کر بیٹھ گئے۔ اس وقت صائم کی عمر تھی نہ تجربہ۔'' فائقہ نے چڑ کر کہا۔
''تجربہ تو اب بھی زیرو ہے۔''
''بابا! کیوں طنز کرتے جا رہے ہیں۔ آپ کو سیماب پسند نہیں ہے۔''
''وہ بچی بہت عزیز ہے، مگر یہ بے وقوف اس سے کہیں زیادہ پیارا ہے۔ اس لیے چاہتا ہوں کہ اب یہ کوئی غلطی نہ کرے۔'' انہوں نے حسب عادت لاٹھی کی نوک صائم کے سینے پر چبھوئی۔
''یہ بچہ نہیں جو کوئی غلطی کرے گا۔ اتنی اچھی لڑکی پسند کی ہے۔''
فائقہ نے صائم کا بازو پکڑا۔
''کیوں صائم! کھل کر بتاؤ، کیا میں سیماب کے رشتے کی بات کروں۔''
صائم نے ایک نظر نانا کو دیکھا۔
وہ منتظر نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔
صائم نے ابھی اس کے بارے میں کچھ سوچا نہ تھا۔
''مگر کب تک.....'' صائم نے اپنے اندر اٹھتی آوازوں کا بے دردی سے گلا گھونٹا۔
''زندگی کو آگے بڑھنا ہی ہے تو سیماب کیوں نہیں۔''
فائقہ نے مسکرا کر باپ کو دیکھا۔
وہ گنگ کھڑے صائم کو دیکھ رہے تھے۔
''میں گاڑی نکالتا ہوں آ جائیں۔'' صائم نظریں چرا کر چلا گیا۔
فائقہ باپ کے قریب آئی۔
''بابا! اب آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ میں نے اس کے ساتھ زبردستی کی ہے۔''
''زبردستی تو وہ خود اپنے ساتھ کر رہا ہے۔'' ان کی طبیعت ایک دم نڈھال سی ہو گئی۔
اب جو کچھ وہاں ہونے والا تھا، اس کی تاب ان کا بوڑھا دل نہیں لا سکتا تھا۔
''میں گھر پر رکوں گا، تم لوگ ہو کر آؤ۔'' انہوں نے جانے سے ہی انکار کر دیا۔ فائقہ اور صائم کے بہت اصرار کے باوجود وہ نہیں گئے تھے۔

☆☆☆

زیبی ہاسپٹل سے آئی تھی۔ اسے محمود صاحب سے ملنے جانا تھا، مگر اتنی اہم دعوت دیکھ کر رک گئی۔ ستارہ نے سارا اہتمام کر لیا تھا۔ دونوں مل کر مختلف سلاد اور میٹھے بنانے لگیں۔
سیماب آج بہت سلیقے سے تیار ہوئی تھی۔ بوا نے نہ جانے کتنی بار دل ہی دل میں اس کی بلائیں لیں۔

''سنو! اس کی امی مجھے پسند کرلیں گی نا۔'' وہ پزل ہو رہی تھی۔
''دیکھتے ہی کرلیں گی..... اور تم تو یوں پزل ہو رہی ہو، جیسے وہ تمہیں انگوٹھی پہنانے آرہی ہیں۔'' زوباریہ نے سلاد میں زیتون مکس کیے۔
''اسی ارادے سے آرہی ہیں۔'' سیماب مسکرائی۔
''کیا مطلب؟ انگوٹھی پہنانے آرہی ہیں۔''
''نہیں۔ آج تو بس ملنے آئیں گی۔ میں نے دیکھا تھا ان کی آنکھوں میں میرے لیے پسندیدگی تھی۔''
''اور اس کی آنکھوں میں؟'' زیبی نے چھیڑا۔
''وہ.....'' اس نے کاجو کی مٹھی بھری۔ ''اس کی آنکھوں کی تحریر بہت مشکل ہے۔ انسان پڑھ بھی لے تو سمجھ میں نہیں آتی۔ پتا نہیں وہ محبت سے اتنا ڈرتا کیوں ہے۔''
''اچھا ہے نا۔ اپنے جذبے سنبھال کر رکھے گا۔ تب ہی تو تم پر لٹائے گا۔''
''یہ بھی ہے۔'' سیماب نے تائیدی انداز میں سر ہلاتے کچھ کاجو منہ میں ڈالے۔
''زیبی تم اس سے ملو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔ بہت اپنا اپنا سا لگتا ہے۔ جیسے ہم اس سے پہلی بار نہیں مل رہے۔ جیسے وہ ہمیشہ سے ہمارے ساتھ تھا۔''
''اسے چاہنے لگی ہو۔'' زیبی نے بہت پیار سے اس کے چہرے پر چھائے رنگوں کو دیکھا۔
''ہاں.....'' سیماب نے صرف زیبی کے سامنے ہی نہیں۔ اپنے سامنے بھی پہلی بار اعتراف کیا تھا۔
''میری دعا ہے اللہ اسے تمہارا نصیب بنا دے۔''
''اب تو لگتا ہے وہ نہ ملا تو میری سانس بند ہو جائے گی۔''
''ارے سانس تو ان میوا جات نے بند کیا ہوگا جنہیں بکری کی طرح چرتی چلی جا رہی ہو۔''
''تو زیبی چرنے کے لیے ہی لائی ہے۔ سنبھال کر رکھنے کے لیے تھوڑی ہیں۔''
''من بھر گیا ہو تو باہر نکلیں۔ مجھے پھلکے بنانے ہیں۔ مہمان آتے ہوں گے۔'' بوا نے منہ بنایا۔
''تم جاؤ سیماب! کچن کے حبس میں تمہارا حلیہ خراب ہو جائے گا۔'' زیبی نے کہا تو سیماب کو بھی خیال آیا، کہیں گرمی میں اس کا میک اپ نہ خراب ہو گیا۔ اس نو میک اپ لک کے لیے اس نے پورا گھنٹہ میک اپ لگایا تھا۔
''توبہ! یہ تو یوں اتاولی ہو رہی ہیں، جیسے نکاح ہو رہا ہو۔''
''دعا کریں۔ اللہ وہ بھی جلد لائے۔'' سیماب جاتے جاتے ان کے گال کھینچے۔
''ہائے، سیانے ٹھیک کہتے تھے۔ قیامت کے قریب آکر لڑکی اپنے منہ سے برما نکلے گی۔'' بوا توبہ توبہ کرنے لگیں۔
''بوا جی! آپ کو تنگ کرنے کے لیے جان بوجھ کر یہ سب کہتی ہے۔'' زوباریہ نے تسلی دی۔
''کسی بھی طرح سے کہتی ہو، ہمیں تو آج کی نسل کے منہ سے ایسی بے شرمی کی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ فریج سے آٹا نکالتے ہوئے بڑبڑائیں۔
''تب ہی زیبی کا موبائل بجنے لگا۔
ہاسپٹل سے ایمرجنسی کال تھی۔ اسے فوراً نکلنا تھا۔
سیماب ناراض ہو گئی۔
''یار کیا کروں؟ مجبوری ہے۔ میری جاب ہے۔ ایک ایمرجنسی آپریشن اسسٹ کرنا ہے۔ میری سینئر نے خود ریکوئسٹ کی ہے اور تم بالکل فکر نہ کرو، میں ڈنر ختم ہونے سے قبل آجاؤں گی..... اور تمہارے اس پرنس چارمنگ سے ضرور ملوں گی۔''

زیبی نے چھیڑا مگر اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔
''جو دل میں آئے کرو۔''
''اچھا، اس کا نام تو بتا دو۔''
''تم جاؤ، اپنا کام کرو۔ پورے ہاسپٹل میں ایک تم ہی تو قابل ڈاکٹر ہو۔''
زیبی کے پاس وقت نہیں تھا کہ رک کر منانی۔ اس لیے خاموشی سے ستارہ کو بتا کر چلی گئی کہ واپسی پر منا لے گی۔

☆☆☆

ستارہ اور فائقہ کی پہلے بھی ملاقات ہو چکی تھی مگر اب دونوں یوں شیر و شکر ہو کر باتیں کر رہی تھیں جیسے بچپن کی گوڑھی سہیلیاں ہوں۔
''لیکن بابا کیوں نہیں آئے؟'' سیماب کو فکر لاحق ہوئی۔
''آنے کو تیار تھے، پھر اچانک موڈ بدل گیا۔''
''ہم جا کر لے آتے ہیں۔'' سیماب نے صائم کو دیکھا۔
''نہیں، انہیں آرام کرنے دو۔''
اور آرام انہیں کسی کروٹ نہ تھا۔ زیبی کی اداس آنکھیں انہیں بے چین کر رہی تھیں۔
کیا کر رہی ہوگی؟
کیسے صائم کا سامنا کیا ہوگا؟
صائم اور سیماب کے رشتے کا سن کر اس پر کیا بیتی ہوگی؟
میں نے دیر کیوں کی؟ بہت پہلے کیوں نہ بتا دیا۔
خود سے الجھے الجھے زوباریہ کا نمبر ملا لیا۔
''بابا! میں بس ہاسپٹل سے نکل رہی ہوں۔ آپ لوگوں نے کھانا کھا لیا۔''
''تم گھر پر نہیں ہو۔'' وہ ٹھٹھکے۔
''نہیں بابا! ایک ایمرجنسی کی وجہ سے ہاسپٹل آنا پڑا۔ کیا مطلب؟ آپ گھر نہیں آئے۔''
''تم سیدھا میری طرف آؤ۔ شاید میرا بی پی گڑبڑ کر رہا ہے۔'' انہوں نے کچھ سوچ کر کہا۔ تو زیبی پریشان ہو گئی۔
''بابا! میں ابھی آ رہی ہوں۔ آپ اپنا خیال رکھیں۔ ان لوگوں کو آپ کو چھوڑ کر جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''
محمود صاحب نے کال کاٹ دی۔
ایک ایک لمحہ ان پر بھاری گزر رہا تھا۔ اپنے بیڈ پر کمبل اوڑھے لیٹے وہ معمول سے زیادہ تھکے ہوئے پژمردہ لگے۔
''بابا! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' زیبی نے آتے ہی ان کا بی پی وغیرہ چیک کرنا شروع کر دیا۔ وہ ہمدردی اور محبت سے اسے دیکھے گئے۔ ابھی گھر جا کر اس نے جو کچھ دیکھنا تھا، کیا یہ نازک سی لڑکی اسے سہار پائے گی۔ وہ اسے ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتے تھے۔
انہوں نے زوباریہ کے عقب میں دیوار پر لگی فیملی فوٹو کو دیکھا۔
''بی پی ٹھیک ہے بابا! کوئی ٹینشن ہے؟'' زوباریہ نے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔
''زندگی بہت بڑے بڑے امتحان لیتی ہے۔''
''اور ہر امتحان گزر جانے کے لیے ہوتا ہے، آپ ہی تو کہتے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔
''ہر امتحان میں کامیاب ہوں، یہ بھی ضروری نہیں۔'' انہوں نے سیدھے ہو کر زوباریہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
''لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم ہر ناکامی پر پھر سے اٹھ کر کھڑے ہو جائیں، جو مل گیا اس پر شکر کریں، جو نہیں

ملا.....اس پر صبر.....کبھی کبھی ہمیں وہ سب صبر کے اجر کے طور پر مل جاتا ہے۔'' وہ دھیمے لہجے میں بولتی گئی۔
اتنا دھیما لہجہ، جتنی سرما کی بارش.....ہولے ہولے ہر چیز کو بھگوتی، بے آواز.....مگر اپنے ہونے کا احساس دلاتی، اتنے برسوں میں اس نے محمود صاحب کے پڑھائے سارے سبق یاد رکھے تھے۔
وہ سہار لے گی، وہ سمت کا ایک اور ستم سہار لے گی۔
محمود صاحب کے وجدان نے انہیں بتا دیا تھا۔
''ٹھیک ہے بچے.....گھر جاؤ۔'' انہوں نے گہری سانس بھری۔
''نہیں۔ جب تک وہ لوگ واپس نہیں آتے، میں یہیں آپ کے پاس رکوں گی۔''
''لیکن بیٹا! وہاں تمہارا انتظار ہو رہا ہوگا۔''
''میں کال کر دیتی ہوں۔'' زیبی کھڑی ہوئی، بیگ سے موبائل نکالا اور نمبر ملاتے ہوئے مڑی۔
فیملی فوٹو گراف عین اس کے سامنے تھا۔
ابراہیم، فائقہ، محمود صاحب اور.....
اور وہ.....
جیسے پوری کائنات رک گئی تھی۔
مگر کائنات کہاں رکتی ہے۔
قیامت بھی صرف اسی پر گزری تھی۔
محمود صاحب نے گہری سانس بھری۔
زیبی ان کی طرف پلٹی۔ وہ زیبی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے خاموشی سے تصویر دیکھتے رہے۔
''یہ.....یہ کون ہے بابا۔''
''صائم ابراہیم.....میرا نواسہ۔''
زوباریہ نے گہری سانس لی اور سہارے کے لیے دیوار کا سہارا لیا۔
''میں تمہیں بتانا چاہتا تھا.....مگر میں نے دیر کر دی۔'' انہیں اپنا آپ ایک مجرم کی طرح لگ رہا تھا۔
''آپ جانتے تھے۔'' باہر ہی نہیں کمرے میں بھی اندھیرا بڑھ رہا تھا.....یا شاید اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔
''ہاں، میں جان گیا تھا.....مناسب وقت کا انتظار تھا، جب تم لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے۔ فیصلے کا اختیار تم لوگوں کے پاس ہوتا۔ مگر کبھی کبھار ہر عقل و فہم کے باوجود سب الٹ پلٹ ہو جاتا ہے۔''
زوباریہ نے اپنا چہرہ صاف کیا۔
''میں نے یہ کبھی نہیں چاہا تھا، سیماب اور صائم.....''
''سیماب اور صائم.....''
زوباریہ کے اعصاب جھنجھوڑے گئے۔
''زیبی تم اس سے ملو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔ بہت اپنا اپنا لگتا ہے۔ جیسے ہم اسے پہلی بار نہیں مل رہے، جیسے وہ ہمیشہ سے ہمارے ساتھ تھا۔''
زیبی دیوانہ وار بھاگی۔
محمود صاحب نے خاموشی سے عقب میں ٹیک لگا لی۔ وہ بہت تھک گئے تھے۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

شازیہ جمال طارق

یہ راستہ کوئی اور ہے

''توبہ توبہ۔ بڑے ہی کوئی ڈھیٹ اور بے غیرت قسم کے لوگ ہیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ ہم شریف لوگ آپ جیسوں سے کوئی تعلق، واسطہ نہیں رکھنا چاہتے۔ لیکن پھر بھی باز نہیں آتے اور اس شہر بانو کی ماں کو دیکھو، منہ اٹھا کر پھر درس قرآن کا بلاوا دینے آگئیں۔ جیسے ہم ان کے بلاوے پر دوڑے چلے جائیں گے۔''

دادی صحن میں بچھے اپنے مخصوص تخت پر براجمان جمیلہ آپا سے محو گفتگو تھیں۔ جمیلہ آپا سے دادی کی دوستی محلے بھر میں مشہور تھی۔ دونوں اکثر و بیشتر ایک دوسرے سے ملنے آجایا کرتی تھیں۔

اب بھی دادی کو دو چار زوردار چھینکیں آئیں، موسی فلو نے آلیا۔ خبر جمیلہ آپا تک پہنچی تو فوراً طبیعت پوچھنے دوڑی چلی آئیں۔ چائے کی ٹرے اٹھائے، کچن سے نکلتی زارا نے دادی کی باتوں پر کوفت سے سر جھٹکا۔

''سولہ آنے صحیح بات کہی ہے آپ نے خالہ جی! ایسے لوگوں کو تو دور سے ہی ہمارا اسلام۔''

جمیلہ آپا نے گرم گرم چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے دادی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''ان لوگوں نے تو جیسے شریعت کو مذاق بنالیا ہے۔ طلاق کوئی معمولی بات ہے کہ ادھر بیٹی کے سسرال میں چھوٹا موٹا جھگڑا ہوا، ادھر انہوں نے بیٹی کو میکے بٹھا کر طلاق لے لی۔ گویا شادی بیاہ نہ ہوا، گڈے گڑیا کا کھیل ہوگیا۔''

دادی کی باتوں پر سر دھنتی جمیلہ آپا چائے کا آخری بڑا سا گھونٹ لے کر سفید ٹوپی والا برقع سر پر ٹکائی رخصت ہوئیں تو زارا دادی پر اپنی ناگواری ظاہر کیے بنا نہ رہ سکی۔

''کیا ضرورت تھی دادی! شہر بانو کے گھر والوں کے بارے میں اتنا الٹا سیدھا بولنے کی۔ جب سے شاہدہ باجی کی طلاق ہوئی ہے، آپ نے تو ان لوگوں سے خدا واسطے کا بیر ہی باندھ لیا ہے۔ یاد نہیں اپنی شادی سے پہلے شاہدہ باجی سب سے پہلے آپ کے کپڑے سلائی کر کے دیتی تھیں اور احتراماً آپ سے کبھی سلائی کے پیسے تک نہیں لیے۔ ایک آپ ہیں کہ ہاتھ دھو کے ان کے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔'' زارا بولنے پر آئی تو بولے گئی۔

''میرے سامنے زیادہ ٹرٹر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اچھی طرح جانتی ہوں تمہارے پیٹ میں کیوں ان کی ہمدردی کے مروڑ اٹھ رہے ہیں۔ خبردار، جو تم نے ان کے گھر قدم رکھا تو۔ کوئی ضرورت نہیں ہے زیادہ یاریاں دوستیاں نبھانے کی۔''

دادی حکم صادر کر کے ٹانگیں لمبی کر کے نیم دراز ہوگئیں۔

زارا چائے کی ٹرے اٹھائے پاؤں پٹختی کچن میں چلی آئی۔

''کیوں بحث کرنے کھڑی ہوجاتی ہو ان سے۔ جب ان کی عادت کا پتا بھی ہے۔''

دن کے کھانے کی تیاری میں مصروف اماں نے اسے سرزنش کی۔ زارا نے سر جھٹکا۔

''آپ کو پتا ہے، غلط بات مجھ سے برداشت نہیں ہوتی اور دادی تو حد ہی کر دیتی ہیں۔''

''انہوں نے منع کردیا تو تم کون سا منع ہوجانے والوں میں سے ہو۔'' کومل پانی سے بھری بوتل فریج میں رکھتی یوں ہی ازراہ تبصرہ کہتی باہر نکل گئی۔ زارا نے چونک کر اس کی پشت کو دیکھا اور کھل کر مسکرادی۔

☆☆☆

''ٹھیک ہی تو کہا ہے کومل نے۔ ویسے بھی جب سیدھی انگلی سے کام نہ بن پائے تو انگلی ٹیڑھی کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔''

ادھر دادی نے حسب معمول قیلولہ فرمانے کے لیے اپنے کمرے کی طرف رخ کیا، ادھر زارا بی بی نے شہر بانو کے گھر کی طرف دوڑ لگادی۔ دو قدم کے فاصلے پر ہی تو ان کا گھر تھا۔ درس تقریباً عنقریب ختم ہونے والا تھا۔ لیکن وہ دعا میں ضرور شامل ہوگئی اور پھر سلاد بنانے سے لے کر دسترخوان لگانے، برتن

میلنے اور درس قرآن کے لیے آئی خواتین کو رخصت کرنے تک شہر بانو کا پورا پورا ساتھ دیا۔

شاہدہ باجی کی طلاق کے بعد دادی کے ان لوگوں کے متعلق خیالات جس قدر تیزی سے بدلے تھے۔ وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ دادی کی پاٹ دار آواز کو دیوار پار جانے سے بھلا کون روک سکتا تھا؟

''سنو زارا! اگر دادی کو تمہارے یہاں آنے کا پتا چل گیا تو نہ جانے تمہارا کیا حشر کریں۔''

شہر بانو کو عزیز سہیلی کی متوقع درگت کی فکر ستانے لگی۔ اس کے ساتھ کچن کے فرش پر پھسکڑا مارے چاولوں سے لطف اندوز ہوتی زارا نے لاپروائی سے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

''ایسے کیسے پتا چلے گا، تمہاری دوست نے کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ اچھی طرح تسلی کرنے کے بعد ہی آئی ہوں۔''

شہر بانو کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی۔

☆☆☆

زارا دبے پاؤں گھر میں داخل ہوئی اور چپکے سے اپنے اور کومل کے مشترکہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دادی ہنوز اپنے کمرے میں آرام فرما رہی تھیں۔ مطلب کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔

اپنے کارنامے پر خود کو داد دیتی وہ بیڈ پر چت لیٹ گئی۔ جلد ہی نیند کی مہربان پری نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ سہ پہر باسی ہو کر اپنے سر مئی پر سمیٹتی شام کی گود میں سر رکھنے کو بے تاب ہوئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی، منہ پر پانی کے چھپاکے مارتی باہر نکل آئی۔

دادی تخت پر بیٹھی دونوں ٹانگیں لٹکائے، چھڑی گھماتی گویا اس کے جاگنے کی ہی منتظر تھیں۔

''پپو! کم بخت ٹی وی کی آواز کم کر۔'' زارا پر لب کٹیلی نگاہ ڈالتے ہوئے کمرے کی طرف رخ کر کے لاڈلے پوتے کو گھرکا، جو اندر کمرے میں ریموٹ پر جھوم رہا تھا۔ دادی کی جھاڑ پر فوراً سے پیشتر ٹی وی کا گلا گھونٹ دیا۔ دادی زارا کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جس کی چھٹی حس اسے کسی خطرے سے خبردار کر رہی تھی۔

''کوئی شرم، کوئی لحاظ تجھ میں ہے کہ نہیں؟ جب میں نے کہا تھا تم ان کے گھر نہیں جاؤ گی تو کیوں گئیں۔''

زارا نے بوکھلا کر ''گھر کے بھیدی'' کو گھورا۔ کومل نے بے چاری سی مشکل بناتے ہوئے اپنی بے گناہی کا یقین دلایا۔ اس نے واقعی دادی کو نہیں بتایا تھا۔

''دادی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ کس کے گھر؟ کون سے گھر؟ میں تو.....''

زارا نے معصومیت کے ریکارڈ توڑنے کی کوشش کی۔ مقابل بھی اس کی دادی تھیں۔

''میرے سامنے زیادہ اداکاری مت کر۔ حاجی صاحب کی بھتیجی پوتی نے خود تمہیں ان کے گھر دیکھا تھا۔ ناک کٹوا دی ہے تم نے میری۔ حاجی صاحب کی بیگم کیا سوچتی ہوں گی میرے بارے میں۔ تمہیں ذرا خیال نہیں آیا یوں دادی کی عزت دو کوڑی کی کرتے۔''

دادی نے چھڑی لہرا کے گھمائی، زارا نے سرپٹ دوڑ لگا دی۔ اب پورے صحن میں چارپائیوں کے گرد زارا آگے آگے، چھڑی ہوا میں بلند کیے دادی پیچھے پیچھے۔ ''اگر آج دادی کے ہاتھوں فوت ہونے سے بچ گئی تو سب سے پہلے اس ''چشم دید گواہ'' کی چٹنی بناؤں گی۔'' پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان اس کے انتقامانہ جذبات بیدار ہونے لگے تھے۔

☆☆☆

دادی کے ہاتھوں جو درگت بنی سو بنی، اسے زیادہ غم اس بات کا تھا کہ لائیو تماشا دیکھنے والوں میں کومل اور پپو کے ساتھ شعیب بھی پیش پیش تھا۔ جو عین وقت پر دادی کے لیے گاجر کا حلوہ لے کر حاضر ہوا تھا۔

''وہ نانی! کمال کر دیا سچ میں۔ اگر آپ اسی رفتار سے بھاگتی رہیں تو اگلے سال ویمن ریس میں ورلڈ چیمپئن کا ایوارڈ آپ ہی حاصل کریں گی۔''

ہانپتی کانپتی دادی کو بانہوں میں لیے تخت پر بٹھاتا وہ زارا کو چڑا رہا تھا۔ زارا فوراً اس سارے منظر سے واک آؤٹ کر گئی۔

دادی کا سانس چڑھ گیا تھا۔ اماں نے پیٹھ سہلائی۔ کومل نے بھاگ کر پانی کا گلاس ان کے لبوں سے لگایا۔ تب کہیں جا کر سانس بحال ہوئی۔

''امی نے آپ کے لیے گاجر کا حلوہ بنا کر بھیجا ہے۔ شاید انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ کو اس کی شدید ضرورت ہے۔ کچھ نافرمان لوگ آپ کی توانائیاں ضائع کرنے پر جو تل گئے ہیں۔''

منہ زارا کے کمرے کی طرف کر کے دانستہ اونچی آواز میں بولا۔ زارا نے بھنا کر زور سے کھڑکی بند کر دی۔ شعیب مسکراتا ہوا ممانی کی طرف متوجہ ہوا جو اس سے اس کی ماں کی خیر خیریت پوچھ رہی تھیں۔

☆☆☆

رات کو وہ کھانے کے لیے بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی۔

رات کا کھانا ہمیشہ سب ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر ہی کھاتے تھے۔ ابا نے اس کی غیر موجودگی کا سبب پوچھا۔ گھر میں سب سے زیادہ بھوک کی کچی وہ ہی تھی اور سب سے پہلے کھانا لگانے کا شور مچاتی۔

کومل اور پپو کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اماں مختصر الفاظ میں دادی اور پوتی کے درمیان معرکے کا حال بتانے لگیں۔ ابا نوالہ چباتے زیر لب مسکراتے رہے۔

دادی خاصی خوش خوراک تھیں لیکن اس وقت جلد ہی کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے۔ زارا سے ہزار ناراض سہی لیکن اس کی دسترخوان پر غیر موجودگی انہیں بے چین کر گئی تھی۔

☆☆☆

رات بھر بادل برستے رہے تھے۔ بارش کی شفاف بوندیں دھرتی کا تن من بھگوتی رہیں۔ صبح صحن میں امرود اور املتاس کے پتے بھیگے پڑے تھے۔

کومل جھاڑو اٹھا کر صفائی میں لگ گئی۔ پپو گنگناتا ہوا پودوں کی کیاریاں ٹھیک کر رہا تھا جو بارش کے پانی سے لبالب بھر گئی تھیں۔

صحن میں اماں کے ہاتھ کے خستہ پراٹھوں اور حلوے کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ اجلا، نکھرا نکھرا ماحول دیکھ کر زارا کا موڈ ایک دم ہشاش بشاش ہو گیا تھا۔ پتوں پر اٹکے موتی پوروں سے جھٹکتی، وہ اس سہانی صبح کا ایک دلکش قصہ لگ رہی تھی۔

''زارا! آ کر ناشتا کر لو پہلے۔''

کچن کی کھڑکی سے دادی نے آواز لگائی تھی۔

''پتا نہیں کم بخت نے رات کچھ کھایا بھی تھا یا ایسے بھوکے پیٹ ہی سو گئی تھی۔'' دادی کو جب تک نیند نہیں آئی، کروٹیں بدلتی یہی سوچتی رہی تھیں۔

زارا مسکراتی ہوئی کچن میں آ گئی اور چوکی گھسیٹ کر دادی کے ساتھ مل کر ناشتا کرنے لگی۔

''السلام علیکم!''

کچن کے ادھ کھلے دروازے سے شعیب نے اندر جھانکتے ہوئے زوردار سلام جھاڑا۔

''لوگوں کو ایسے موسم میں بھی اپنے گھر چین نہیں۔'' زارا نے پرانا بدلا چکایا۔

''دیکھ لیا امی! آپ کی بھتیجی کو آپ کے آنے کی ذرا خوشی نہیں ہوئی۔'' اندر آتے ہوئے پیچھے آتی ماں کو دیکھا۔

''جی نہیں۔ میں پھوپھو کی نہیں کچھ ویلے نکمے لوگوں کی بات کر رہی تھی۔''

ذکیہ پھوپھو سے اٹھ کر ملتے ہوئے وہ شعیب کو جواب دینے سے باز نہ آئی۔

دونوں کی نوک جھونک گھر والوں کے لیے نئی بات نہیں تھی۔

☆☆☆

پھوپھو کو دادی نے رات کھانے کے لیے روک لیا تھا۔ وہ اسی محلے میں رہتی تھیں لیکن ہفتوں بعد ہی چکر لگاتیں۔ شعیب ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ بیٹی کوئی تھی نہیں جو گھر کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی۔ سو دن بھر ان ہی بکھیڑوں میں الجھی رہتیں۔

آج اماں کی کچن سے چھٹی تھی۔

زارا اور کومل نے مل کر اچھا خاصا اہتمام کر لیا۔

پھوپھو کی آج اتنی صبح آمد کا مقصد کچھ خاص

تھا۔ وہ کومل کے لیے ایک رشتے کا بتانے آئی تھیں۔ اماں اور دادی ہمہ تن گوش تھیں۔ کومل چائے بنانے اٹھ گئی۔

''سنو۔ بریانی بہت مزے کی تھی۔'' شعیب نے زارا سے کہا۔

''کومل نے بنائی تھی۔'' زارا نے ناک چڑھا کر جواب دیا۔

''اچھا..... سلاد میں اس بار بہت ورائٹی تھی۔''

''وہ بھی کومل نے بنایا تھا۔''

''اور چٹنی..... اس کی تو کیا ہی بات تھی۔''

''وہ بھی کومل نے ہی بنائی تھی۔'' زارا کو ہنسی آنے لگی تھی۔ شعیب ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''جانتا ہوں یار۔ سب کچھ کومل نے ہی بنایا ہوگا لیکن مجھے سب کچھ اس لیے اچھا لگ رہا تھا کیونکہ کھاتے ہوئے سامنے تم بیٹھی تھیں۔''

''تو یوں کہو نا۔ اتنی لمبی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت تھی۔'' زارا مسکراہٹ دبائی وہاں سے اٹھ گئی۔

☆☆☆

حاجی صاحب کی بیگم اور ان کی منجھلی پوتی کو دیکھ کر زارا کا پرانا غم تازہ ہوگیا تھا۔ نو، دس سال کی اس ''بچی'' کو گردن سے دبوچنے کی خواہش شدت سے اس کے اندر جاگی تھی۔ اس کا چہرہ شاید اس کی اندرونی کیفیت کی غمازی کر رہا تھا، تب ہی دادی نے اسے اسی وقت اچھی سی چائے بنا کر لانے کا آرڈر دے کر نو دو گیارہ ہونے کا اشارہ کیا۔

اماں آج پھوپھو کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ کومل پچھلے صحن میں مشین لگا کر کپڑے دھو رہی تھی۔ ناچار اسے ہی چائے بنانا پڑی۔

بات شروع تو نجانے کہاں سے ہوئی تھی لیکن اس وقت موضوع گفتگو پھر شہر بانو کا گھرانا تھا۔ زارا کا دل چاہا بھاپ اڑاتی چائے سنک میں بہادے۔

''مجھے تو لگتا ہے سارا قصور ہی اسی شاہدہ کا ہے۔ رفعت آپا بتا رہی تھیں کہ بہت ہی بدزبان لڑکی ہے۔ ایسے کتر کتر شوہر اور ساس سے زبان چلاتی تھی کہ توبہ توبہ.....''

حاجی صاحب کی بیگم کانوں کی لویں چھوتی توبہ استغفار کرنے لگیں۔ دادی الگ فرمان جاری کر رہی تھیں۔

''لڑکی سے زیادہ قصوروار اس کے گھر والے ہوتے ہیں۔ ان کی ناقص تربیت کی وجہ سے ہی لڑکیاں اتنی منہ زور ہوجاتی ہیں۔ اگر ماں باپ صبر برداشت سے کام لینے کا درس دیں تو بیٹیاں کاہے کو معمولی معمولی باتوں پر لڑ جھگڑ کر طلاق کا کلنک ماتھے پر سجائے پھر سے ان کی دہلیز پر آ بیٹھیں۔''

''لازمی نہیں ہے دادی! ہر بار قصوروار لڑکی اور اس کے گھر والے ہی ہوں۔ جوتا کہاں کاٹتا ہے، یہ صرف پہننے والوں کو ہی معلوم ہوتا ہے۔ لوگوں کو تو بس باتیں بنانے کا موقع ملنا چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی پھیلائی ہوئی باتیں ہی تو ہیں کہ شاہدہ باجی سسرال والوں سے زبان درازی کرتی تھیں ورنہ ہم کیا جانتے نہیں کہ ان سے زیادہ ملنسار اور ہنس مکھ شاید ہی پورے محلے میں کوئی ہو۔''

دادی نے زارا کو گھورا جس نے چائے کی ٹرے پٹخنے کے ساتھ ساتھ گویا ان کے نادر خیالات کو بھی ہوا میں کہیں پٹخ دیا تھا۔ حاجی صاحب کی بیگم نے جتاتی نظروں سے دادی کو دیکھا۔ دادی پہلو بدل کر رہ گئیں۔ زارا غصے سے بڑبڑاتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

دونوں گھرانوں کے ہمیشہ سے مثالی تعلقات رہے تھے آپس میں۔ دیوار سے دیوار جڑی تھی۔ ہر وقت کا آنا جانا، شہر بانو اور زارا کی تو بچپن سے ہی دوستی تھی۔ شاہدہ باجی محلے کی عورتوں کے اجرت پر کپڑے سلائی کرتی تھیں۔ اچھا خاصا خوش حال گھرانہ تھا۔ اچانک حالات نے پلٹا کھایا۔ شاہدہ باجی کا رشتہ طے ہوا اور آناً فاناً شادی بھی کردی گئی۔ لیکن چاؤ اور مان سے بیاہ کر لے جانے والی ساس نندوں نے اول روز سے ہی ان سے بیر باندھ لیا۔ معمولی

باتوں پر شروع ہونے والی تکرار لڑائی جھگڑے تک جا پہنچتی۔

ان کے میاں کاٹھ کے الو..... کبھی بیوی کے حق میں آواز نہ اٹھا سکے۔

نئی نویلی شاہدہ باجی کے پھیکے پڑتے رنگ زارا نے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔

وہ جب بھی میکے آتیں، تنہائی میں ان کی خالی خالی ویران آنکھوں کے گوشے ہمیشہ نم رہتے۔ ان کا گھر ٹوٹنے کے دہانے پر تھا، جسے بچانے کے لیے انہوں نے ہر قربانی دی لیکن بالآخر وہ گھر ٹوٹ ہی گیا۔

طلاق کا صدمہ کسی بھی عورت اور اس کے گھر والوں کے لیے معمولی نہیں ہوتا۔ اوپر سے لوگوں کی باتیں..... زارا کو افسوس اس بات کا تھا کہ دادی بھی ان لوگوں میں شامل ہوگئی تھیں۔

جیسے طلاق کے بعد وہ خدانا خواستہ اچھوت ہوگئی ہوں۔ دادی نے خود تو ان سے قطع تعلق کیا سو کیا گھر والوں پر بھی ان سے ملنے جلنے پر پابندی لگادی۔

کومل کی اپنی ہی دنیا تھی۔ اماں کو گھر کے بکھیڑوں سے فرصت نہیں تھی۔ رہ گئی زارا.....

وہ کسی طور اپنی اور شہر بانو کی دوستی دادی کے ان فرسودہ اور بے جا خیالات و نظریات کی نذر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی بات پر اکثر دونوں میں تکرار ہوجاتی۔

☆☆☆

دروازے پر کوئی نفیس سی آنٹی کھڑی تھیں۔

شہر بانو کے گھر کا پتا پوچھ رہی تھیں۔ غالباً شہر بانو کے رشتے کے سلسلے میں ہی ان کے گھر جانا چاہ رہی تھیں۔ گلی تو یہی تھی، گھر وہ بھول گئیں۔

زارا مارے خوشی کے اچھل ہی پڑی۔ دادی کے کان فوراً کھڑے ہوگئے۔ ہاتھوں کا چھجہ بنا کر بغور اس اجنبی خاتون کو دیکھا اور بصد اصرار اپنے تخت تک لے آئیں۔ خاتون شاید حد سے زیادہ سیدھی سادی تھیں کہ پہلی ملاقات میں ہی سارا حال احوال گوش گزار کردیا۔ دادی نے لمبا سا ہنکارا ابھرا۔

''اچھا..... تو بیٹے کے لیے بر تلاش کرنے نکلی ہو۔ خدا تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ پر لگتا ہے غلط جگہ کا انتخاب کر بیٹھی ہو۔ دیوار پار ہی تو ان کا گھر ہے۔ برسوں کا ہمارا اور ان کا ساتھ ہے۔ کہنے کو تو اچھے، شریف لوگ ہیں لیکن.....''

''لیکن؟'' خاتون مضطرب سی ہوگئیں۔

''ان کی بڑی بیٹی کو شادی کے چند ہی ماہ میں طلاق ہوگئی۔'' دادی کا انداز راز داری والا ہوگیا۔ ''وجہ چاہے کچھ بھی ہو، قصوروار تو لڑکی اور اس کے گھر والے ہی ٹھہرائے جاتے ہیں۔ ویسے تمہاری اپنی مرضی ہے، پر وہ کہتے ہیں نا کہ بڑی کا کچھ نہ کچھ اثر چھوٹی پر بھی ہوتا اور.....''

دادی مزید بھی کچھ کہہ رہی تھیں۔ خاتون کے چہرے پر ـــــ تذبذب اور بے چینی جھلکی۔ ان کے جانے کے بعد زارا دادی سے خوب لڑی۔

''کوئی جان بوجھ کر اندھے کنویں میں گرنے جارہا ہو تو اسے صحیح راہ کا بتانا ثواب کا کام ہے۔''

دادی نے اپنے مطلب کی منطق جھاڑتے ہوئے گویا انہیں بھی قائل کرنے کی کوشش کی۔

''اور کسی کی سیدھی راہ جان بوجھ کر کھوٹی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔''

دکھی آواز میں کہتی وہاں سے ہٹ گئی۔

☆☆☆

اماں ذکیہ پھوپھو کے گھر سے بہت شاداں و فرحاں لوٹی تھیں۔

پھوپھو نے کومل کے لیے جو رشتہ بتایا تھا وہ لوگ گھر آکر کومل کو پسند کرگئے اور آج اماں اور پھوپھو ان کا گھر بار دیکھنے کے لیے گئی تھیں۔ اتنا بڑا شان دار سا گھر، کام کے لیے ملازمائیں۔

لڑکے کا مین مارکیٹ میں اسپیئر پارٹس کا ذاتی کاروبار تھا۔ مختصر سی فیملی تھی۔ ماں، باپ اور ایک بڑی شادی شدہ بہن۔ اماں کے دل کو ڈھیر سارا سکون مل گیا۔

ایسا شان دار بر اللہ نے کومل کے نصیب میں لکھ

دیا تھا۔ وہ جتنا شکر ادا کرتیں کم تھا۔ وہ لوگ منگنی وغیرہ کے جھنجھٹ میں پڑنے کے بجائے ڈائریکٹ شادی کے خواہاں تھے۔ تھوڑے سے پس و پیش کے بعد ابا نے انہیں اگلے ماہ کے پہلے ہفتے کی تاریخ نکاح کے لیے دے دی۔

گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ دادی کی نظر بچا کر زارا، کومل کے رشتے اور شادی طے ہونے کا بتانے کے لیے شہر بانو کے گھر چلی آئی۔ شاہدہ باجی کے ہاتھ سے بنے پکوڑوں اور چائے سے لطف اندوز ہوتی وہ نگہت خالہ کو کومل کی ہونے والی سسرال کے بارے میں بتانے لگی۔

''ظفر منہاج!'' لڑکے کے نام پر وہ کچھ چونک سی گئیں۔ اپنی دھن میں بولتے اس نے ان کے چہرے کا بدلتا رنگ نہیں دیکھا۔

''سنو، تمہارے گھر کوئی آیا تھا کیا؟'' اکیلے میں اس نے شہر بانو سے پوچھا۔

''کون؟'' وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

''میرا مطلب ہے کوئی نفیس سی خاتون..... تمہارے رشتے وغیرہ کے لیے۔''

''نہیں تو..... ہمارے گھر تو کوئی نہیں آیا۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو۔ کسی نے آنا تھا کیا؟''

''نہیں تو..... میں تو بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' وہ دل ہی دل میں دادی سے شکوہ کناں ہوئی۔

☆☆☆

''پپو یار! ''تیرے کالے کالے نیناں'' لگاؤ۔''

جب سے کومل کی ڈیٹ فکس ہوئی تھی، پھوپھو اور شعیب شادی کی تیاریوں میں ہاتھ بٹانے کی غرض سے روز ہی آجاتے۔

اب بھی زارا کومل کے کپڑے استری کر کے ہینگر میں لٹکائے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ اسے دیکھ کر شعیب شوخی سے بولا۔ پپو نے فوراً حکم کی تعمیل کی تھی۔

''چھچھورا۔'' زارا مسکراہٹ دباتی آگے بڑھ گئی۔

کمرے میں اماں کے ساتھ شہر بانو کی ماں کو بیٹھا دیکھ کر وہ ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گئی۔

''آپ کی بچیاں ہماری آنکھوں کے سامنے کھیل کود کر بڑی ہوئی ہیں۔ اللہ ان کے نصیب اچھے کرے۔ پہلے تو مجھے لگا شاید مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے لیکن جب ذاکر کے ابا سے بات کی تو شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ بے شک وہ لوگ بہت امیر ہیں لیکن ان کا لڑکا نفسیاتی مریض ہے۔ میری چچیری بہن کی بیٹی سے اس کی پہلی شادی ہوئی تھی۔ آپ کو تو پتا ہے یہ نفسیاتی مرض میں مبتلا لوگ اچھے اچھوں کو پاگل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ یہی حال اس لڑکے نے ہماری بھتیجی کا کیا۔ ناچار خلع لے کر جان چھڑوانی پڑی۔ آپ لوگ ابھی بھی کنارے پر کھڑے ہیں۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں۔ ابھی آپ کی کومل آپ کے گھر، آپ کی آنکھوں کے سامنے ہی ہے۔ بیٹیوں سے ڈر نہیں لگتا ان کے نصیب سے ڈر لگتا ہے۔''

بولتے بولتے ان کی آواز نم ہوگئی تھی۔ زارا شل سی کھڑی رہ گئی۔ اماں کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

''ہاں تو وہ معاملہ تو کب کا ختم ہو چکا۔''

شہر بانو کی ماں کی باتیں سن کر اماں جس قدر بے سکون ہوگئی تھیں۔ وہی باتیں من و عن سننے کے بعد ذکیہ پھوپھو اسی سکون سے بولیں۔ اماں انہیں دیکھ کر رہ گئیں جبکہ پھوپھو سمجھانے والے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''لڑکی کو دورے پڑتے تھے۔ چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکتی۔ کئی دفعہ تو خود اپنا سر پھاڑ بیٹھی۔ جب ہی تو ان لوگوں نے فارغ کر دیا۔ آپ کو اس لیے نہیں بتایا خواہ مخواہ پریشان ہوں گی۔ کیوں کہ یہ معاملہ ختم ہوئے بھی سال بھر ہو گیا ہے۔''

''پھر بھی ذکیہ.....'' اماں کا دل کسی طور مان نہیں رہا تھا۔

''چھوڑیں بھابی! آپ بھی کس کی باتوں میں آ گئیں۔ اپنی بیٹی اجڑ کر گھر آ بیٹھی۔ وہ کیا کسی کی بیٹی کا گھر بسنے پر خوش ہوں گی۔ وہ بھی اتنے شان دار گھرانے میں۔''

اماں نے اس بات کا ذکر گھر میں کسی اور سے کرنے کے بجائے پہلے پھوپھو سے بات کرنے کو ترجیح دی۔

''اور بھائی صاحب یا کومل سے اس بات کا ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ ان کا دل برا ہوگا۔ بس آپ مطمئن ہو کر شادی کی تیاریاں کریں۔'' اماں چپ سی ہو گئیں۔

☆☆☆

گھر میں خوب دھوم دھڑکا لگا تھا۔ منہاج کے گھر والوں نے بری پر پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ گھر والوں کے لیے قیمتی تحائف الگ۔

''دیکھ لیا بھابی! اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو وہ لوگ کیا اتنی فراخ دلی اور دھوم دھام سے ہماری کومل کو بیاہ کر لے جاتے؟'' پھوپھو نے اماں کا ہاتھ دبایا تو وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔

اسٹیج پر شان دار سے دولہا کے پہلو میں دلہن بنی کومل کو ہر نظر نے رشک سے دیکھا تھا۔

کومل رخصت ہو گئی تھی۔

گیندے کے پھولوں سے سجے برآمدے کے پلر سے ٹیک لگائے زارا رو دی۔

''اب بس بھی کرو یار! اور کتنا روؤ گی؟ کچھ آنسو اپنی رخصتی کے لیے بھی بچا کر رکھو۔''

سرمئی کام دار غرارہ پہنے، کلائیوں میں ڈھیر ساری کانچ کی چوڑیاں، بھیگی آنکھوں کا پھیلا پھیلا کاجل:..... شعیب نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔

''جانتی ہو، اماں صرف کومل کی رخصتی تک رکی ہوئی تھیں۔ اب تو میری جاب بھی ہو گئی ہے۔ اس لیے وہ بہت جلد ماموں سے تمہارے اور میرے رشتے بلکہ ڈائریکٹ شادی کی بات کریں گی۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟''

اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی دادی باہر آ گئیں۔

''کیا ہوا؟ کیا کہہ رہے ہو؟''

اس عمر میں بھی دادی کی سماعت قابل رشک تھی۔ زارا کو پورا یقین تھا انہوں نے ساری بات سن لی تھی۔

''کچھ نہیں نانی۔ میں تو بس اتنا کہہ رہا تھا کہ لوگوں نے آپ کو جتنا ستانا تھا ستا لیا۔ اب حساب چکانے کا وقت آ گیا ہے۔ آپ کے سارے بدلے میں گن گن کر لوں گا۔''

دادی منہ کھولے حیرت سے اس کا منہ تکنے لگیں۔ زارا بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

☆☆☆

لکڑی کے بھاری منقش دروازے کی چٹخنی چڑھا دی گئی تھی۔

عروسی لباس میں پور پور سجی کومل نے آنے والے کے بھاری قدموں کی چاپ اپنے دل پر پڑتی محسوس کی۔ مقابل اس کے عین سامنے کہنی کے بل ذرا سا نیم دراز ہوا۔

''گھونگھٹ اٹھاؤ۔'' بھاری تحکمانہ آواز ابھری۔

''سنا نہیں..... گھونگھٹ اٹھاؤ۔'' کومل نے آہستہ سے گھونگھٹ الٹ دیا، اس کی پلکیں لرز رہی تھیں۔

''آنکھیں اٹھا کر دیکھو اور اپنی قسمت پر رشک کرو کہ خدا نے کیسا شان دار مرد تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے۔''

کومل نے ذرا کی ذرا آنکھیں اٹھا کر اس مردانہ وجاہت کے شاہکار کو دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔ سامنے والے کے چہرے پر مغرور سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''لگتا ہے تمہیں اپنی دعاؤں کے قبول ہونے پر یقین نہیں آ رہا ہے کہ خدا بھی کبھی کسی کو یوں بھی نواز دیتا ہے۔ تم نے بھی تو ہر عام لڑکی کی طرح دعاؤں

میں میرے جیسے شان دار مرد کے ساتھ کی تمنا کی ہوگی۔نہیں؟''

''اتنا غرور.....اتنا فخر.....''

''کچھ بولو گی نہیں۔ یا اپنے خوابوں کے شہزادے کو اپنے سامنے مجسم دیکھ کر بولتی بند ہوگئی ہے۔'' گھمنڈی قہقہہ کومل کو اپنا مذاق اڑاتا محسوس ہوا۔ جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں بلا کا سکون اور ٹھہراؤ تھا۔

''میں نے کبھی خواب میں کسی شہزادے کے ساتھ کی تمنا نہیں کی۔ہاں خدا سے یہ دعا ضرور کرتی تھی کہ میری زندگی میں جو بھی شامل ہو وہ خود دار، غیرت مند، باکردار، عزت کرنے اور کروانے والا ہو۔اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

ویسے بھی خوب صورتی مرد کا وصف نہیں ہے۔ مرد کی تمام تر خوب صورتی اس کا کردار اور اس کا اخلاق ہوتا ہے۔جس لڑکی کو یہ نصیب ہوجائے وہ کسی شہزادے کے ساتھ کی تمنا نہیں کرتی۔''

''گستاخ.....بدزبان.....''

زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پر پڑا تھا۔ وہ الٹ کر پیچھے کو جا گری۔ وہ اس کے سامنے سے اٹھ گیا۔ غصے سے چکر کاٹتا..... جیسے کوئی بپھرا شیر..... کلائی سے پکڑ کر ایک زوردار جھٹکے سے کومل کو سیدھا کیا۔کومل کا دل جیسے خوف سے بند ہونے لگا۔

''برا.....بہت برا کیا ہے تم نے اپنے ساتھ۔ میں کم از کم تمہارے منہ سے یہ نہیں سننا چاہتا تھا۔اس سے تو اچھا تھا تم میرے چہرے پر تھوک دیتیں۔''

اس کے دونوں کندھوں کو آہنی گرفت میں لیے گویا اس کی جان لینے کے درپے تھا۔کومل سے اس کی خون رنگ آنکھوں میں دیکھا نہیں گیا۔ اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔تھر تھر کانپتی.....ظفر منہاج نے بے دردی سے اسے جھٹکے سے چھوڑ دیا تھا۔نازک کرسٹل کا شوپیس لمحوں میں چکنا چور ہوا تھا اور اس کی کرچیوں کو اپنے بھاری بوٹوں تلے روندتا وہ کہہ رہا تھا۔

''میری سوچ کے مخالف چلو گی تو کیسے نبھے گی؟ ہاں.....نبھ ہی نہیں سکتی۔ مجھے اپنی زندگی میں مزید چخ چخ نہیں چاہیے۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں..... طلاق دیتا ہوں.....طلاق دیتا ہوں.....''

باہر زور سے بجلی چمکی تھی اور کومل فاطمہ کی زندگی اندھیر ہوگئی۔

☆☆☆

نہ آسمان کا سینہ شق ہوا تھا نہ زمین پھٹی۔لیکن ایک قیامت آئی اور آ کر گزر بھی گئی۔

لٹی پٹی سفید لٹھے کی مانند چہرہ لیے کومل کو دیکھ کر اماں تو جیتے جی مر گئیں۔ابا کے کندھے جھک گئے اور دادی.....لحاف میں منہ چھپائے گویا ساری دنیا سے چھپ گئی تھیں۔

''یہ کیا ہوگیا تھا..... زہرہ خاتون کی پوتی کو طلاق.....وہ زہرہ خاتون جو.....جو.....''

جمیلہ آپا، حاجی صاحب کی بیگم اور بھی نجانے کون کون ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔تمسخر اڑاتا، ٹھٹھے لگاتا۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپالیا۔

آنکھیں بند کرلی تھیں۔کان کیسے بند کرتیں؟ بھانت بھانت کی آوازوں سے کیسے پیچھا چھڑاتیں۔

''بیٹا..... کچھ تو بولو..... کچھ تو کہو..... کیا ہوا تھا؟ کیسے ہوگیا یہ سب؟''

کومل چپ سے آئی تھی اس کے لبوں پر گہری چپ لگی ہوئی تھی۔اماں کا سینہ پھٹنے لگا تھا۔زارا لب کچلتی اپنی بے حد دردمند، پرخلوص سی بہن کو دیکھے گئی۔ جو اس وقت یوں ہارے ہوئے انداز میں بیٹھی تھی گویا اپنا سب کچھ لٹا کے بیٹھی ہو۔

''کومل.....کچھ تو کہو بیٹا۔''

''وہ نفسیاتی مریض تھا اماں..... جیسے کوئی پاگل.....'' منہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر وہ بری طرح رودی اور اماں.....اماں کو تو جیسے سکتہ ہوگیا۔

☆☆☆

ہمیشہ پاٹ دار آواز میں بولنے والی دادی کو

چپ لگ گئی تھی۔ سارا دن نم آنکھوں کو دوپٹے کے پلو سے پونچھتی اپنے کمرے میں بند گزار دیتیں۔

کیا بڑے بول یوں بھی منہ پر آ لگتے ہیں؟ ایک بڑا سا آئینہ کسی نے ان کے سامنے لا کر رکھ دیا تھا۔

''دادی! پلیز کچھ کھالیں، آپ نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔''

زارا کھانے کی ٹرے لیے ان کے سامنے آ بیٹھی۔ وہ ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھے گئیں۔ زارا کو ان پر بے پناہ ترس آیا۔ جھریوں زدہ چہرے پر پھسلتے آنسو۔

''میرا کیا میری کومل کے سامنے آیا ہے۔ وہ مجھے معاف کرے گی؟ میں خود کو کیسے معاف کر پاؤں گی؟''

زارا ان کے ضعیف لرزتے وجود کو بانہوں میں لیے آہستہ آہستہ تھپکنے لگی۔

☆☆☆

''ارے ایسے کیسے طلاق دے دی؟ کچھ تو ہوا ہوگا۔ وہ لوگ پاگل تھوڑی ہیں جو اتنی دھوم دھام سے بیاہ کر لے گئے اور راتوں رات طلاق دے کر واپس بھی بھیج دیا؟ نہ بھئی میں نہیں مانتی..... ایسے کون کسی کو طلاق دیتا ہے۔ غضب خدا کا، اسی نے کچھ کہا ہوگا۔ اگر وہ غصے میں تھا تو یہ چپ کر جاتی۔ الٹا سیدھا کچھ تو ایسا بولا ہوگا کہ میاں نے پہلی ہی رات طلاق منہ پر دے ماری۔ تو تکار کرنے کے لیے ساری عمر پڑی تھی، پہلی ہی رات زبان کے جوہر دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟'' پھوپھو کے واویلے جاری تھے۔

''بس..... بس کر دو ذکیہ! خبردار جو تم نے میری پوتی کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا تو..... کوئی قصور نہیں ہے میری بچی کا۔ ہماری کومل بالکل معصوم ہے، بے گناہ ہے۔''

دادی اپنے کمرے سے نکل کر غم و غصے سے بھری پھوپھو کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔

''میری بے گناہ پوتی پر الزام تراشی کرتے تمہیں ذرا شرم نہیں آئی۔ اپنا خون ہو کر اپنے خون کو گندا کر رہی ہو۔ کوئی قصور نہیں ہے کومل کا۔ وہ لوگ ہی بدبخت تھے۔ ظلم ڈھایا ہے ہماری بچی پر۔ خدا پوچھے گا انہیں۔'' گلوگیر لہجے میں بولتی اپنے تخت پر ڈھے سی گئیں۔

''پھر بھی اماں! یہ کوئی چھوٹی بات تو نہیں ہے۔ کومل کو کم از کم زارا کا ہی خیال کر لینا چاہیے تھا۔ کیسی کیسی باتیں نہ بنائیں گے لوگ اور کیا کومل کی طلاق کا اثر زارا کے رشتے پر نہیں ہوگا؟ آج کل تو لوگ ویسے بھی رشتہ کرتے وقت سو سو کیڑے نکال لاتے ہیں اور یہاں تو.....'' زارا سن سی بیٹھی رہ گئی۔ غیروں کے تازیانے ایک طرف، یہاں تو سگی پھوپھو نے یوں آنکھیں اور تیور بدلے تھے کہ.....

''تمہیں زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہماری بچیوں کے نصیب میں جو ہوگا وہ انہیں مل جائے گا۔'' دادی کو بیٹی کی سوچ اور باتوں نے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔

آج پھوپھو کا بولنا انہیں اتنا ناگوار لگ رہا تھا تو وہ خود جو ہر آئے گئے کے سامنے، اٹھتے بیٹھتے باآواز بلند شاہدہ کی طلاق اور اس کے قصور گنوانے بیٹھ جاتیں تو دیوار پار مکینوں کے دلوں پر کیسی کیسی قیامت نہ گزرتی ہوگی۔ اس کا احساس انہیں آج ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''تو شہر بانو کی ماں نے غلط نہیں کہا تھا۔ ذکیہ کی اس وقت دی گئی تسلیاں محض بہلاوا ثابت ہوئی تھیں۔ کتنی بڑی غلطی کر بیٹھی ہوں میں۔ کاش اماں جی یا مسعود صاحب سے ہی ذکر کر دیا ہوتا تو آج ہمارے گھر پر یوں قیامت نہ ٹوٹتی۔ کیوں بھروسا کر بیٹھی ذکیہ کی باتوں پر۔'' اماں کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔

اسی وقت جمیلہ آپا اور حاجی صاحب کی بیگم ایک ساتھ افسوس کرنے چلی آئیں۔ اماں ان کا سامنا کرنے سے کترا رہی تھیں۔ بعض دفعہ لوگوں کے سوالوں کے جواب دینا کس قدر مشکل لگتا ہے۔

دادی نے ان کی مشکل آسان کر دی۔ انہیں کسی کام سے اٹھا دیا اور خود تخت پر بیٹھ گئیں۔ ویسے

بھی خود کو کمرے میں بند کرنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی تھی۔

''کیسے ہوا یہ سب خالہ جی؟ میں نے تو جب سے سنا ہے یقین نہیں آرہا اپنے کانوں پر۔ ہماری کومل تو اتنی لکھی ہوئی بچی تھی لیکن ایک ہی رات میں طلاق.....''

دادی پھیکا سا مسکرائیں۔

''سب نصیب کے چکر ہیں۔ جس کے نصیب میں جو دکھ لکھا ہو، وہ اسے جھیلنا ہی پڑتا ہے۔ میں کچھ کہوں گی تو تم لوگوں کو یقین نہیں آئے گا۔ یقین آئے بھی تو کیسے، ہم کون سا کسی کے دکھوں کے پیچھے چھپی تلخ حقیقتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔''

ان کا حرف حرف شرمندگی میں ڈوبا ہوا تھا۔ جمیلہ آپا اور حاجی صاحب کی بیگم نے معنی خیز نظروں کا تبادلہ کیا۔ دادی کہہ رہی تھیں۔

''تصویر کا ایک ہی رخ دیکھ کر لمحوں میں فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ دوسرا رخ کیا ہے دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ لیکن وہ جو ہمارا اللہ ہے نا، وہ سب دکھا دیتا ہے جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں وہ بھی اور نہیں دیکھنا چاہتے وہ بھی۔''

دادی اپنی نم آنکھیں جھپک رہی تھیں۔ وقت نے انہیں کیسا سبق سکھا دیا تھا۔

☆☆☆

وقت کی سب سے اچھی خوبی یہ ہے کہ گزر جاتا ہے۔ اچھا، برا، بہت برا جیسا بھی ہو گزر ہی جاتا ہے۔ کسی ایک خوشی یا غم کے حصار میں مقید ہو کر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔ اسے معمول کی ڈگر پر لانا ہی پڑتا ہے ورنہ دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

''زارا..... یار! رکو تو..... میری بات سنو۔''

شعیب اپنی جاب کی شدید ترین مصروفیت کے باوجود بھی زارا کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ممانی کے گھر کا چکر لگا لیتا۔ جب سے کومل کی طلاق ہوئی تھی، گھر کا ماحول اور مکینوں کا رویہ بہت بدل گیا تھا۔ نانی اس سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتی تھیں۔ زارا الگ الگ کھنچی کھنچی سی تھی۔

اس دن وہ چھت سے سوکھے کپڑے اتارے نیچے اتر رہی تھی کہ شعیب نے راستہ روک لیا۔

''کیوں خفا ہو؟ کوئی غلطی ہو گئی ہے مجھ سے؟ میری کوئی بات بری لگی ہے۔''

یہ لہجہ، یہ انداز، زارا کی آنکھیں بے ساختہ بھیگنے لگی تھیں۔ وہ مضطرب سا اس کے سامنے مجسم سوال بنا کھڑا تھا۔

''پھوپھو کو پتا ہے تمہارے یہاں آنے کا؟''

''کیسا بے تکا سوال ہے۔ کیا مجھے یہاں آنے کے لیے کسی کو بتانے یا پوچھنے کی ضرورت ہے؟''

''پہلے نہیں تھی مگر اب.....''

''اب کیا ہوا ہے؟''

''اب تمہاری ماں کو تمہارے یہاں آنے پر اعتراض ہو گا۔''

''کیوں؟'' شعیب کو اس کی باتوں سے الجھن ہونے لگی۔

''کیونکہ اب تمہاری ماں ایسے لوگوں سے کوئی تعلق یا واسطہ نہیں رکھنا چاہتیں جن کی بڑی بیٹی کو شادی کی پہلی ہی رات طلاق ہو گئی ہو۔'' زارا پھٹ پڑی۔

''واٹ نان سینس۔''

''یہ نان سینس نہیں، آپ کی والدہ کے خیالات ہیں جن کا وہ برملا اظہار کر کے گئی ہیں۔''

شعیب نے لب بھینچ لیے تھے۔

☆☆☆

زارا کے علاوہ کوئی اور یہ بات کہتا تو وہ بالکل یقین نہ کرتا۔ لیکن وہ جانتا تھا زارا جھوٹ نہیں بولتی اور اب امی کی خاموشی.....

وہ تاسف سے انہیں دیکھے گیا۔

''تو آپ اس لیے اتنے دنوں سے ان کے ہاں جانے سے منع کر رہی تھیں۔ امی! مجھے کم از کم آپ سے اس قدر تنگ ذہنیت کی امید نہیں تھی۔ آپ

کو اندازہ بھی ہے، آپ کیا کر چکی ہیں۔"

"کہا تو ہے غلطی ہوگئی۔ اس وقت غصے میں تھی۔ سمجھ میں ہی نہیں آیا، الٹا سیدھا جو منہ میں آیا بول دیا۔" ان کا لہجہ خجالت اور شرمندگی لیے ہوئے تھا۔

"آپ کے اس رویے کی وجہ سے باقی سب تو ایک طرف، نانی کو کتنی تکلیف پہنچی ہوگی۔ جب ہی تو ان کی طبیعت....."

"کیا ہوا ہے اماں جی کی طبیعت کو.....؟" وہ ایک دم بے چین سی ہوگئیں۔ "بتاؤ نا شعیب..... کیا ہوا ہے اماں جی کو؟" وہ رونے والی ہوگئیں۔

"مجھے کیا پتا..... آپ کی ماں ہیں، آپ کو خبر ہونی چاہیے۔" خفگی سے کہتا وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ ذکیہ نے سرعت سے اسے پکارا۔

"اچھا رکو..... سنو تو..... آج شام کو چلیں ان کی طرف۔"

شعیب سر ہلاتا باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"مجھے معاف کردیں۔ میں نے آپ سب کا بہت دل دکھایا ہے۔"

دادی کے پیروں پر ماتھا ٹکائے وہ ندامت سے رو دیں۔ کل سے دادی کی طبیعت بہت خراب تھی۔ کچھ کھائے پیے بغیر نڈھال سی اپنے بستر پر پڑی تھیں۔ انہیں اس حالت میں دیکھ کر ذکیہ کا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔

"تمہارا قصور نہیں ہے۔ اپنا گریبان گرد سے اٹا ہوا ہو تو اپنے ہی کہے الفاظ یوں ہی منہ پر آ لگتے ہیں۔"

نقاہت سے بولتے دادی نے آنکھیں موند لی تھیں۔

"لوگوں کی باتوں، ان کے طعنوں نے مجھے خوف زدہ کردیا تھا۔ اس لیے بنا سوچے سمجھے اول فول بولتی چلی گئی۔"

"ہم لوگوں کی باتوں، ان کے طعنوں سے خوف کھاتے ہیں، کہیں وہ ہم پر انگلی نہ اٹھائیں لیکن اپنے طعنوں سے ان کے جگر چھلنی کرتے ذرا خوف خدا نہیں کرتے۔" دادی رونے لگ گئی تھیں۔

"مجھے معاف کردیں اماں! مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے۔ میری بھتیجیاں میرا خون ہیں۔ کیا میں نہیں جانتی ان کی شرافت اور کردار کو۔ جن کی ماں اتنی اعلا ظرف ہے کہ اس نے اس وقت بھی میرا پردہ رکھا جب وہ چاہتیں تو مجھے کٹہرے میں کھڑا کرکے چیخ چیخ کر جواب طلب کرتیں۔"

"پردہ..... کیسا پردہ؟"

ابا چونکے۔ دادی بھی سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگیں۔ ذکیہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"خدا سب کے پردے ڈھکے رکھے۔" اماں اس وقت بھی ٹال گئیں۔ ذکیہ دونوں بھتیجیوں کو گلے سے لگا کر چومنے لگیں۔

☆☆☆

شاہدہ باجی کا نکاح طے ہوگیا تھا۔ خدا کو ان کی بے گناہی اور معصومیت پر ترس آ گیا تھا۔ لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی جس نے ایک در بند کیا ہے وہ سو در کھولنے پر قادر ہے۔ شہر بانو کی ماں گھر میں رکھی نکاح کی سادہ سی تقریب میں شمولیت کا بلاوا دینے آئی تھیں، صرف قریبی احباب اور رشتہ داروں کو ہی مدعو کیا گیا۔

زارا نے دادی کا چہرہ دیکھا۔

احساس برتری جھلکتا لہجہ، وہی تفاخر..... وہی گھمنڈ.....

"اے بہن! ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے آگے۔ خدا کے واسطے ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ جب ایک بار نہیں سو بار جتا دیا کہ کوئی واسطہ نہیں رکھنا تم جیسے لوگوں سے پھر یہ دعوتے نامے کیوں؟" لیکن زارا کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ سامنے کا منظر اس کی نظر کا دھوکا نہیں بلکہ حقیقت تھا۔ دادی کہہ رہی تھیں۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ اپنی ہی بچی ہے۔ دعاؤں کی چھاؤں تلے رخصت کریں گے۔"

اور دادی نے جو کہا کر دکھایا۔ حاجی صاحب کی بیگم اور جمیلہ آپا کے ہاں بھی پیغام بھجوایا۔ چلتے چلتے غلط راستے کا ادراک جس موڑ پر بھی ہو جائے واپس قدم موڑ لینے میں ہی نجات ہے۔

☆☆☆

زارا عرصے بعد یوں دادی کے قدم سے قدم ملا کر پورے اعتماد کے ساتھ شہر بانو کے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ ادھر سے بھی پرتپاک استقبال ہوا۔

''بہت خوش قسمت ہیں آپ لوگ کہ خدا نے ایسی ہیرا صفت لڑکی آپ کے نصیب میں لکھ دی ہے۔ اپنے وجود سے آپ کے گھر کو جنت بنا دے گی۔ اس کی خدمت اور اطاعت گزاری کی میں تو کیا پورا محلہ گواہی دے گا۔''

شاہدہ کے سر پر ہاتھ رکھے دادی اس کی ہونے والی ساس نندوں سے کہہ رہی تھیں۔ سر جھکائے شاہدہ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ زارا نے نم آنکھوں سے مسکراتے زور سے ان کا ہاتھ دبایا۔

''خدا ہماری بچی کے نصیب اچھے کرے۔ اسے اپنے گھر میں ہنستا بستا اور آباد رکھے۔''

آج دادی کے لبوں سے صرف دعائیں نکل رہی تھیں۔

(اور میری کومل کو بھی) دادی نے چپکے سے سرگوشی کی تھی۔ انہیں لگا جیسے کائنات کے ہر ذرے نے زیر لب آمین کہا ہو۔

☆☆☆

خزاں رخصت ہو رہی تھی۔

بہار نے چپکے سے قدم رکھا تو درختوں کی ٹنڈ منڈ برہنہ شاخوں نے سرسبز پیراہن اوڑھ لیے۔ کینو کے سفید پھولوں پر زرد پروں والی تتلی رقص کرنے لگی تھی۔ کومل نے نظر بھر کر اس منظر کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے پودوں کو پانی سے نہلانے لگی۔

زارا کو وہ اس وقت آتی بہار کے پر امید اور پر مسرت منظر کا حصہ لگی تھی۔

وہ برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتی دادی کے کمرے کی طرف ہی جا رہی تھی کہ سامنے سے شعیب گنگناتا ہوا مسرور سے باہر نکلا۔

کل رات گھر کی سادہ سی تقریب میں ان دونوں کا نکاح کر دیا گیا تھا اور اب پھر دادی کی سربراہی میں ابا، پھوپھو اور اماں کی بند کمرہ میں میٹنگ جاری تھی۔ شعیب استحقاق سے بازو سینے پر لپیٹے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''تمہیں اپنے گھر میں سکون نہیں ملتا کیا؟'' اس کی نظروں سے گھبرا کر زارا کے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

''اب اپنے گھر تو کیا دنیا کے کسی کونے میں سکون نہیں ملتا۔'' وہ بے چارگی سے بولا۔

''دادی سے تمہاری شکایت لگانی پڑے گی۔'' زارا نے دھمکایا۔

''نانی کے حضور میں اپنی عرضی پہلے ہی پیش کر چکا ہوں اور وہ پچھلے ایک گھنٹے سے جس قدر سنجیدگی سے اس پر غور و خوض فرما رہی ہیں، قوی امکان ہے کہ فیصلہ میرے ہی حق میں ہوگا۔''

''کیسا فیصلہ؟'' زارا چونکی۔

''یہی کہ جہاں نکاح کا مقدس فریضہ انجام پا چکا ہے، وہاں ایک دو روز میں رخصتی بھی کر دیں۔ جو کار خیر ایک ڈیڑھ سال بعد انجام پانا ہے، وہ ایک دن بعد کیوں نہیں؟''

''کیا؟'' زارا چلائی۔

''حد ادب لڑکی۔ تمہیں یوں چیخنے چلانے کے بجائے اپنے مجازی خدا کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے۔''

زارا نے گھورتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن ادھر تو انداز اور تیور ہی آج بدلے ہوئے تھے۔ زارا کے رخسار تپ اٹھے۔ اس نے وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔

''یار سنو تو.....'' پیچھے سے شعیب کا جان دار قہقہہ گونجا تھا۔

☆☆

مکمل ناول

نعیمہ ناز سلطان

ہنستے ہنستے

کمرے میں نیم اندھیرا نہیں بلکہ مکمل اندھیرا تھا۔ لائٹ بند، پردے کھنچے ہوئے، بند دروازے کو اس نے آہستہ سے کھولا اور اسی احتیاط سے بند کرتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ دھیمے سروں میں غزل بج رہی تھی۔

''انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو، اس شہر میں جی کو لگانا کیا۔''

اس نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا، کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ دوپٹہ منہ پہ ڈالے ماہ وش ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہے سعدی کے بچے، تمہیں سکون نہیں ہے؟'' وہ بگڑ گئی۔ اپنے سوگ میں یہ دخل اندازی اسے ناگوار گزری تھی۔

''سکون کہاں، معاملہ ہی کچھ ایسا آن پڑا ہے۔ ساری نیندیں، چین، سکون سب غارت ہو گیا، آپ تو بس اپنا کمرہ اور کونا سنبھال کر بیٹھ گئی ہیں، فقط چھ ہفتے رہنے والی منگنی ٹوٹنے کا چھ دن سے سوگ منا رہی ہیں بھتیجے کی کوئی فکر ہی نہیں۔''

شہنشاہ جذبات بنا سعدی، بیڈ کے دوسرے کونے پہ ٹک گیا۔ کشن اس نے گود میں دبوچا ہوا تھا۔

''کیا ہوا؟'' ماہ وش اپنے بال سمیٹ کر کیچر لگانے لگی۔

''مما، بڑی پھپھو کے گھر جانے کا ارادہ کر رہی ہیں۔''

''تو تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔'' ماہ وش کو اس کی پریشانی سمجھ میں نہیں آئی۔

''خوش؟'' سعدی نے اپنی ذرا زیادہ پیاری اور ذرا کم عقل (اپنی دانست میں) پھپھو کو ایسی نظروں سے گھورا جو سوالیہ بھی تھیں۔

''اپنی پیاری بھابھی پلس میری مما ڈارلنگ کو آپ جانتی نہیں ہیں کیا؟ جو طور طریقے، سلیقہ مندی اور گھر گرہستی کا ہنر خود ان میں ہے۔ اس سے زیادہ بہو میں دیکھنا چاہتی ہیں اور بڑی پھپھو کا حال آپ کو اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔''

سعدی نے ایک سرد آہ بھری اور وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔ صفائی ستھرائی کے حوالے سے اگر ان کا گھر کسی پرائیویٹ مہنگے اسپتال کا نقشہ پیش کرتا تھا تو بڑی پھپھو کا گھر کسی سرکاری اسپتال سے کم نہ تھا، اسپتال بھی وہ جو کسی پس ماندہ گاؤں، دیہات میں ہو۔

سعدی کی مما ڈارلنگ کے گھر اور گرہستی سے توازن، طریقہ اور سلیقہ چھلکتا تھا جب کہ بڑی پھپھو کا گھر بدنظمی اور پھوہڑپن کا مرکب خاص تھا جہاں سلیقہ مندی کا ایسا ہی فقدان تھا جیسے اکثر مسلم ممالک میں ترقی، جمہوریت اور اظہار رائے کی آزادی کا۔ تو اب اگر امی جان نے وہاں جانے اور ایک آدھ ہفتہ رہنے کا فیصلہ کیا ہے تو سعدی کے حواسوں پہ لازمی یہ کسی بم دھماکے سے کم نہیں تھا۔

شروع سے ہی امی کا اپنی نند کے گھر جانا سال میں فقط ایک ہی بار ہوتا تھا کبھی۔ عید پر تو کبھی بقرعید پر، وہ بھی ایک آدھ دن سے زیادہ نہیں، جو مہمان داری اور خوش گپیوں میں یونہی گزر جاتا تھا۔

امی کو اپنے گھر اور گھر کے کاموں کی فکر رہتی تھی، لہٰذا چاہنے کے باوجود بھی وہ، نند کے گھر زیادہ نہیں جا سکیں جبکہ سعدی جو بچپن سے ہی کبھی امی اور زیادہ تر ابو کے ساتھ حیدر آباد سے کراچی مستقل یاترا میں مصروف و مگن رہا اور بڑے ہونے کے بعد جب پریشے عرف پری بھی سچ مچ پری جیسی کومل اور پیاری نکلی تو سعدی کا بے کہنا اور نافرمان دل اپنی جگہ سے نکل کر پری کے قدموں میں جا گرا۔

اگرچہ وہ بھولی بھالی اور معصوم سی پری سعدی کے دل کی اس حرکت سے انجان اور ناواقف تھی۔

اپنے شہد آگیں لہجے میں بے حد سادگی سے وہ بچپن کی طرح اب بھی اسے سعدی بھائی کہہ کر مخاطب کرتی اور اس کے قدموں میں پڑا سعدی کا بے چارہ سا دل جل کر کباب تو کبھی کوفتہ ہو جاتا۔ براہ راست اظہار کی ہمت و جرات تو سعدی نے بھی کبھی نہیں کی، بس اشاروں کنائیوں میں اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی کوشش کی جسے اپنے الھڑپن اور معصومیت میں وہ نیک بی بی سمجھی ہی نہیں۔ اب جب کہ اپنا گریجویشن مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ سعدی اپنے ابو کے میڈیکل اسٹور پہ ان کا ہاتھ بٹا رہا تھا بلکہ ان کا دست راست اور دست خاص بن چکا تھا تو ڈرتے ڈرتے اس نے اپنی درخواست، خواہش والدین کے حضور پیش کی۔

ابو کی تو بھانجی تھی انہیں پیاری تھی، وہ سن کر ہی خوش ہو گئے اور امی جان بھی کوئی ویمپ نہیں تھیں، اچھی خاصی بھلی مانس قسم کی خاتون تھیں۔

بس کبھی کبھار اس رائے کا اظہار کر دیتی تھیں کہ بہو ایسی ہو جو گھر داری کے طور طریقوں سے واقف ہو، طریقہ سلیقہ ہو۔ تو یہ کوئی انہونی بات تو نہیں تھی ہر ماں، خصوصاً جوان بیٹوں کی ماں، ایسے بے ضرر اور معصومانہ خواب دیکھتی ہی ہے۔

بیٹے کی فرمائش کے جواب میں امی نے فوراً ہاں کی نہ ہی ناں کی بلکہ اپنی رضا مندی کو ایک ہفتہ دس دن کے وزٹ سے مشروط کر دیا جو وہ نند کے گھر کا کرنے جا رہی تھیں۔ اس فیصلے سے سعدی کی جان نکل رہی تھی اور اپنی نکلتی جان سمیت چھوٹی اپو (پھپھو) کی خدمت میں حاضر ہو کر اب ان کی منتیں کر رہا تھا۔

''میں کیا کر سکتی ہوں سعدی؟'' وہ بے چاری خود اپنی منگنی ٹوٹنے کے غم میں نڈھال تھی۔ زچ ہو گئی بھتیجے کی آہ وزاری سے اس کا نازک سا دل پگھل رہا تھا۔''

''امی کے کراچی جانے سے پہلے آپ وہاں چلی جائیں۔''

''میں کیا کروں گی جا کر۔''

''آپ تو مما کا مزاج اور طور طریقے جانتی ہیں، اس بھلی بی بی کو کچھ سکھا دیجیے گا، کچھ لیپا پوتی کر دیں ان کے گھر کی، تاکہ مما مطمئن ہو کر واپس آئیں۔'' سعدی نے تجویز پیش کی۔

''سعدی، بے وقوفوں والی باتیں کر رہے ہو تم،

وہ سب کچھ جو بچپن سے بچوں کو سکھایا جاتا ہے۔ وہ دو چار دن میں کیسے سکھا سکتی ہوں میں؟ آپا تو بچوں میں گھر کر اپنی سدھ بدھ ہی کھو بیٹھی ہیں اور پری تو خود ابھی چھوٹی ہے، وہ کیا سیکھے گی؟''

''سیکھے گی، کیوں نہیں سیکھے گی، سیکھنا پڑے گا، کچھ تو کریں نا پھپھو۔'' جذباتی ہوتے ہوتے سعدی پھر تر لوں منتوں پہ اتر آیا۔

''جو دوسروں کا بھلا کرتا ہے۔ اللہ ان کا بھلا کرتا ہے۔'' پھپھو کو خاموش دیکھ کر سعدی چپ نہیں رہ سکا۔

''چلو پھر تیاری کرلو، چھوڑ آؤ مجھے۔'' پھپھو نے ایک سرد آہ بھری۔ چلو کسی کا تو بھلا ہو۔

☆☆☆

ماہ وش نے بھائی بھابھی کے سامنے بڑی آپا کے گھر جانے کا ذکر کیا تو بغیر کسی اعتراض اور ردوکد کے بخوشی اجازت مل گئی۔ وہ دونوں تو ویسے بھی چاہ رہے تھے کہ ماہ وش وہاں چلی جائے تاکہ دل بہل جائے اور دھیان اور توجہ بٹ جائے اور اس تازہ ترین سانحے کے دکھ کا کچھ مداوا ہو سکے۔

ماہ وش کو ٹرین کا سفر پسند تھا لہٰذا اس کی فرمائش پہ سعدی ٹرین کے ٹکٹ لے آیا۔ اگرچہ حیدرآباد سے کراچی کینٹ اسٹیشن تک کا سفر بہت طویل تو نہیں مگر ریل کے عمومی سفر کی مانند دلچسپ اور خوش گوار ضرور تھا۔ بھانت بھانت کے لوگ اور نت نئے مناظر کے ساتھ ساتھ کئی بار کے دیکھے بھالے مقامات اور مناظر ہر بار کی طرح سفر پر لطف بنا رہے تھے۔

برگر، جوس، چپس، چنا چاٹ، نمکو، بسکٹ، سعدی نے کھانے پینے کی چیزوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔

''اتنا کچھ لے آئے، کون کھائے گا؟'' ماہ وش نے بھتیجے کو گھورا۔

''جہاں جا رہے ہیں وہاں ایک لڑکی ہے ان سب چیزوں کی شوقین، آپ نہ کھائیں تو اسے دے دیجیے گا۔''

سعدی نے مزے سے بولتے ہوئے آنکھیں بند کیں اور اپنی کیپ سر سے کھسکا کر چہرے پہ کر کے سیٹ پہ نیم دراز ہو گیا۔

آپا کے گھر میں داخل ہوتے ہی صحن کا منظر کوئی نیا نہیں تھا۔ دونوں پلنگ بے ترتیبی سے رکھے بلکہ پڑے ہوئے تھے۔ دو کی جگہ تین موٹر سائیکلیں الگ الگ کھڑی تھیں۔ کیاریوں میں سوکھے پتوں کے ساتھ ساتھ چپس اور ٹافیوں کے ریپر پڑے ہوئے تھے۔ یہی ریپر صحن کے فرش پر بھی تھے اور کاغذ اور گتے کے ٹکڑے بھی، کچھ کاٹھ کباڑ بھی ایک کونے میں جمع تھا بکھری ہوئی چیزوں سے بچتے بچاتے جیسے ہی اندر پہنچے، دہلیز پہ پڑے اسٹیل کے ایک گلاس نے با آواز بلند ان کا استقبال کیا یعنی ان جانے میں ماہ وش کا پیر لگنے سے لڑھکا اور، ٹھن ٹھن بجتا ہوا دور تک چلا گیا اور اسی کے ساتھ ہی پری چہرہ پری اندر سے نمودار ہوئی۔

''ہائے اللہ، خالہ آپ؟'' فرط مسرت سے بولتے ہوئے وہ، ماہ وش کے گلے لگ گئی۔

''آپ کیسے ہیں سعدی بھائی؟'' خالہ سے خیر خیریت پوچھ کر اور بتائے بغیر اچانک آنے کا شکوہ کر کے اسے خیال آیا کہ خالہ کے ساتھ ایک وجود اور بھی کھڑا ہے۔

''تمہارے چار بھائی کافی نہیں ہیں جو دوسروں کو بھی بھائی بنائی رہتی ہو۔'' سعدی نے کڑے لہجے میں بولتے ہوئے ویسی ہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''دوسرے کون؟ آپ تو ہمارے اپنے ہیں۔''

سادگی سے کہتے ہوئے وہ اندر کی جانب بڑھی اور سعدی کا دل اچھل اچھل کر قلابازیاں کھانے لگا اور اس سے پہلے کہ دل کے ساتھ ساتھ اس کا ضمیر میں خود بھی شریک ہو جاتا، بڑی پھپھو آوازیں سن کر کمرے سے نکل آئیں۔ ملگجا سا جوڑا پہنے، سر پہ مہندی تھوپی ہوئی، مگر سوکھ چکی تھی۔ تب ہی بڑی بے تکلفی سے انہوں نے بہن اور بھانجے کو گلے لگا کر چٹاچٹ پیشانیاں چومیں، میکے میں باقی سب کی

خیر خیریت دریافت کی۔

''آنے سے پہلے ایک فون کر دیتے، بریانی پکا لیتی، ابھی تو کریلے قیمہ پک رہا ہے۔''

''کوئی بات نہیں، جو پک رہا ہے وہی کھالیں گے۔'' ماہ وش نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''بریانی شام میں کھالیں گے۔'' سعدی نے لقمہ دیا۔

''اے ہائے مگر کریلے تو سعدی کھاتا ہی نہیں۔'' بڑی پھپھو کو تشویش ہوئی، وہ یہاں کے اتنے چکر لگاتا تھا کہ اس کی پسند ناپسند سے وہ خوب واقف ہوگئی تھیں۔

''بے کار کے نخرے، کریلے تو اتنے فائدہ مند ہوتے ہیں، خون صاف کرتے ہیں۔'' ماہ وش نے بھتیجے کو دیکھتے ہوئے کریلے کے فوائد گنوائے۔

''ایسا کر پری! قیمہ بھونتے وقت کچھ قیمہ الگ نکال لینا منصور بھی کہاں کھاتا ہے کریلے۔'' معاً انہیں یاد آیا۔

''کہاں ہیں منصور چاچو؟'' ماہ وش کی نسبت سعدی، پھپھو کے سسرالیوں سے واقف بھی تھا اور بڑی حد تک بے تکلف بھی۔

''نوکری کے سلسلے میں ہی کہیں گیا ہوا ہے، چل پری! ان لوگوں کو کچھ ٹھنڈا بنا کے دے۔ میں ذرا نہا کر آتی ہوں۔'' آپا بیٹی کو ہدایات دیتی ہوئی غڑاپ سے کمرے میں گھس گئیں۔

''پھپھو! کولڈ ڈرنک پئیں گی یا شربت؟''

''کچھ بھی پلا دو۔'' ماہ وش نے فرصت سے پیر پھیلائے۔

''کولڈ ڈرنک تو ختم ہوگئی۔ منگوانا پڑے گی، سعدی بھائی، آپ لے آئیں گے؟''

پری نے سوالیہ نظریں سعدی کی طرف کیں، جو اس کے منہ سے بھائی کی تکرار سن کر حلق تک کڑوا ہوگیا تھا۔

''جی نہیں ہم۔ شربت پی لیں گے شربت بنا لو۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ روکھا ہوگیا۔

پری نے حیرت سے اسے دیکھا۔ جو زیادہ تر خوش گوار موڈ میں ہی رہتا تھا۔ کبھی کبھی نہ جانے کیا ہو جاتا تھا اسے، کندھے اچکا کر وہ کچن میں چلی آئی۔

☆☆☆

دن تو یونہی گزر گیا خوش گپیوں میں، آپا اور پری کے ساتھ کچن میں مصروف۔ رات میں بریانی اور چکن کڑاہی بنی تھی، پری نے فروٹ ٹرائفل بھی بنا لیا تھا۔ بڑا سا دسترخوان بچھا تھا۔ گھر کے سارے افراد رات کے کھانے پہ موجود تھے، ابو، چاچو، پری کے چاروں بھائی، یہ دو مہمان۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔

''اف اتنی گرمی میں چائے کون بے وقوف پیتا ہے؟'' ماہ وش کو تو چائے کا نام سن کر ہی پسینے آنے لگے۔

''آہستہ بولیں پھپھو!'' پری گھبرا سی گئی۔ ''چاچو اپنا کپ لینے یہیں آرہے تھے۔''

چاچو نے ٹرے سے ایک کپ اٹھایا اور کسی کو بھی بطور خاص مخاطب کیے بغیر سادہ سے لہجے میں گویا ہوئے۔

''کراچی کی آدھی سے زیادہ آبادی اس معاملے میں بھی بے وقوف ہے۔'' بول کر اور اپنا کپ اٹھا کر وہ چلتے بنے۔

''اف ف ف۔'' شرمندگی کے مارے ماہ وش کا برا حال تھا۔ صحیح کہتے ہیں بزرگ، زبان کو قابو میں رکھنا چاہیے۔ ضروری نہیں کہ جو کچھ خیال آئے اسے جھٹ سے باہر نکال دو۔

''ارے آپ اتنی شرمندہ کیوں ہو رہی ہیں، چاچو نے طنز نہیں کیا، وہ بس اسی طرح بولتے ہیں، مگر ناراض نہیں ہوتے نہ ہی غصہ کرتے ہیں۔''

پری اپنی خالہ کے تاسف اور شرمندگی کو مٹانے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

رات گئے جب سارے کاموں سے فرصت پا کر اور فارغ ہو کر آپا ماہ وش کے پاس آئیں۔ وہ پری

کے ساتھ اس کے کمرے میں تھی جہاں اس کے رہنے اور سونے کا بندوبست کیا گیا تھا۔

''ارے ماہ وش! تمہاری منگنی کیوں ختم کر دی افتخار بھائی نے، مجھے تو بتایا ہی نہیں اور کچھ پتا بھی نہیں چلا۔''

''آپا! لالچی لوگ تھے، وہ خاتون (ساس) جب بھی آتیں۔ جہیز کی باتیں کرتی رہتی تھیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کو یہ دیتے ہیں، وہ دیتے ہیں، پھر اپنی بیٹی کو دیے گئے سامان کی تفصیلات بتاتی رہتیں۔''

''لوگ تو کرتے ہی ہیں ایسی باتیں، ہم کون سا خالی ہاتھ رخصت کرتے تمہیں۔ سب ہی کچھ دیتے، تمہاری شادی کے لیے تو اللہ بخشے ابا میاں کئی لاکھ روپے بینک میں جمع کر گئے تھے۔'' انہیں منگنی ٹوٹنے کی یہ وجہ کچھ خاص نہیں لگی۔

''وہ دراصل پہلے تو اشاروں کنائیوں میں باتیں کرتی تھیں پھر ایک دن کھل کر کہہ دیا کہ سامان تو جو کچھ دیں گے۔ اپنی بیٹی کو دیں گے، داماد کو سلامی میں گاڑی ضرور دیں کیونکہ اس کے بڑے بھائی کو سسرال سے گاڑی ملی ہے تو اگر چھوٹے کو نہ ملی تو اس کا دل چھوٹا ہوگا یا ٹوٹ جائے گا۔'' ماہ وش نے مختصر الفاظ میں پوری کہانی سنا دی۔

''اے ہائے، یہ تو پھر لالچی ہی ہوئے۔'' آپا نے اپنا تکیہ کلام دہراتے ہوئے بہن سے اتفاق کیا۔

''اب؟ کہیں اور بات چلی؟'' انہیں فوراً ماہ وش کے مستقبل کی فکر ہوئی۔

''جہاں نصیب ہوگا، ہو جائے گی۔'' ماہ وش نے رسان سے بولتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

''گھر میں کلر کب کروایا؟ اچھا لگ رہا ہے، کچن بھی نیا ہو گیا بالکل۔''

''ایک دو مہینے تو ہوئے ہیں ابھی تک سامان بھی نہیں منگوایا پوری طرح سے اب آہستہ آہستہ ہی ہوگی سیٹنگ!''

''میں کروا دوں گی۔'' ماہ وش نے پیش کش کی، اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ آپا یہ سیٹنگ کرنے میں چار چھ ماہ تو نکال ہی دیں گی۔

''امی، مجھے بھی باتیں کرنے دیں، خالہ سے اتنے عرصے میں آئی ہیں۔'' پری نے تنگ آ کر دہائی دی۔

''اے ہائے، میں نے کیا منہ بند کیا ہوا ہے تمہارا، کر لو اپنی خالہ سے باتیں مجھے تو ویسے بھی نیند آ رہی ہے۔'' بولتے بولتے انہوں نے جمائی لی اور شب بخیر کہہ کر چلی گئیں۔

☆☆☆

کچن سے گرما گرم اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ اٹھ کر پیٹ کے دوڑتے چوہوں کو اور بھی تیز دوڑا رہی تھیں، پراٹھے اور انڈے تلنے کی خوشبو کباب کی چٹ پٹی مہک اور چائے کی سوندھی سوندھی سنہری خوشبو فضا میں پھیل پھیل کر ان سونے والوں کو بھی جگا رہی تھی جو گھوڑے بیچ کر اور مردوں سے شرطیں لگا کر سوئے تھے۔

سعدی تو خیر پہلے سے ہی اٹھا ہوا تھا، نہا دھو کر جینز شرٹ میں ملبوس، پرفیوم خود پہ اسپرے کر کے موبائل ہاتھ میں لے کر صوفے پہ بیٹھا تھا۔

''سعدی بھائی! امی بلا رہی ہیں، ناشتہ کر لیں۔'' موہنی سی پری نے آتے ہی جلدی جلدی اسے بلاوا دیا اور یکدم ٹھٹھک گئی۔

''کتنی پیاری خوشبو ہے۔'' اس نے چہرہ اوپر کر کے گہری سانس لی جیسے خوشبو کو اپنے اندر اتار رہی ہو۔

''کہیں جا رہے ہیں؟'' نک سک سے تیار سعدی کو اس نے بغور دیکھا۔

''ہاں، اپنی گرل فرینڈ سے ملنے جا رہا ہوں۔'' بھائی بھائی کی گردان سے سعدی بری طرح چڑ گیا تھا۔

''گرل فرینڈ آپ کی؟'' معصوم سی آنکھوں میں حیرت کے سائے سمٹ آئے۔

''کیوں، کیا کوئی لڑکی میری دوست نہیں ہو سکتی؟ کیا میں اندھا ہوں، لولا لنگڑا ہوں، کانا، بھینگا

ہوں یا بدمعاش ہوں لچا، لفنگا ہوں۔"

سعدی کا موڈ جانے کیوں خراب ہو رہا تھا۔ سن دو ہزار بیس کی پری، اٹھارہ سو بیس کی پروین بنی ہوئی تھی۔ وہ بھی سیدھی سادی، معصوم، بے خبر، سعدی کی بولتی آنکھوں سے اور دہائیاں دیتے دل سے انجان۔

"ہاں، ہو سکتی ہے مگر..... یہاں کون دوست بن گئی ہے آپ کی؟" پری کی اپنی جتنی بھی عقل تھی اس کے گھوڑے دوڑا رہی تھی اور دوڑتے دوڑتے، وہ گھوڑے یک دم رکے اور پری پرجوش ہو کر اتنی بلند آواز میں گویا ہوئی جسے یقیناً چیخ کا نام دیا جا سکتا ہے۔

"میں سمجھ گئی۔" اس کی چمکتی آنکھیں سعدی کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔

"آہستہ بولو، چیخ کیوں رہی ہو؟" سعدی نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔

"آپ نے لائبہ سے فرینڈ شپ کی ہے نا۔"

اس کے انکشاف پہ سعدی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"یہ کون ذات شریف ہیں؟"

"میری سہیلی، وہ جو ہمارے پڑوس میں رہتی ہے، روزانہ تو ہمارے گھر آتی ہے آپ نے دیکھا ہے نا اسے؟"

"اوہ، وہ اس سے کیوں دوستی کروں گا میں؟"

سعدی کا موڈ پھر خراب ہونے لگا، اس نے کئی بار پری کی اس سہیلی + پڑوسن کو دیکھا تھا، جس کی شکل ریما جیسی اور ادائیں اور نخرے میرا جیسے تھے اور جس کی زبان اور آنکھیں دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ جب وہ بولتی تو سامنے والے کے پاس سوائے سننے کے اور کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوتا تھا کیونکہ وہ بولتی تو بس بولتی ہی تھی نہ رکتی نہ سانس لیتی تھی۔

"وہ، آپ کی تعریفیں کر رہی تھی، کہہ رہی تھی تمہارے سعدی بھائی بڑے ہینڈسم اور کول ہیں۔"

"اچھا اور کیا کہہ رہی تھی؟" سعدی نے اپنے نام کے ساتھ لگا بھائی اپنے دانتوں تلے چبایا۔

"اور..... اور کہہ رہی تھی کہ تمہارے کزن اتنی جلدی جلدی یہاں آتے ہیں جیسے حیدرآباد کے بجائے برابر والی گلی میں رہتے ہوں۔"

"لو جی، باغ کا پتا پتا بوٹا بوٹا صورت حال بھانپ گیا۔ بس ایک گل ہی ہے جو اپنی معصوم آنکھیں پٹ پٹا کر دیکھتا تو ہے مگر سمجھتا کچھ نہیں۔"

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"پتا نہیں کیا کہا تھا، بھول گئی۔" پری نے پھر وہی اپنی خوب صورت آنکھیں پٹ پٹائیں۔

"پتا نہیں، تم اتنی بے وقوف کیوں ہو پری۔"

بے چارے سعدی کو خود اپنے اوپر ترس آنے لگا۔

"جی نہیں، میں کیوں ہوتی بے وقوف، انٹر کیا ہے میں نے، آگے بھی پڑھ رہی ہوں، مہندی لگانے کا کورس کیا ہے، اتنی پیاری مہندی لگاتی ہوں، گھر کے کام کرواتی ہوں امی کے ساتھ اور اب سلائی بھی سیکھ رہی ہوں۔"

پری کو اپنی یہ تعریف کچھ بھائی نہیں، جلدی جلدی وہ سب گنوایا جو اس کی دانست میں بے وقوف لوگ ہرگز نہیں کرتے یا نہیں کر سکتے۔

"بے وقوف ہو تب ہی تو یہ سب کرتی ہو، ذرا عقل ہوتی تو میری فیلنگز سمجھتیں، میرے دل کا حال جانتیں، میری آنکھوں میں دیکھو، تمہیں کیا نظر آتا ہے؟"

سعدی یکا یک جذباتی ہو گیا، اب چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے آج وہ اپنے دل کا حال بیان کر کے ہی رہے گا، اپنی بے پناہ اور شدید محبت کا اظہار اس لڑکی سے کر کے ہی رہے گا۔

"جی؟" پری کی معصوم آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چہرے کے تاثرات ویسے ہی ہو گئے جو ابھی سعدی نے اسے خطاب دیا تھا، یعنی ذرا بے وقوفانہ سے۔

"پری! میں تم سے..... میں تم سے..... بہت، بہت اور..... بہت۔" سعدی نے تھوک نگل کے اپنی ساری ہمت مجتمع کی۔ "میں تم سے۔"

"ائے ہائے سعدی کو بلانے آئی تھی، یہیں

چپک گئی۔ چل جلدی سے جا کر دستر خوان لگا، وہ بے چاری ماہ وش اکیلی لگی ہوئی ہے۔"

پھپھو نے یقیناً بالکل غلط وقت پہ انٹری دی تھی، اس وقت سعدی کو اپنی پیاری، عزیز از جان پھپھو کسی ویمپ سے کم نہیں لگی تھیں۔

"چلو سعدی، تم بھی ناشتہ کرو جا کر۔" وہ بولتے بولتے رکیں۔

"کہیں جا رہے ہو کیا؟" اس کی تیاری اور پرفیوم کی خوشبو ان کی آنکھوں اور ناک تک پہنچ گئی تھی۔

"امی! سعدی بھائی نا، اپنی گرل فرینڈ سے ملنے جائیں گے۔" جاتی ہوئی پری نے پلٹ کر بھانڈا پھوڑا تھا۔

"خدا ایسا کم عقل محبوب کسی کو نہ دے۔" پھپھو کی ایک زوردار "ہائیں" اور خود پہ جمی سوالیہ + بے یقین نگاہیں، سعدی کو مجبور کر رہی تھیں کہ وہ فٹافٹ بھاگ کر دستر خوان پہ پہنچ جائے اور اس نے فوراً یہی کیا۔

☆☆☆

ناشتے سے سب باری باری فیض یاب ہوئے۔ چھٹی کا دن تھا۔ ابو کو نوکری پہ نہیں جانا تھا، دو لڑکیوں کو کمپنی سے اور باقی دو کو کالج سے نجات ملی ہوئی تھی۔ لہٰذا سب کے سب بیشتر عظیم پاکستانیوں کی طرح آدھے دن تک بستر پہ پڑے اینڈتے رہے۔

پھپھو عادت کے مطابق صبح اٹھ کر کچن میں گھس گئیں، منصور کو ناشتہ کر کے اپنے کسی کام سے کہیں جانا تھا، ماہ وش اپنی سحر خیزی کی عادت کی وجہ سے جلدی اٹھ گئی تھی اور کچن میں اپنی آپا کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ منصور ناشتہ کر کے چلے گئے۔ دونوں بہنوں نے سعدی اور پری کے ساتھ ناشتہ کیا، سنی البتہ آج جلدی اٹھ گیا تھا۔ آج اس کی ٹیم کا میچ تھا۔ ناشتہ کر کے وہ صاحب بھی چل دیے۔ پری صفائی میں لگ گئی، پھپھو کچھ دیر آرام کی غرض سے کمرے میں بیٹھ گئیں، ابھی ان کے شوہر نام دار اور باقی تینوں بیٹوں کو اٹھنا اور ناشتا کرنا تھا۔

سعدی خجل خوار سا کچھ دیر موبائل میں لگا رہا، کچھ دیر صفائی ستھرائی کرتی اور بکھری چیزیں سمیٹتی پری کو گھورتا رہا، جس کی وجہ سے آج پھپھو کی نظروں میں اس کی عزت دو کوڑی کی ہو گئی ہو گی۔ (اس کے خیال میں)

"بات سنو۔" سعدی سے بالآخر صبر نہیں ہوا۔ وہ پری کے سر پر جا پہنچا۔

"جی سعدی بھائی؟"

"اف ف ف....." اس کا سچ مچ دل چاہ رہا تھا کہ اپنے سر کے بال نوچ لے۔

"تمہارے چار عدد بھائی کافی نہیں ہیں جو مجھے بھی بھائی بھائی کرتی رہتی ہو۔ میں ہرگز ہرگز تمہارا بھائی نہیں ہوں۔" دانت کچکچا کے وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"تو پھر؟" پری کی جادوگر آنکھیں سعدی پہ مرکوز تھیں جن میں معصومیت بھری لاعلمی تھی۔

"میں، میں تمہیں۔"

"ارے بھئی کہاں ہیں تمہاری امی، ناشتہ واشتہ ملے گا۔" اپنی نیند بھری آنکھیں مسلتے ہوئے ابو جان وارد ہو گئے اور آتے ہی صوفے پہ ڈھیر ہو گئے، سعدی نے ان کی بڑی بڑی سلطان راہی ٹائپ مونچھوں کو دیکھا، ویسی ہی توند اور ڈیل ڈول۔

"سارے ولن میری ہی قسمت میں رہ گئے۔" سعدی نے ایک سرد آہ بھری۔ پری، امی کو بلانے چلی گئی، ابو جان اپنی بڑی بڑی مونچھوں اور ویسی ہی بڑی بڑی سرخ آنکھوں سمیت سعدی کی طرف متوجہ ہوئے۔

"برخوردار! ناشتہ واشتہ کیا تم نے؟"

"جی کر لیا۔" وہ مرے مرے لہجے میں گویا ہوا، اپنے بچپن ہی سے وہ ان سے ڈرتا تھا، اب بھی ان کے سامنے سعدی کی جان نکلنے لگتی تھی، حالانکہ وہ صرف دیکھنے میں بارعب اور سننے میں گھن گرج والی آواز کے مالک تھے بہت شفیق اور مہربان تھے پھر بھی

سعدی اب تک ان سے خائف رہتا تھا شاید بچپن کے اثرات اور تاثرات ابھی تک باقی تھے۔

''پیٹ بھر کے کھایا یا بس ایسے ہی ٹونگ لیا؟''

ابو جان نے جمائی لی اور منہ پہ ہاتھ رکھا۔

''جی، پیٹ بھر کے کھایا ہے۔''

''اور، تمہارے پاپا کا بزنس کیسا چل رہا ہے، سنا ہے تم بھی ان کے ساتھ کام کر رہے ہو؟''

''جی، میں بھی ان کے ساتھ کام کر رہا ہوں، سب کچھ اچھا چل رہا ہے۔'' سعدی کے چہرے پہ خود اعتمادی اور فخر کی چمک آ گئی۔

''ہوں..... شاباش۔'' انہوں نے سامنے سے آتی زوجہ محترمہ کو دیکھا۔

''ارے بھئی، کہاں ہو؟ کب سے جاگے ہوئے ہیں، ناشتے کا کچھ اتا پتا ہی نہیں۔''

''کب سے جاگے ہوئے ہیں راجا صاحب؟ ابھی ابھی تو آئے ہیں۔ اٹھ کر منہ تک نہیں دھویا، جائیں ہاتھ منہ دھوئیں۔ میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔'' امی بولتی ہوئی کچن کی جانب بڑھیں۔

سعدی خاموشی سے کھسک گیا۔ کل اسے واپس جانا تھا فقط چوبیس گھنٹے تھے اس کے پاس، محبت تو نہ جانے کیسے خود بخود ہو جاتی ہے، بہت آرام سے، آسانی سے اور خاموشی سے مگر یہ کم بخت اظہار محبت، ہڈی بن کر حلق میں اٹک جاتا ہے۔ قیس کے لیے صحرا کی خاک چھاننا اور فرہاد کے لیے دودھ کی نہر نکالنا اتنا مشکل نہ رہا ہو گا جتنا کہ سعدی کے لیے اپنی محبت کا اظہار کرنا۔

اپنے خیالات بلکہ افکار میں غلطاں و پیچاں وہ ماہ وش کے پاس جا پہنچا۔

''تم کیوں منہ لٹکائے پھر رہے ہو؟'' ماہ وش نے اس کی شکل پہ بارہ بجتے دیکھے تو پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

''یہ آپ کی بھانجی تو نہ جانے کس دنیا میں رہتی ہے، بالکل ہی ڈفر ہے، اک دم بے وقوف۔'' انتہائی ٹھنڈا اور متحمل مزاج سعدی کا مزاج اب برہم ہونے لگا تھا۔

''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، پری کی یہی صفات تمہارے نزدیک سادگی، بھول پن اور معصومیت کہلاتی تھیں۔ آج وہ بے وقوف اور ڈفر ہو گئی، بھلا کیوں؟''

''آپ نہیں سمجھیں گی، میں کس آگ میں جل رہا ہوں۔'' سعدی نے دردناک انداز میں ڈائیلاگ مارا۔

''ہا..... یہاں تو ہر کوئی اپنی اپنی ان دیکھی آگ میں جل رہا ہے۔'' ماہ وش نے آہ بھری، ٹوٹی ہوئی منگنی کا غم اک بار پھر تازہ ہونے لگا۔

''اے ہائے، کیا ہوا، کہاں آگ لگ گئی؟''

اندر آتی ہوئی آپا کی سماعتوں نے آگ لگنے کی باتیں سنیں تو فوراً فکر مند ہو کر سوال کیا۔

''کہیں نہیں آپا، پرانی خبر یاد آ گئی تھی۔''

''اچھا، اچھا۔'' وہ اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالتی بیڈ پہ ٹک گئیں۔

''بھائی جان کو ناشتہ دے دیا؟'' ان کے اتنی جلدی واپس آنے پہ ماہ وش کو حیرت ہوئی۔

''حلوہ پوری کا موڈ ہو رہا ہے راجا صاحب کا، اب کوئی بچہ اٹھے گا تو لا دے گا ورنہ خود لے آئیں گے۔'' آپا نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا ان کے فیورٹ ڈرامے کی قسط ریپیٹ ٹیلی کاسٹ ہو رہی تھی، آواز سن کر پری بھی آ گئی۔

''امی! آپ نے کہا تھا کہ آج مشین لگائیں گی؟'' اس نے ماں کو یاد دلایا۔

''اے ہائے، میں تو بھول ہی گئی، مشین لگانی تھی، کپڑوں کا ڈھیر جمع ہو گیا ہے۔'' آپا نے اپنے ماتھے پہ ہاتھ مار کر تاسف کا اظہار کیا۔

''اچھا یہ ڈرامہ دیکھ لوں، پھر لگاتی ہوں'' وہ پھر سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''ہائے ارطغرل غازی آ رہا ہے۔'' پری کی آنکھوں میں اشتیاق کی چمک آئی۔ وہ بھی ماں کے ساتھ ہی پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔

''آپا، رات کو تو دیکھا تھا ڈرامہ، اب جو کام کرنا ہے۔ وہ کرلیں میں بھی ہیلپ کروادوں گی، لگالیں مشین۔''

ماہ وش نے اپنی ذرا لاپروا اور تھوڑی بے فکری سی آپا جان کو ذرا زیادہ کوفت سے دیکھنے کی کوشش کی مگر مروت آڑے آ گئی اور کوفت کی جگہ بے بسی نے لے لی۔

''ارے تم بھی دیکھو نا ماہ وش! اتنا اچھا، اتنا زبردست ڈرامہ ہے۔'' آپا نے اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر بلکہ پلکیں بھی جھپکائے بغیر بہن کو بھی پیش کش کی۔

''آپا، کتنا ہی زبردست ڈرامہ ہو، میں ایک ہی بار دیکھتی ہوں۔'' ماہ وش اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو پری! ہم دونوں مشین لگالیتے ہیں۔''

''ارے نہیں، تم کیوں کرو گی یہ کام، یہ تمہارا کام نہیں ہے، ایک تو اتنے عرصے بعد آئی ہو اور آتے ہی کاموں میں لگ کر خود کو تھکا رہی ہو۔'' آپا جان نے بالآخر اسکرین سے نظریں ہٹالیں، ویسے بھی کمرشلز آ رہے تھے۔

''جاؤ پری! تم کپڑے اکٹھے کرو، میں ابھی آ رہی ہوں اور خالہ سے نہ کروانا کام۔'' انہوں نے بیٹی کو ہدایت دے کر پھر رخ مبارک اسکرین کی طرف کیا۔

''کپڑے کہاں سے اکٹھے کرنے ہیں؟'' ماہ وش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے پری سے استفسار کیا۔

''کمروں سے، باتھ رومز سے اور اسٹور سے۔'' پری نے چلتے چلتے سوال کا جواب دیا۔

اب وہ باری باری مختلف کمروں میں جا رہی تھی باتھ رومز اور اسٹور میں سب جگہ سے میلے کپڑوں کا ڈھیر لا کر اس نے صحن میں ڈھیر کر دیا۔

''میلے کپڑے رکھنے کی کوئی پراپر جگہ نہیں ہے؟''

''امی نے تو سب سے کہا ہوا ہے کہ کپڑے اتار کر مشین میں ڈال دیا کریں۔ کوئی سنتا ہی نہیں۔ لڑکے کہاں عمل کرتے ہیں ان سب باتوں پہ۔'' وہ اپنی امی کا فرمان ماہ وش کے آگے دہرا رہی تھی۔

''کیوں نہیں کرتے عمل، سعدی کی تو مجال نہیں اس طرح اپنے میلے کپڑے کہیں بھی ڈال دے۔ لڑکوں کو بھی تمیز تہذیب سکھائی جاتی ہے، سکھائی جانی چاہیے۔'' بولتے بولتے ماہ وش کی آواز اونچی اور لہجہ تیز ہو گیا۔

''پری بیٹا! میرے بھی کچھ کپڑے ہوں گے کمرے میں، لے لینا۔'' منصور چاچو نہ جانے کب، کہاں سے ٹپک پڑے تھے، ماہ وش کو تو خبر ہی نہ ہوئی، بس اپنی آواز، انداز اور الفاظ پہ وہ خفیف سی ہو گئی۔

''لے لیے تھے چاچو۔'' پری واشنگ مشین میں پانی بھر رہی تھی۔

''جب تک پانی بھر رہا ہے، تم کپڑے الگ الگ کرو۔'' چاچو کے اندر جانے کے بعد ماہ وش نے پری کو مخاطب کیا۔

''کیا مطلب؟'' پری نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔

''ارے بھئی، سارے سفید کپڑے الگ کر دو۔ ہلکے رنگوں کے علیحدہ اور گہرے رنگوں کے الگ۔'' ماہ وش نے صابن اور سرف پانی میں ڈالا۔

''جی اچھا۔'' پری نے فرماں برداری سے اس کی ہدایات پہ عمل کیا، اتنے میں آپا آ گئیں۔

''اے ہائے ماہ وش، تم کس بکھیڑے میں پڑ رہی ہو، جاؤ اندر، پری یہ سب کپڑے سمیٹو، ذرا بچوں کے ناشتے پانی سے فارغ ہو جاؤں پھر میں دھولوں گی۔'' آپا نے آتے ہی نادر شاہی فرمان جاری کیا۔

''فرصت تو آپ کو رات تک بھی نہیں ملنی، سب کے ناشتوں سے فارغ ہوں گی تو دوپہر کا کھانا پکانے میں لگ جائیں گی، اس پکانے، کھانے میں ہی شام ہو جائے گی، کس وقت لگائیں گی؟'' ماہ وش کے سوال پہ وہ بالکل بھی متردد نہ ہوئیں۔

''بعد میں دیکھا جائے گا۔'' ان کا اطمینان اور

بے فکری قابل دید تھے۔

''امی! تھوڑے سے تو کپڑے ہیں ابھی دھل جائیں گے۔ اب مشین میں پانی بھی بھر لیا ہے سرف صابن بھی ڈال دیا ہے۔'' پری نے مداخلت کی۔

''اے ہائے۔ میری بہن مہمان ہے۔ یہاں آتے ہی کام میں لگ گئی۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔''

''میں اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتی ہوں آپا! مہمان تھوڑی ہوں یہاں۔ آپ بے کار کی باتیں نہ سوچیں۔'' ماہ وش نے خوش خلقی سے کہا۔ قریب آتے منصور چاچو نے چونک کر اسے دیکھا اور اگلے ہی لمحے سر جھٹک کر پری کی طرف متوجہ ہوئے۔

''پری بیٹا! میری ایک شرٹ رہ گئی تھی، یہ بھی لے لو۔'' انہوں نے اپنی چیک کی شرٹ پری کی طرف بڑھائی۔

''ارے تم آ گئے؟ کیا بنا تمہارے کام کا؟'' امی اپنے دیور کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''بس بھابھی! بن ہی جائے گا کچھ نہ کچھ۔ امید تو ہے، بھائی جان اٹھ گئے؟'' وہ اندر کی طرف بڑھے۔

''ہاں، اٹھ گئے ہیں۔ حلوہ پوری کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔'' امی ان کے پیچھے پیچھے چلیں۔

''میں لا دیتا ہوں۔'' چلتے چلتے ان کے قدم رکے۔

''ابھی میں سنی کو اٹھاتی ہوں، وہ لے آئے گا۔ تم کہاں بے کار گرمی میں پریشان ہوتے پھرو گے۔''

''یہ منصور چاچو کتنے بدل گئے ہیں۔ پہلے تو اتنے سنجیدہ اور کم گو نہیں ہوتے تھے۔ بہت ہنسی مذاق کرتے تھے۔'' مشین میں کپڑے ڈالتے ہوئے ماہ وش نے یونہی تبصرہ کیا۔

''ہاں بس۔ جب سے چاچو کی منگنی ٹوٹی ہے نا، تب سے ایسے ہی چپ چپ سے ہو گئے ہیں۔ اب تو ہم لوگوں سے بھی ہنسی مذاق بہت کم کر دیا ہے۔ ورنہ پہلے تو اتنا بولتے تھے۔ اتنا ہنساتے تھے۔ کیا بتاؤں۔'' پری شروع ہو گئی۔

''منگنی ختم ہو گئی؟'' ماہ وش نے تعجب سے دہرایا۔ ''آپا تو بتا رہی تھیں کہ شاید چار چھ ماہ بعد شادی تھی ان کی۔''

''ہاں نا، شادی کی تیاریاں تو کر رہے تھے ہم لوگ۔ میں نے تو اپنے سارے ڈریسز بھی سلیکٹ کر لیے تھے۔ بس اچانک ہی ایک دن چاچو نے کہا کہ وہ منگنی ختم کر رہے ہیں۔ بس پھر۔''

''مگر کیوں ختم کر دیا رشتہ؟'' مشین میں کپڑے ابھی گھوم رہے تھے۔ دونوں امرود کے درخت تلے پلنگ پر آرام سے بیٹھی تھیں۔

''وہ دراصل .....'' پری نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ منصور چاچو باہر آتے دکھائی دیے۔

''پری! بھابھی بلا رہی ہیں تمہیں۔'' پری کو آپا کا پیغام دیتے ہوئے وہ گیٹ کی جانب بڑھے۔

''گیٹ بند کر لو، میں جا رہا ہوں۔''

''خالہ پلیز، ذرا گیٹ بند کر لیں۔ میں امی سے پوچھ کر آتی ہوں، کیا کہہ رہی ہیں۔'' پری نے ماہ وش سے کہتے ہوئے اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

منصور چاچو گیٹ کے قریب کھڑی اپنی بائیک اسٹارٹ کر رہے تھے، ماہ وش انتظار میں کھڑی تھی کہ وہ جائیں تو گیٹ بند کر لے۔

''آپ چھاؤں میں کھڑی ہو جائیں۔ یہ بائیک ذرا دیر میں اسٹارٹ ہوتی ہے۔ اتنی دیر ناحق دھوپ میں کھڑی رہیں گی۔''

انہوں نے ماہ وش کو مخاطب کر کے کہا۔ اور بائیک کو کک لگانا شروع کی۔ ماہ وش ان کی ہدایت کے مطابق چھاؤں میں کھڑی ہو گئی۔ اور اچھا ہی کیا۔ یکے بعد دیگرے کئی بار کوششوں کے بعد وہ بائیک اسٹارٹ ہوئی تھی۔

ماہ وش گیٹ بند کر کے واپس آ کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''کتنا عجیب معاملہ ہوتا ہے۔ انسان خوشی خوشی رشتے جوڑتا ہے پھر کسی بھی بات پر وہ ہنسی خوشی جوڑے گئے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں اور اس خاتمے کی

وجوہات کتنی ہی حقیقی اور منطقی کیوں نہ ہوں۔ دل کو تکلیف تو پہنچتی ہے۔ پتا نہیں کیوں ہوتا ہے یہ سب؟''

☆☆☆

حبس اور گرمی کے بعد یکا یک ہی گھٹا چھائی تھی۔ ہوا چل پڑی تھی۔ موسم خوش گوار ہو گیا تھا۔ گرم موسم اور اس سے زیادہ وقت بے وقت کی لوڈ شیڈنگ کے ستائے عوام کے مرجھائے ہوئے چہرے کھل اٹھے تھے۔ البتہ سعدی کا مایوس اور بے چارہ چہرہ اب بھی کملایا ہوا تھا۔

آج رات روانگی تھی اور حال دل تھا کہ ابھی تک دل میں ہی قید تھا۔ اس قیدی کو رہائی ملے تو کیونکر، گھر کی بے تحاشا آبادی، وطن عزیز جیسی، اس ہجوم میں بڑی دقت اور مشکلات کے بعد تو کچھ پل ملتے تھے کہ وہ اکیلے پری سے دو بدو بات کر سکتا اور یہ چند لمحات بس پلک جھپکنے میں یوں گزر جاتے کہ اپنی آدھی ادھوری بات کے جواب میں پری کو پلکیں جھپکتا ہی دیکھتا رہ جاتا، نہیں بلکہ اس بار تو پری نے ایک سوال بھی کیا تھا۔

''آپ اتنے پریشان کیوں ہیں سعدی بھائی؟''

اور پھر سعدی کے موڈ اور چہرے کا فیوز اتنی بری طرح تاریک ہوا کہ وہ احتجاجاً وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔

''پھپھو جانی۔'' سعدی، سیدھا اپنی غم گسار، جان نثار چھوٹی اپو کے پاس پہنچا، جو نہانے کے بعد اپنی دراز زلفیں سنوار ہی تھیں بلکہ سنوارنے کی باری تو بعد میں آتی ابھی تو وہ گیلے بالوں میں برش کر کے انہیں سلجھا رہی تھیں۔ سوکھنے کے بعد یہی زلفیں ایسے پیچ و خم اختیار کر لیتیں۔ جیسے ملکی مسائل، پھر انہیں سلجھانا ناممکن ہی تھا تاوقتیکہ ان میں ڈھیروں ڈھیر تیل نہ لگایا جائے۔

''کیا ہوا؟'' بھتیجے کی دردناک پکار پر ماہ وش نے توجہ کی۔

''یہ پوچھیں، کیا نہیں ہوا۔'' بیڈ پر آڑا ترچھا سا وہ گر گیا۔

''چلو پھر یہی بتا دو، کیا نہیں ہوا۔'' پھپھو جانی نے اپنی لٹ سلجھاتے ہوئے سوال کیا۔

''یہ جو آپ کی بھانجی ہے نا، اللہ میاں کی گائے بھی نہیں ہے۔ کیونکہ گائے بھینسوں میں بھی تھوڑی بہت سمجھ اور عقل ہوتی ہے۔ یہ تو بالکل ہی عقل سے پیدل ہے۔ ایک تو اتنی مشکل سے موقع ملتا ہے کچھ کہنے کا۔ اس سے بھی زیادہ مشکل سے اپنی ہمت اور جرأت اکٹھی کر کے کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ محترمہ کچھ سمجھنے کے بجائے الٹا سوال پر سوال کیے جاتی ہیں۔'' وہ یونہی لیٹا لیٹا اپنی دکھ بھری کہانی سنا رہا تھا۔

''حیرت کی بات ہے، آئی لو یو کا مطلب تو بچہ بچہ جانتا ہے۔ پھر؟''

''آئی لو یو۔ کہنے کی تو ابھی تک نوبت ہی نہیں آئی۔'' سعدی کا منہ کچھ اور لٹک گیا۔

''تو پھر؟ کیا کہنے کی کوشش کر رہے ہو تم؟'' وش نے بھنویں سکیڑ کر دیکھا۔

''میں اپنی فیلنگز بتانا چاہتا ہوں، اس کی فیلنگز جاننا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے پسند کرتی ہے یا نہیں۔ زندگی کے سفر میں میرے ساتھ ہم قدم ہونا چاہتی ہے یا نہیں۔''

سعدی کے بھاری بھرکم ڈائیلاگز پر اس نے ایک گہری سانس لی۔

''اچھی بھلی شکل و صورت ہے تمہاری، ہائیٹ بھی ٹھیک ہی ہے نہ گلی ہو نہ ڈنڈا۔ ہیئر اسٹائل بھی شریفانہ قسم کا بنا ہوا ہے۔ پسند کر ہی لے گی تمہیں۔''

''اوہ، آپ سمجھتی ہی نہیں ہیں میری بات۔'' وہ جھنجھلایا۔

''میں سب سمجھتی ہوں میاں صاحبزادے! ہر نوجوان کی طرح تمہیں بھی ہیرو بننے کا شوق چرایا ہوا ہے۔ بس یہی بات ہے۔'' ماہ وش نے ہو بہو سعدی کے والد صاحب کا لب و لہجہ اختیار کیا۔

''اب تم سیدھے سیدھے رات کی ٹرین سے

گھر چلے جاؤ، اگلے مہینے تمہاری مما ڈارلنگ یہاں آئیں گی اور یقیناً سب کچھ اچھا ہی ہوگا۔ رشتہ ہوجائے گا تو جتنے چاہے ڈائیلاگز مارتے رہنا۔ وہ سمجھ ہی جائے گی۔''

ماہ وش نے اپنے بال سلجھاتے سلجھاتے اس کا معاملہ بھی سلجھادیا۔ یہ اور بات کہ سعدی اس سے متفق نہیں تھا۔ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی ابھی پری کے سامنے جاکر کھڑا ہو اور جو کچھ دل میں ہے سب بیان کردے مگر افسوس کہ دل کی اس تمنا کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ پری صاحبہ اپنی سہیلی پڑوسن کے ساتھ درخت تلے بچھے پلنگ پر بیٹھی تھیں۔ سر سے سر جوڑے اور ہاتھ میں موبائل، اب یہاں لیٹے سعدی کے پاس اور کوئی چارا نہ تھا کہ وہ بھی اپنے موبائل میں مگن ہوجائے۔ سو اس نے یہی کیا۔

رات کا کھانا کھا کر اس کی روانگی کی تیاری تھی۔ سب کو باری باری خدا حافظ کرکے اس نے کمرے میں رکھا اپنا سفری بیگ اٹھایا۔ نہ جانے کیوں دل بھاری بھاری ہو رہا تھا۔

''یہ بھی رکھ لیں۔ خالہ نے دیا ہے۔'' پری نے اندر آکر ایک پیکٹ اسے تھمایا۔

''کیا ہے؟''

''کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔''

''ایک بات سنو۔'' سعدی نے موقع غنیمت جانا اور اس دشمن جان سے مخاطب ہوا۔

''جی۔'' پری نے استفسار تو اس سے کیا تھا مگر نگاہیں ٹی وی کا ریموٹ ڈھونڈ رہی تھیں۔ جوامی جان نے نہ جانے کہاں رکھ دیا تھا۔

''ادھر ادھر کیا دیکھ رہی ہو۔ یہاں دیکھو۔ میری طرف، میری آنکھوں میں۔'' سعدی اس کی بے توجہی سے جھنجھلا گیا۔

''آپ کی آنکھیں بالکل فواد خان جیسی ہیں۔'' پری نے اس کی آنکھوں کا بغور معائنہ کرتے ہوئے اعلان کیا اور ساتھ ہی ٹکڑا جوڑا۔ ''لائبہ کہہ رہی تھی۔''

''اف یہ لائبہ۔''

''تمہیں کچھ نظر آتا ہے ان میں؟'' سعدی نے بہت آس اور اس سے بھی زیادہ دھڑکتے دل کے ساتھ پری کی طرف دیکھا۔

''آنکھوں سے تو ہمیں دوسری چیزیں اور لوگ نظر آتے ہیں۔ ان میں بھلا کیا نظر آئے گا؟''

پری کی تمام تر توجہ دوبارہ گمشدہ ریموٹ کی طرف مبذول ہوچکی تھی۔ ڈرامے کا وقت ہو رہا تھا۔

''مجھے مس کروگی؟'' سعدی نے ہمت نہیں ہاری۔

''ہم سب تو ہمیشہ ہی آپ کو بہت مس کرتے ہیں۔ اسپیشلی جب بریانی بنتی ہے اور کیرم کھیلتے وقت بھی۔ لیکن آپ بے ایمانی کرتے ہیں سعدی بھائی۔'' پری کو بالآخر بولتے بولتے اور دیکھتے دیکھتے ریموٹ نظر آ ہی گیا جو اس نے جھٹ سے اٹھالیا۔

''سعدی! کب نکلو گے؟ کیا ٹرین مس کرنے کا ارادہ ہے۔'' ماہ وش اندر آگئی۔ سعدی نے صبر اور خون کے گھونٹ پیتے ہوئے بیگ اٹھالیا۔

''اچھا خدا حافظ!'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ دل کے ارمان خونم خون ہو رہے تھے۔ دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے مگر..... مگر ضبط بہر حال لازم تھا۔ البتہ دل کی ایسی ٹوٹی پھوٹی کیفیت پر دماغ نے یا عقل نے ڈانٹ ضرور پلائی تھی۔

''شرم کرو، محبت میں آنسو بہاؤ گے۔ تف ہے ایسی مردانگی پر۔

آنسو تو محبت میں ہی بہائے جاتے ہیں اور بھلا کب روتا ہے انسان؟'' زخمی زخمی دل نے روتے بسورتے جواب دیا۔

اسٹیشن تک منصور چاچا اپنی بائیک پر چھوڑ آئے تھے۔ اس بار محبوب اور شہر محبوب سے جدا ہوتے وقت سعدی کی کیفیت کچھ اور ہی تھی۔

☆☆☆

کپڑے دو روز سے دھلے ہوئے الگنی پر لٹکے ہوئے تھے۔ جس لڑکے کو جس جینز یا شرٹ کی

ضرورت ہوتی، وہ وہیں سے کھینچ کر اتارتا اور چڑھالیتا۔ ماہ وش سے یہ تماشا زیادہ دیر ہضم نہیں ہوا۔ وہ سارے کپڑے اتار کر کمرے میں لے آئی۔

''چلو پری..... آؤ۔ یہ کپڑے تہہ کرواؤ۔''

''بعد میں کرلیں گے خالہ، ابھی تو گٹھڑ باندھ کے ایک طرف رکھ دیں۔'' پری نہ جانے کون کون سے کام کرکر کے تھک گئی تھی۔ منہ پر تکیہ رکھ کے لیٹی تھی۔

ماہ وش کو بے اختیار سعدی کا خیال آیا۔ وہ بھی اسی طرح تکیہ منہ پر رکھ کر لیٹتا تھا۔

''اٹھو ابھی ان کپڑوں کی گٹھڑی بنا کر رکھ دی نا تو الماری تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ سب اسی میں سے کپڑے نکال نکال کر استعمال کرلیں گے۔'' ماہ وش نے کپڑے تہہ کرنے شروع کردیے۔ ناچار پری کو بھی اٹھنا پڑا۔

''بعد میں کرلیتے آرام سے۔'' جنیز تہہ کرتے ہوئے پری نے منہ بسورا۔

''بعد'' کبھی نہیں آتی، جو کام کرنا ہے بس ابھی کرلو، کام، کرنے سے ہوتا ہے ٹالنے سے نہیں۔'' ماہ وش ایک کے بعد ایک کپڑے تہہ کرکے رکھتی جارہی تھی۔

''بالکل نانی اماں کی طرح باتیں کررہی ہیں آپ۔'' پری مسکرائی۔

''ان سے ہی سیکھا ہے یہ سب، تمہاری امی پتا نہیں کیسے بھول گئیں۔'' ماہ وش بھی مسکرادی۔

''اتنا پیارا موسم ہورہا ہے اوپر چلیں گی چھت پر۔''

''ہاں، چلیں گے۔ پہلے یہ کام ختم کرلو۔'' ماہ وش کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے کپڑے تہہ کرکے دونوں اوپر چلی گئیں۔ چھت کافی بڑی تھی ایک طرف بس ایک کمرہ بنا ہوا تھا اور ایک باتھ روم، باقی پوری چھت پر ایک دو جھلنگا سی چارپائیاں ایک ٹانگ ٹوٹی میز، ادھڑے بید کی کرسیاں اور نہ جانے کیا کیا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔

''اچھی بھلی اتنی بڑی چھت ہے واشنگ مشین یہیں رکھ کر کپڑے دھونے کا بندوبست کرلو، یہیں پھیلا بھی لو۔ نیچے صحن میں بہت پھیلاوا ہوجاتا ہے۔ انگلیوں کے پنجوں سے کپڑے ہٹا ہٹا کر سب گزرتے ہیں۔'' ماہ وش نے چھت کا جائزہ لیا۔

''امی کو بار بار سیڑھیاں اترنے چڑھنے سے الجھن ہوتی ہے، اس لیے نیچے ہی دھولیتی ہیں۔'' پری نے لاپروائی سے کہتے ہوئے موضوع بدلا۔

''خالہ! ہم تو انتظار کررہے تھے کہ آپ کی شادی شروع ہو تو تیاریاں کریں، آپ کے گھر رہنے جائیں۔ میں نے تو مہینہ بھر پہلے ہی آنے کا پروگرام بنالیا تھا۔ ادھر چاچو کی شادی بھی رک گئی۔ ادھر آپ کا رشتہ بھی ختم ہوگیا۔ اتنا افسوس ہورہا تھا۔''

''ہاں افسوس کی تو بات ہے۔'' ماہ وش یونہی بولتے ہوئے افسردگی سے مسکرائی۔

''اتنے زیادہ افسوس کی بھی بات نہیں ہے۔ بعض رشتے ختم ہونے سے بہت سے دکھ بھی ختم ہوجاتے ہیں۔''

منصور چاچو کمرے سے نکل کر باہر آئے تھے۔ ہاتھ گریس اور تیل میں لتھڑے ہوئے جنہیں وہ ایک کپڑے سے صاف کرتے ہوئے مزید بول رہے تھے۔

''کبھی کبھی کوئی انسان کانٹا بن جاتا ہے، زندگی سے نکل جائے تو اطمینان اور سکون مل جاتا ہے۔ تکلیف اگر ہو بھی تو وقتی ہوتی ہے۔''

اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہ یونہی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ ماہ وش کی آنکھیں کیسے حیرت سے پھیلی ہوئی ہیں اور چہرہ شرمندگی کا شاہکار ہورہا تھا۔

''سوری خالہ! مجھے معلوم نہیں تھا کہ چاچو اندر بیٹھے کام کررہے ہیں، وہ دراصل اکثر یہاں بیٹھ کر اپنے پرزے وغیرہ صاف کرتے ہیں۔''

پری نے بوکھلا کر خالہ سے معذرت کی جو یہ سوچ رہی تھی کہ آخر بار بار ایسے شرمندگی کے مواقع

کیوں آرہے ہیں؟''

''ویسے یہ تمہارے چاچو کچھ زیادہ ہی سنجیدہ سنجیدہ ہوگئے ہیں۔ پہلے تو ایسے نہیں تھے۔ پتا ہے جب آپا کی شادی ہوئی تھی تو ویسے والے دن اپنے دوستوں کے ساتھ ایک کامیڈی شو کیا تھا۔ گانے گائے تھے۔ لطیفے سنائے تھے۔ کامیڈی کی تھی۔ دوست سب بڑے بڑے تھے اور تمہارے چاچو سب سے چھوٹے تھے اس وقت۔ نائنتھ کلاس کے اسٹوڈنٹ تھے مگر کانفیڈنس بہت تھا اور صلاحیت بھی۔''

ماہ وش کو اچانک ہی وہ دبلا پتلا ہنستا مسکراتا اور دوسروں کو قہقہے لگانے پر مجبور کردینے والا لڑکا یاد آیا۔

''لطیفے تو اب بھی سناتے ہیں۔ بس کبھی کبھی خاموش بیٹھے نہ جانے کیا سوچنے لگ جاتے ہیں۔ امی کہتی ہیں کہ چاچو کا دل دکھا ہوا ہے۔'' پری نے اپنی ریشمی زلفیں آگے کیں اور ان میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

ماہ وش کا جی چاہا اس سے پوچھے کہ وجہ کیا ہوئی تھی جو خود یوں اپنے دل کو دکھایا مگر پھر کچھ سوچ کر وہ خاموش رہی کچھ بھروسا نہیں۔ موصوف کسی بھی کونے کھدرے سے برآمد ہو کر اس کے سوالات کا بالمشافہ اور تسلی بخش جواب دے کر شرمندہ کردیں۔ عقل مند وہی ہے جو ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کرے۔

☆☆☆

''اچھا بھلا بڑا اور خوب صورت کچن تھا۔ نیا نکور بنا ہوا۔ شیلف کیبنٹ اوون، کاؤنٹر، ماربل اور لکڑی کا بے حد خوب صورت امتزاج تھا۔ ہر قسم کی قیمتی اور خوب صورت کراکری، الیکٹرونک آئٹمز، کمی کسی چیز کی نہ تھی سوائے ایک شے کے۔ جسے سلیقہ کہتے ہیں۔

ماہ وش اور پری کچن میں تھیں۔ ماہ وش نے کیبنٹ کھولا اور چکرا سی گئی۔ مختلف دالیں چاول، بیسن، مرچ مسالے، بہت کچھ موجود تھا مگر چند ایک خوش نصیب چیزیں تھیں جو جار میں تھیں۔ زیادہ تر کاغذ اور پلاسٹک کے لفافوں اور ساشے میں تھیں بہ وقت ضرورت ان ہی میں سے نکال نکال کر کام چلایا جاتا تھا۔

''ان کے ڈبے کہاں ہیں؟'' اس نے پری سے سوال کیا۔

''وہ.....'' پری نے سر کھجایا۔ مما نئے جار لے کر آئیں گی تو اس لیے ابھی ایسے ہی کام چل رہا ہے۔''

''کب لائیں گی؟ وہ تو ہر کام ''کل'' اور ''بعد'' کے لیے رکھ دیتی ہیں جو کبھی آتے ہی نہیں۔''

ماہ وش، پری کو اپنے ساتھ لگا کر مہم میں جت گئی جو جار موجود تھے، انہیں دھویا۔ صحن، چھت اور اسٹور سے جو کاٹھ کباڑ نکالا تھا۔ وہ ابھی ٹین ڈبے والے کے انتظار میں صحن کے ایک کونے میں ڈھیر تھا۔ اس ڈھیر سے جیم کی خالی بوتلیں نکالیں جو درجن بھر سے زائد تھیں۔ انہیں بھی دھو کر خشک کر کے سارے نمک مرچ مسالے وغیرہ ان میں بھر کے کیبنٹ میں رکھ دیا۔ دالوں اور چاولوں کو بھی جار میں بھر کے رکھ دیا۔ چند گھنٹوں کی دونوں کی محنت کے بعد کچن سمٹ بھی گیا اور جگمگا اٹھا۔ آپا نے ابتدا میں تو منع کیا۔

''اے ہائے، رہنے دے ماہ وش، میں نئے ڈبے لے کر آؤں گی، نیا کچن ہے سب چیزیں نئی لاؤں گی۔''

مگر بی بی ماہ وش کان لپیٹے اپنی سرگرمی میں مصروف رہیں۔ پھر رسان سے بولی۔

''فی الحال تو یہ سب بھی دھل کر نئے ہوگئے ہیں۔ جب آپ نئے جار لے کر آئیں گی تو ان میں رکھ دیں گے۔''

''اور اب کوئی اللہ کا نیک بندہ گرم گرم سموسے اور جلیبیاں لے آئے۔ میری ساری دعائیں اس کے لیے۔'' ماہ وش نے با آواز بلند فرمائش بیان کی۔ روئے سخن بھانجے نمبر دو کی طرف تھا جو کچھ دیر پہلے جاب سے واپس آیا تھا۔ ابھی ابھی نہا دھو کر نکلا تھا اور بالوں میں کنگھا کر کے اپنی سیلفیاں لے رہا تھا۔

''ارے پیاری خالہ جانی! آپ کے لیے تو جان بھی حاضر ہے۔ یہ سموسے جلیبیاں کیا چیز ہیں۔''

ہنی نے مسکراتے ہوئے ایک اور سیلفی پوسٹ کی اور جیب سے والٹ نکالا۔

"پری! چھوٹو کو بلا، اس سے منگواتے ہیں چیزیں۔" پری ابھی لاؤنج سے باہر نکلی بھی نہ تھی کہ منصور چاچو اندر آئے۔

"پری! یہ چیزیں نکال لو۔" انہوں نے چند شاپر کچن کاؤنٹر پر رکھے۔ آج ان کی آواز میں بشاشت تھی اور وہ مسکرا بھی رہے تھے۔

"کیا لائے ہیں چاچو؟" پری نے شاپر کھولنے شروع کیے۔ "جاب مل گئی؟"

"الحمدللہ..... مل گئی جاب۔" کچھ خوشی اور کچھ کامیابی کی واضح چمک ان کے چہرے پر تھی۔ وہ لاؤنج میں بچھے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"ارے خالہ! اس وقت اللہ سے کچھ اور بھی مانگتیں تو وہ بھی مل جاتا۔ تھیلے میں سموسوں اور جلیبی کا لفافہ دیکھ کر پری چہکی، ویسے اس میں ان دو چیزوں کے علاوہ پیزا، نمک پارے اور مٹھائی کا ڈبہ بھی تھا۔

"جو مل جائے وہی خوب ہے۔ ناشکرا پن اچھی بات نہیں۔" ماہ وش نے دھیمے سے بولتے ہوئے کیبنٹ سے پلیٹیں نکالیں۔

"بھائی! آپ کے پیسے بچ گئے۔" پری نے گرم گرم سوندھی خوشبو والے پیزا کو کھول کر دیکھا۔ کون سا فلیور ہے۔"

"میں کولڈ ڈرنک لے آتا ہوں۔ ہنی آج سخاوت کے موڈ میں تھا۔

"بھئی مجھے تو چائے بنا دینا۔" منصور چاچو نے پری کو مخاطب کیا۔

امی، ابو، چھوٹو، سب ہی لاؤنج میں چلے آئے، ذرا سی دیر میں پلیٹیں سج کر خالی بھی ہو گئیں۔ چائے اور کولڈ ڈرنک کا دور بھی چل گیا۔ سب نے منصور کو مبارک باد دی اور دھیمے سے لہجے میں ماہ وش نے بھی اخلاقیات نبھائی اور سادہ سے لہجے میں منصور نے بھی شکریہ ادا کیا۔

☆☆☆

سعدی کی کال آئی ہوئی تھی۔ پیکیج کرا کے بڑی فرصت سے وہ کال کرتا تھا۔ ایک آدھ گھنٹہ تو کہیں نہیں گیا تھا۔

"آپ کی بھانجی صاحبہ کے کیا حال احوال ہیں؟" کچھ دیر ادھر ادھر اور گھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اپنے مطلب پر آ گیا۔

"ٹھیک ہیں۔ ویسے تم خود بھی پوچھ سکتے ہو۔ میرے پاس ہی بیٹھی ہیں محترمہ۔" ماہ وش نے مسکراہٹ دبائی۔

"نیکی اور پوچھ پوچھ۔" وہ جلدی سے بولا۔

ماہ وش نے پری کو موبائل دیا۔ "سعدی لائن پر ہے۔"

"کیسی ہو؟"

"ہم ٹھیک ہیں۔ آپ کیسے ہیں اور ماموں، ممانی جان، فریا، شانی سب کیسے ہیں؟" پری ایک ہی سانس میں شروع ہو گئی۔

"میرے ابا حضور بمعہ اہل وعیال بالکل خیریت سے ہیں۔ تم اپنی سناؤ۔"

"میں کیا سناؤں، بس منصور چاچو کی جاب لگ گئی ہے۔ ہنی بھائی کی پروموشن ہونے والی ہے۔ چاچو نے اپنی کھٹارا اربان (بھائی) کو دے دی ہے اور خود نئی بائیک خرید لی ہے۔ چاچو نے ابھی چھوٹی سی ٹریٹ دی ہے۔ سیلری پر کھانا کھلانے کا وعدہ کیا ہے اور ہاں وہ میری بلی ہے نا، جس نے پچھلی بار آپ کو پنجہ مار دیا تھا۔ اس کی "پکس" کو اتنے سارے "لائکس" ملے ہیں۔ بہت کیوٹ ہو گئی ہے۔ آپ نے دیکھیں وہ پکس؟"

"شاباش ہے۔ محلے والوں کی بھی خبریں سنا دو۔" سعدی کی تو جان جل کر رہ گئی۔

"محلے والوں کی؟" پری سوچ میں پڑ گئی پھر اچانک چہک کر بولی۔

"ہاں۔ یاد آیا۔ وہ لائبہ ہے نا میری فرینڈ اس کی انگیج منٹ ہو رہی ہے اپنے کزن سے۔ ماموں کے گھر جائے گی۔"

''تم بھی کچھ سبق سیکھ لو اپنی سہیلی سے۔'' سعد کو موقع مل گیا۔

''سبق! سبق تو آج کل خالہ دے رہی ہیں مجھے، اتنی سخت ٹریننگ کر رہی ہیں۔ جیسے بس اگلے ہی ہفتے مجھے سسرال جانا ہے۔'' پری نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

''ہاں تو، کبھی نہ کبھی تو جانا ہی ہے۔'' سعد نے جلدی سے مداخلت کی۔

''ویسے کس قسم کا لڑکا پسند کرو گی تم؟''

''میں؟ وہ تو امی، ابو کریں گے۔'' پری کا لہجہ شرمیلا سا ہو گیا۔

''پھر بھی، ہر لڑکی کے کچھ خواب ہوتے ہیں کہ میرا لائف پارٹنر ایسا ہو، ویسا ہو، یا جیسا بھی ہو چلے گا؟''

''ہائے اللہ سعدی بھائی! یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ لیں خالہ سے بات کریں۔''

پری کو اچانک ہی ڈھیروں ڈھیر شرم آ گئی۔ اس نے جلدی سے موبائل ماہ وش کو تھمایا۔

''کیا کہہ دیا جو بچی لال گلابی ہو گئی؟'' ماہ وش نے موبائل کان پر سے لگاتے ہوئے استفسار کیا۔

''ابھی تو کچھ بھی نہیں کہا۔ بس یہی پوچھا تھا کہ لائف پارٹنر کیسا پسند ہے چلیں، فون دے دیں محترمہ کو۔''

''محترمہ کی امی آ رہی ہیں ادھر، ان سے بات کرواؤں؟''

''خالہ۔'' وہ چیخا۔ ''خدا حافظ۔''

☆☆☆

علی الصبح، نوکری کے لیے روانگی رات گئے تک واپسی۔ منصور نے خود کو مصروف کر لیا تھا اور یہی ان کے حق میں اچھا تھا۔ زخم لگا تھا مگر بھر گیا تھا۔ بس داغ باقی تھا اور تھوڑی تکلیف..... لوگ، بعض لوگ ایسے کیوں ہوتے ہیں؟ نہ جانے وہ لوگ خود پر نقاب چڑھائے ہوتے ہیں یا ہماری ہی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہوتی ہے۔ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے وہ اپنا ماضی سوچ رہے تھے۔

جس وقت ان کی منگنی ہوئی، وہ ملک سے باہر تھے۔ چھٹیوں میں گھر آئے۔ بھائی، بھابھی نے میچ میکر کے توسط سے رشتہ ڈھونڈا تھا۔ لڑکی خوب صورت تھی۔ گھر والے خوش اخلاق۔ انہوں نے مطمئن ہو کر ہاں کر دی۔ منگنی کی رسومات ہوئیں، انگوٹھیوں اور تحفے تحائف کے تبادلے ہوئے۔ چھٹیاں ختم ہوئیں۔ وہ واپس قطر چلے گئے۔ دھیرے دھیرے ٹیلی فونک رابطہ بڑھتا چلا گیا۔ ابتدا میں رسمی سی باتیں، خیر خیریت پسند ناپسند، بتدریج انسیت اپنائیت اور بے تکلفی میں بدل گئی۔ علیشا بے حد خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کی شریر اور ذہن بھی تھی۔ بڑی بے ساختگی اور ڈھرلے سے اپنی فرمائشیں اور خواہشات بیان کر دیتی تھی۔ نئے ماڈل کا موبائل، گولڈ کی چھوٹی موٹی چیز، منگنی کے بعد پہلی عید آئی تو ''عیدی'' اپنی پسند سے خریدنے کی فرمائش کی۔

منصور بنیادی طور پر سادہ دل تھے پھر نئی نئی الفت کا خمار۔ بھائی بھابھی نے بھی کبھی نظر رکھنے یا ٹوہ لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ خود اپنی مرضی کے مالک تھے۔ اور آہستہ آہستہ علیشا حاوی ہو کر ان کی مرضی کی مالک بنتی جا رہی تھی۔ وہ علیشا کے اکاؤنٹ میں ہر ماہ ایک بھاری اماؤنٹ بھیج رہے تھے اس نے ماسٹرز میں ایڈمیشن لیا تو یہ اخراجات بھی منصور کے ذمے لگ گئے۔ منصور نے خود کو باور کرا لیا تھا کہ علیشا مستقبل میں تو اس کی ذمے داری ہے ہی تو ابھی سے یہ ذمے داری اٹھانے میں کیا حرج ہے؟ ان کا سادہ اور خوش فہم دل اسی طرح علیشا کی فرمائشوں پر آمنا وصدقنا کہتا رہا۔ یہاں تک کہ سال پورا ہونے کو آیا۔ انگیج منٹ کی ''فرسٹ اینورسری'' منانے کے لیے علیشا نے بڑے مہنگے گفٹ کی فرمائش کی تھی۔ وائٹ گولڈ کا وہ لاکیٹ لینے میں منصور کی ایک ماہ کی پوری سیلری خرچ ہوئی تھی۔ مگر وہ خوش تھے۔ اور اسی خوشی کے ساتھ وطن آئے تھے۔ گھر میں سب انہیں اچانک دیکھ کر حیران بھی بہت ہوئے اور خوش بھی۔

بھائی، بھابھی اور سارے بچوں کے لیے ڈھیروں تحائف لائے تھے۔ سب ہی نہال ہو گئے۔

شام میں نہا دھو کر وہ علیشا کے گھر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

''کل چلے جانا، آرام تو کر لو، تھکے ہوئے ہو۔'' بھابھی نے صلاح دی۔

''ارے بھابھی جان، کل تو بہت دور ہے۔ پھر کسی سے پتا چل گیا میرے آنے کا تو سارے سرپرائز کی ایسی کی تیسی ہو جائے گی۔'' خود پر بے درکیف پرفیوم انڈیلتے ہوئے وہ مسکرا دیے۔

''چچی جان کے گھر ہم بھی چلیں گے۔'' پریشے اور ہنی بھی وہاں جانے کے لیے تیار تھے۔

''ابھی تو چاچو کو جانے دو، تم لوگ بعد میں چلے جانا، میں بھی تو جاؤں گی۔ کئی مہینے ہو گئے وہاں کا چکر ہی نہیں لگایا۔'' امی نے بچوں کو منع کر کے چاچو کی مشکل آسان کر دی۔

دل میں کیا کیا ارمان لے کر وہ علیشا کے گھر پہنچے تھے مگر وہاں پہنچ کر سارے ارمانوں پر اوس پڑ گئی گھر پر صرف ارسل تھا، علیشا کا سب سے چھوٹا بھائی جو منصور کو اچانک دیکھ کر حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔

''کہاں ہیں بھئی سب لوگ؟'' منصور نے صوفے پر پھیل کر بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

''سب کے سب شاپنگ پر گئے ہوئے ہیں۔ پتا نہیں کب آئیں گے؟'' ارسل کے لہجے میں بے زاری جھلک رہی تھی۔

''تم نہیں گئے؟''

''میں کیا کروں گا جا کر!..... چل چل کر ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں اور پھر سارا سامان بھی پکڑنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی میرا کل ٹیسٹ ہے انگلش کا، وہی تو یاد کر رہا تھا ابھی..... میں کال کر دیتا ہوں امی کو؟''

''ارے نہیں، سرپرائز خراب ہو جائے گا۔'' منصور نے بے ساختہ اسے روکا۔

''ویسے تو کل آتا، علیشا نے پارٹی رکھی ہے نا، پھر میں نے سوچا کہ.....''

''کون سی پارٹی؟'' ارسل نے بات کاٹ کر سرسری سا سوال کیا۔

''ہر سیمسٹر میں اس کے ہائیسٹ مارکس آئے ہیں نا، اس خوشی میں وہ بتا رہی تھی کہ یونیورسٹی کی کچھ فرینڈز کو بھی بلایا ہے۔''

''سیمسٹر..... یونیورسٹی.....؟'' ارسل ہکا بکا منصور کی شکل دیکھ رہا تھا پھر یکا یک ہنس پڑا۔

''آپ بھی نا منصور بھائی، فوراً باتوں میں آجاتے ہیں۔ علیشا آپی کو جانتے نہیں۔ ایک نمبر کی چھوڑو ہیں۔ اتنی لمبی لمبی چھوڑتی ہیں کیا بتاؤں۔ ماموں بنا رہی ہوں گی آپ کو۔ آپ بن گئے۔'' وہ پھر ہنسا۔

''کیا مطلب؟'' اس بار ہکا بکا ہونے کی باری منصور کی تھی۔

''مطلب یہ کہ انہوں نے تو کالج کی شکل بھی کبھار ہی دیکھی ہے۔ پڑھائی سے تو جان نکلتی ہے ان کی۔ پیپرز ہو گئے تو بالکل ہی چھٹی مل گئی۔ پڑھائی چھوڑ دی۔ انہیں تو کسی نے کچھ نہیں کہا۔ بس میرے پیچھے سب پڑے رہتے ہیں۔ اے پلس سے کم نہیں آنا چاہیے۔ کوئی چھٹی نہیں ہونی چاہیے اسکول کی۔ ساری نصیحتیں میرے ہی لیے ہیں بس۔''

تیرہ سالہ ارسل کا انکشاف بھی خوب تھا اور شکوہ بھی۔ منصور تو بس خاموش بیٹھے اس کی شکل دیکھ رہے تھے اور سن رہے تھے۔ کوئی شے تھی جو انہیں کاٹتی ہوئی گزر رہی تھی۔ ہر گزرتے لمحے انہیں تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ یہ تکلیف اس وقت بھی کم نہ ہوئی جب سب گھر والے شاپنگ کر کے واپس آ گئے۔

علیشا کی والہانہ خوشی، خوب صورت چہرہ اور حسین مسکراہٹ بھی اس کی تکلیف اور دکھ کو ختم نہ کر سکے تھے۔ گھر میں سب کے سامنے وہ علیشا سے کچھ نہ کہہ سکے مگر بعد میں اسکائپ کے ذریعے بات کرتے ہوئے منصور نے اس سے شکوہ ضرور کیا۔

''ارے..... وہ..... وہ تو میں نے یونہی مذاق کیا تھا۔ آپ سے۔ آپ سچ سمجھ بیٹھے۔'' علیشا

کھسیانی ہنسی کے ساتھ وضاحت دے رہی تھی۔
''دراصل مجھے شوق تو بہت ہے ماسٹرز کرنے کا۔ آپ دیکھیے گا۔ اگلے چند برسوں میں کر ہی لوں گی۔'' منصور کی خاموشی پر اس نے مزید وضاحت کی۔
''تم نے مجھ سے جھوٹ بولا۔ مجھے اس بات کا دکھ ہے تم یوں بھی مجھ سے کہہ سکتی تھیں۔ تمہاری ہر فرمائش، ہر خواہش، میرے سر آنکھوں پر جو کہتی ہو وہ پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔'' منصور جذباتی لہجے میں بولتے چلے گئے۔
''آپ تو مجھے ذلیل کر رہے ہیں۔ ایسا کیا کر دیا میں نے۔ ایک ذرا سا مذاق ہی تو کیا تھا۔ آپ کو نہیں ہے برداشت تو ٹھیک ہے۔ آئندہ نہیں کروں گی۔''
علیشا نے منہ بنا کر تیز لب ولہجہ اختیار کیا۔
''ایسا کیا دے دیا آپ نے مجھے، جو فرمائشیں اور خواہش پوری کرنے کے طعنے دے رہے ہیں۔'' اس نے مزید گوہر فشانی کی۔
''چوری اور سینہ زوری۔'' کا ٹھیک ٹھیک مطلب آج منصور کی سمجھ میں آیا۔
''تمہیں اپنی غلطی کا کوئی احساس نہیں؟''
''کیسی غلطی؟ کیا غلطی کر دی میں نے؟ پھانسی لگوا دیں مجھے۔'' علیشاہ نے غصے میں کال ہی کاٹ دی۔
''افوہ!'' منصور اپنا سر پکڑ بیٹھ گئے۔ ہفتہ گزر گیا۔ علیشا کی ناراضی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ادھر بھائی اور بھابھی کا متفقہ مشورہ تھا کہ منصور کو شادی کر لینی چاہیے۔ بھابھی نے علیشا کی امی سے تذکرہ کیا کہ ابھی چھٹیوں میں شادی کر دیں۔
''اللہ کا شکر ہے، گھر میں کسی شے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ سب کچھ موجود ہے آپ جہیز وغیرہ کی فکر نہ کیجیے گا۔ منصور تو جہیز کے سخت خلاف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ شادی کے بعد ساری ذمے داریاں اور ضرورتیں وہ خود پوری کریں گے۔''
اپنی فطری سادگی کے ساتھ بھابھی بولتی چلی گئیں۔
اگلے روز علیشا کی والدہ نے منصور کو بلایا تھا۔ وہ حاضر ہو گئے۔
''بھئی ایک بات کہنی تھی اگر تم برا نہ مانو تو۔'' امی ادھر ادھر کی کچھ باتوں کے بعد گویا ہوئیں۔
''جی۔''
''تمہارے بھائی بھابھی شادی کے لیے کہہ رہے ہیں۔ ویسے تو ہم ایک ہفتے میں بھی شادی کر سکتے ہیں اللہ کا شکر ہے اتنی مضبوط بیک ہے ہماری۔'' انہوں نے جتلاتی ہوئی نظروں سے منصور کی جانب دیکھا پھر سامنے میز پر رکھی اشیائے خورد ونوش کی ڈھیروں چیزوں میں سے کباب کی پلیٹ اٹھا کر ان کے سامنے کی۔ ''تم تو کچھ کھا ہی نہیں رہے۔ یہ لو کباب کھاؤ۔ علیشا نے خاص طور پر تمہارے لیے بنائے ہیں۔'' منصور نے خاموشی سے کباب اٹھا لیا۔
''اب بات یہ ہے کہ شادی سے پہلے اگر تم الگ گھر کا بندوبست کر لو تو جب چاہو اپنی امانت لے جاؤ۔'' انہوں نے اک دم تھیلے سے بلی باہر نکالی تھی۔
''الگ گھر؟'' منصور کے حواسوں پر اچانک بم گرا تھا۔ کچھ دیر تو وہ سنبھل ہی نہ سکے۔
''الگ گھر کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارا گھر کافی بڑا ہے۔ ابھی تو مل جل کر رہ لیں گے۔ آگے ضرورت پڑی تو سوچیں گے اس بارے میں۔''
منصور نے اس اچانک دھچکے سے سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔
''ضرورت آگے نہیں بلکہ ابھی ہے۔ برا نہ ماننا۔ تمہاری بھابھی بڑی گھنی شے ہیں۔ بظاہر تو سیدھی سادی دکھائی دیتی ہیں پر گنوں کی پوری ہیں۔ اب بھلا بتاؤ، بچی نے تم سے ذرا سا مذاق کیا کر لیا۔ تمہاری بھاوج نے ایسی پٹی پڑھائی کہ تم ناراض ہو کر ہی بیٹھ گئے۔ آگے بھی کیا کیا سکھائی پڑھائی رہیں گی۔ میری بچی تو اللہ میاں کی گائے ہے ان کے

چلتروں کا مقابلہ کیسے کرے گی؟''

''میری اور علیشا کی جو بھی بات ہے وہ ہمارے درمیان ہے۔ میرے گھر میں بھائی، بھابھی سمیت کسی کو علم نہیں، اس لیے ان سب باتوں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جو آپ کہہ رہی ہیں اور ویسے بھی آپ سے زیادہ اپنی بھابھی کو میں جانتا ہوں۔ وہ بالکل بھی ایسی نہیں ہیں۔''

منصور نے ادھ کھایا کباب واپس پلیٹ میں رکھ دیا۔ اپنی پیاری اور مخلص بھابھی پر کیا گیا ان کا تبصرہ منصور کو بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

''چلو، تم کہہ رہے ہو تو مان لیتی ہوں۔'' انہوں نے یکا یک پینترا بدلا۔

''مگر بھئی، اس جنجال پورہ میں جانے کے لیے علیشا تو بالکل بھی راضی نہیں ہے بے شک کوئی فلیٹ لے لو مگر ہوا لگ۔''

''میری یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اچانک یہ سب باتیں کہاں سے آگئیں۔ علیشا نے تو کبھی اس قسم کی باتیں نہیں کیں۔'' منصور پریشان ہو چلے۔

''لو، میں کوئی جھوٹ بول رہی ہوں۔ تم خود علیشا سے پوچھ لو۔ وہ رہنا ہی نہیں چاہتی اتنے بڑے کنبے کے ساتھ، دو میاں بیوی، پانچ بچے، تم تو واپس چلے جاؤ گے۔ میری بیٹی کیا ان سب کی چاکری کرے گی۔'' امی نے فوراً علیشا کو آواز دے کر بلا لیا۔

کھلتے ہوئے رنگوں کے خوب صورت لباس میں ملبوس۔ ہلکا پھلکا میک اپ اور کھلی ہوئی تراشیدہ زلفیں، وہ بلا کی پرکشش لگ رہی تھی۔ منصور نے ایک نظر اسے دیکھا۔ دل کے نرم گوشوں میں وہ پھر آباد ہونے لگی۔

''مما ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں اتنی بڑی فیملی کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ ہر وقت کی چپاؤں چپاؤں اچھی نہیں لگتی مجھے۔'' علیشا نے نخوت سے ناک چڑھائی۔

''وہ میرے بھائی کی فیملی ہے۔ بڑے بھائی بھابھی، میں چھوٹا سا تھا جب میرے والدین گزر گئے تھے۔ ان دونوں نے میرے ماں باپ کی جگہ لے لی اور میرے لیے ویسے ہی محترم اور عزیز ہیں جیسے سگے والدین، ان سے علیحدہ ہو کر اپنی الگ دنیا کیسے بنا سکتا ہوں؟ اور ویسے بھی میں اب مستقل پاکستان آگیا ہوں۔ دوبارہ کانٹریکٹ نہیں کیا میں نے۔'' منصور ان کی باتیں سن کر ڈسٹرب تھے۔

''اب یہاں کیا کرو گے؟'' آنٹی اور علیشا دونوں کو اس کی بات سن کر ایک جھٹکا سا لگا تھا۔

''آفر ہے ایک دو جگہوں سے۔ ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ کام بن جائے گا۔'' منصور نے جواب دیا۔

کچھ دیر تینوں کے درمیان خاموشی رہی۔ پھر علیشا نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

''میں الگ گھر میں رہوں گی۔ اسے آپ میری شرط سمجھیں یا کچھ بھی۔'' اس کا ہٹ دھرم لہجہ منصور کو مشتعل کرنے لگا تھا۔

''شرطوں پر تو کاروبار ہوتے ہیں شادیاں نہیں۔''

''تم اتنا جذباتی کیوں ہو رہے ہو میاں! اب اپنا گھر، اپنی فیملی کے بارے میں سوچو، بھائی بھاوج پر کب تک اپنی کمائی لٹاتے رہو گے۔ ان سے الگ رہو گے تب ہی اس لوٹ مار سے بچو گے۔ اپنا حصہ لو ان سے اور اپنا گھر بناؤ۔'' امی نے مداخلت کی۔

''آپ پلیز، اس قسم کی باتیں نہ کریں۔ میری کمائی سے کم از کم اس گھر میں تو کسی کو کوئی غرض نہیں۔'' منصور نے بمشکل اپنا غصہ دبایا اور کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆

پورا ہفتہ اسی ٹینشن اور کشمکش میں گزر گیا تھا۔ علیشا اور اس کی والدہ بھرپور دباؤ ڈال رہی تھیں کہ کسی طرح وہ اس گھر سے اپنا حصہ لے اور علیحدہ ہو جائے۔ علیشا کو بیاہ کر الگ گھر میں لے جائے۔ منصور ان سب کے لیے بالکل بھی راضی نہیں تھے۔

کچھ عرصے یا کچھ برسوں بعد شاید وہ اس بارے میں سوچ لیتے۔ عمل کر لیتے مگر جس طرح یہ لوگ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کر رہے تھے۔اور اس پر زور ڈال رہے تھے وہ منصور کے لیے ناقابل قبول تھا۔

علیشا اور اس کی والدہ نے یہ سمجھا کہ چونکہ انہوں نے علیشا کی بہت سی فرمائشیں پوری کی ہیں۔ اسے مختلف مواقع پر رقوم بھیجی ہیں تو اب وہ پوری طرح ان کی مٹھی میں ہیں، جو چاہیں گی، منصور سے منوالیں گی۔

ٹھیک ہے کہ منصور کو اپنی منگیتر سے انسیت اور قلبی لگاؤ ہو گیا تھا مگر اس محبت میں وہ اتنے اندھے نہیں ہوئے تھے۔ نہ آنکھوں سے نہ عقل سے کہ باقی سب کچھ فراموش کر دیتے۔

منصور کو ان کے خیالات اور باتیں بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ یہ اندازہ تو انہیں ہو گیا تھا کہ یہ لوگ ان کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کے چکر میں ہیں۔ علیشا اب تک منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ اس نے رسمی معذرت کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اس جھوٹ پر جسے منصور اب دھوکا دہی سمجھنے پر مجبور ہو رہے تھے۔

وہ اب سنجیدگی سے اس گزرے ایک سال کا تجزیہ کر رہے تھے۔ اور شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ جیسے انہیں بے وقوف بنایا گیا ہو۔ انہیں اعتبار نہیں ہو رہا تھا کہ پہلے کس موقع پر اس نے کیا جھوٹ بول کر ان سے رقم اینٹھی ہو اور آئندہ بھی یہ سلسلہ چلتا رہے؟ یہ تو طے تھا کہ علیشا کو نہ اس کی والدہ کو اس غلطی کا کوئی احساس تھا۔

ان کے نزدیک یہ ایک معمولی سا مذاق تھا اور منصور اسے معمولی یا مذاق سمجھنے سے انکاری تھے۔ بہت سوچ بچار کے بعد بالآخر انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر کڑا قدم اٹھانے پر اور بڑا فیصلہ کرنے پر عمل کر ہی لیا۔ اگرچہ اس وقت دکھ ہوا مگر وہ وقتی تھا۔ جسم کے کسی حصے میں کوئی معمولی سی پھانس بھی گھس جائے تو نکلتے وقت تکلیف ہوتی ہے مگر پھر بعد میں آرام آجاتا ہے۔ منصور کا اعتبار ختم ہو چکا تھا علیشا پر اور انہیں یہی مناسب لگا کہ اس معاملے اور رشتے کو یہیں ختم کر دیا جائے پھر ان کی علیحدہ گھر کی ضد ... یہ بھی منصور کے لیے قابل قبول تھا نہ قابل عمل۔

☆☆☆

رشتوں کو ٹوٹنا ہوتا ہے تو وہ جڑتے ہی کیوں ہیں۔ بچھڑنا ہوتا ہے تو لوگ ملتے ہی کیوں ہیں؟

''سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر چت لیے ہوئے منصور نے آنکھیں کھول دیں۔ شاید اسی کا نام قسمت ہے۔ وقت تبدیل ہو جاتا ہے۔ حالات، افراد تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کتنا کچھ بدل جاتا ہے حتیٰ کہ وہ مقامات بھی جہاں آپ رہتے ہیں۔''

اپنی اوٹ پٹانگ سوچوں میں بھٹکتے ہوئے انہوں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ جو پہلے کے مقابلے میں یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ اکا دکا لٹکتے جالے اور کہیں کہیں دیواروں، دروازے کھڑکی پر جمی دھول مٹی سب غائب تھے۔ چھ ماہ پہلے ہی تو رنگ و روغن ہوا تھا۔ ذرا سی صفائی سے کمرہ چمک گیا۔

بیڈ کی چادر اور تکیے کا غلاف صاف ستھرے تھے۔ الماری کے خانوں میں کپڑے طریقے سے رکھے ہوئے تھے۔ کارنس پر ان کی فریم شدہ تصویر اور مصنوعی نئے پھولوں کا گلدان رکھا تھا۔ بیڈ کی دو کرسیاں اور ایک چھوٹی سی میز ایک کونے میں سیٹ ہو گئے تھے۔

منصور اٹھ کر کھڑکی میں کھڑے ہو گئے۔ اوپر کی منزل کافی کشادہ تھی۔ انہوں نے علیشا کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ اپنا کچن اوپر سیٹ کر لے، وہ شادی سے پہلے بنوا دیں گے مگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہوئی۔ کھڑکی میں کھڑے ہو کر نیچے صحن میں دیکھتے ہوئے انہیں ایک لمحے کو علیشا کا خیال آیا اگلے ہی لمحے انہوں نے یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

نیچے صحن کا نقشہ تو وہی تھا مگر حلیہ بالکل بدل چکا

تھا۔ کیاریاں صاف ستھری تھیں۔ کونوں میں پڑے کباڑ کے ڈھیر غائب تھے دو پلنگ جو کبھی یا تو کھڑے رہتے تھے یا کہیں بھی بچھ جاتے تھے اب بالترتیب ایک امرود کے درخت کے نیچے اور دوسرا نیم کے درخت کے نیچے بچھا تھا۔ بڑے بڑے گملے ترتیب سے گیٹ کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے گملے سیڑھیوں پر رکھ دیئے تھے۔ گیٹ کی دوسری دیوار کے ساتھ موٹر سائیکلوں کی جگہ بن گئی تھی۔

اتنا کھلا، ہوادار، کشادہ گھر، سایہ اور پھل دیتے درخت، خوشبو دیتے پھول اور محبت بانٹتے مکینوں کو چھوڑ کر وہ کہیں اور کیسے گھر بسا سکتے تھے؟ گھر تو اپنے لوگوں کے ساتھ مل کر رہنے سے بنتا ہے۔ الگ ہو کر نہیں۔

منصور کو اپنے فیصلے پر اب کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ صحن کا جائزہ لیتے لیتے ان کی نگاہیں امرود کے پیڑ کے نیچے بچھے پلنگ پر ٹک گئیں۔ ماہ وش، پری کے بالوں میں تیل لگا کر کنگھا کر چکی تھی اب اس کی چٹیا باندھ رہی تھی۔ پری کے چہرے کے زاویے بگڑتے دیکھ کر منصور کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ چٹیا بندھوا کر پری نے اپنی خالہ کی طرف رخ کر کے دونوں کان پکڑے۔

ماہ وش بے ساختہ ہنس پڑی۔ ایک مسکراہٹ، ایک ہنسی انسان کے چہرے کو کتنا بدل دیتی ہے۔ وہ بے اختیار اس ہنسی کو دیکھتے چلے گئے پھر یکایک کھڑکی سے ہٹ گئے۔ مبادا وہ آنکھیں انہیں یوں کھڑکی میں کھڑا دیکھ لیں۔ دوسرے کی عزت کے ساتھ ساتھ انہیں اپنا وقار بھی عزیز تھا۔

☆☆☆

فرائنگ پین میں موجود تیل گرم ہو گیا تھا۔ پری نے کٹی ہوئی پیاز، لہسن اور لال ثابت مرچیں اس میں ڈال دیں اور جلدی جلدی ہلانے لگی۔ ذرا سی دیر میں چٹاخ پٹاخ کی آوازوں کے ساتھ وہ سرخ ہونے لگیں۔

"بس اب جلدی سے انہیں دال میں ڈال دو۔"

ماہ وش نے ہدایت دی پری نے فٹا فٹ فرائنگ پین، کھڑی مسور کی پتیلی میں جھونکا اور ڈھکن بند کر دیا تاکہ بگھار کی مہک دال میں بس جائے۔ اب دسترخوان لگانا تھا۔ چٹنی اور سلاد تیار تھے۔ ماہ وش فریج سے رات کا بچا سالن نکال رہی تھی۔

"یہ بھی گرم کر لو۔ کھالیں گے سب۔"

"بوٹیاں اور سالن کھالیں گے لوکی ایسے ہی چھوڑ دیں گے۔ جیسے رات میں کیا تھا۔" پری نے سالن فرائنگ پین میں پلٹا۔

"یہ بڑی مصیبت ہے۔ سبزیاں کسی کے بھی حلق سے نیچے نہیں اترتیں اچھا خیر، ایسا کرو۔ لوکی کے سارے ٹکڑے نکال کر الگ رکھ دو۔"

پری نے ماہ وش کی ہدایت کے مطابق لوکی دہی۔ زیرہ، ہری مرچ پودینہ، لہسن اور نمک، سب ملا کر گرائنڈ کر لیا۔

"اب یہ رائتہ سب کھالیں گے۔ اس میں ذرا سا زیرے کا بگھار لگا دو۔"

عمومی گھرانوں کی طرح یہاں بھی سارے بچے بشمول پری صاحبہ سبزیاں کھانے میں نخرے دکھاتے تھے۔ مگر ماہ وش کسی نہ کسی طریقے سے سب کو سبزیاں کھلا ہی دیتی تھی۔ کبھی رائتہ بنا کر۔ کبھی سبزیوں کے کباب یا پلاؤ بنا کر، کبھی سلاد اور میکرونی کے ساتھ۔ اب گھر میں دال اور گوشت کے علاوہ، سبزیاں بھی باقاعدگی سے پک رہی تھیں۔

"آج تو امی جان کی یاد تازہ ہو گئی۔ ہم دونوں بھائی بھی سبزیاں کھانے میں منہ بناتے تھے۔ وہ مختلف طریقوں سے بنا بنا کر ہمیں کھلا ہی دیتی تھیں۔ خصوصاً لوکی، کدو۔ کہتی تھیں یہ سبزیاں ٹھنڈک پہنچاتی ہیں۔ دماغ کے لیے بھی بہت مفید ہیں۔"

منصور اپنے بھائی جان کے ساتھ چائے پیتے ہوئے پرانی یادیں اور باتیں دہرا رہے تھے۔ "یہ

دونوں بھائیوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ خصوصاً چھٹی کے دن، اپنے بچپن، لڑکپن اور والدین کے دور کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی بھابھی جان بھی اس میں شریک ہو جاتی تھیں۔

برتن اور دسترخوان سمیٹ کر پری جلدی سے کمرے کی طرف بھاگی۔

''کہاں چلیں محترمہ، یہ برتن دھو کر ٹھکانے پر رکھو! جلدی کرو شاباش۔'' ماہ وش نے اسے پکڑ لیا۔

''خالہ! ڈراما شروع ہونے والا ہے۔'' وہ منمنائی۔

''ابھی دس منٹ ہیں۔ اتنی دیر میں دھل جائیں گے برتن فٹافٹ ہاتھ چلاؤ۔'' ماہ وش بچا ہوا کھانا فریج میں رکھ رہی تھی۔

''بعد میں کرلوں گی نا خالہ پلیز۔''

''بالکل نہیں، کل کی طرح ''بعد'' بھی کبھی نہیں آتی۔'' ماہ وش نے انکار میں سر ہلایا۔

''آپ بھی نا، بالکل ہٹلر ہیں۔'' پری سنک کے پاس کھڑی ہوگئی۔

''اچھا کیا ہٹلر اپنی بھانجی کو ''امور خانہ داری'' سکھاتا تھا!'' ماہ وش کے ساتھ ساتھ پری کی بھی ہنسی نکل گئی۔

جیسے ہی وہ نہانے گھسی، موبائل بجنا شروع ہوگیا۔ جب تک وہ واپس آئی۔ درجنوں مسڈ کالز آچکی تھیں۔ ماہ وش نے موبائل چیک کیا یقیناً یہ سعدی تھا۔

''کیا ہوا؟ اتنے فون کھڑکا دیے۔'' ماہ وش نے اسے کال کی۔

''ہم آرہے ہیں۔ گاڑی اسٹیشن پر پہنچنے ہی والی ہے۔'' سعدی نے چھوٹتے ہی کہا۔ ''خیریت؟ یوں اچانک؟'' وہ چونکی۔

''ہاں بس، اچانک ہی پروگرام بن گیا۔ اچھا آپ سنبھال لیجیے گا سب۔'' جلدی جلدی بولتے ہوئے سعد نے خدا حافظ کہا اور لائن کاٹ دی۔

☆☆☆

''مہمان آگئے تھے۔ بھیا، بھابھی اور سعدی۔'' ماہ وش حیران تھی۔ پہلے تو سعدی نے بتایا تھا کہ دو ہفتے بعد آنے کا پروگرام ہے۔ مگر پھر تھوڑی دیر بعد باتوں باتوں میں بھابھی نے اچانک آنے کی وجہ بتائی تو یہ عقدہ بھی حل ہوگیا۔

''ماہ وش کے لیے رشتہ بتایا ہے کسی نے۔ وہ لوگ اگلے ہفتے دیکھنے آئیں گے۔ افتخار، ماہ وش اور بچے کل واپس چلے جائیں گے۔ میں سعدی کے ساتھ دو چار دن میں آجاؤں گی۔'' اتنے عرصے میں آئی ہوں۔ سوچا دو چار دن تو رک ہی جاؤں۔'' بھابھی نے سموسہ کھاتے ہوئے بتایا۔

کیوں نہیں بھابھی آپ کا اپنا گھر ہے۔ ہفتہ بھر رکیں۔ ہمیں تو خوشی ہوگی۔'' آپا نے بڑے خلوص سے کہا تھا۔

''اب کیا ہوگا پھپھو! سعدی لسی کا گلاس پکڑے پکڑے۔'' ماہ وش کے پاس آیا۔

''وہی ہوگا جو منظور خدا ہوگا۔''

''آپ تو چلی جائیں گی۔ پری سنبھال لے گی سب کچھ؟'' سعدی کی اپنی فکریں تھیں جو اسے کھائے جارہی تھیں۔

''اتنا پریشان مت ہوا کرو سعدی! سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' ماہ وش نے مسکرا کر اسے تسلی دی۔

اگلے روز ماہ وش نے اپنے بھائی اور ان کے دونوں بچوں کے ہمراہ روانگی اختیار کی۔ پیچھے گھر میں سب گھر والے تھے۔ مہمان تھے۔ اور سعدی تھا اپنے دھڑکتے دل کے ساتھ۔

شومئی قسمت، رات میں آپا باتھ روم میں پھسل کر گر پڑیں۔ شکر ہے کہ ہڈی تو محفوظ رہی مگر پیر میں موچ آگئی تھی۔ ان کی نقل و حرکت محدود ہو کر رہ گئی۔ کچن کا انحصار مکمل طور پر پری پر آگیا۔

گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے تو لائبہ کی امی نے اپنی ماسی سے کہہ دیا تھا۔ وہ اگلے روز سے آنے لگی۔ مگر وہ محترمہ جلدی جلدی سارے کمروں،

برآمدے اور صحن کی جھاڑو لگاتیں اور یہ جا وہ جا۔ ڈسٹنگ کا کہا تو دو چار ہاتھ جلدی جلدی مار کر اس ذمے داری سے بھی سبک دوش ہو جاتیں۔ پری کو کچن سے ہی فرصت نہیں تھی کہ وہ صفائی ستھرائی کا دھیان رکھتی وہ صبح کا ناشتہ بناتی۔ سب ڈیوٹی پر چلے جاتے، پھر وہ اپنا، امی، سعدی اور ممانی کا ناشتہ بناتی۔

آج بھی اس نے انڈے فرائی کیے۔ توس سینکے، کیک رسک نکالے۔ چائے بننے کو رکھی اور ناشتہ میز پر سجا دیا۔

''آج پراٹھے ہی بنا لیتیں۔ دو دن سے سلائس اور انڈے کھلا رہی ہو۔ میری امی روزانہ ڈبل روٹی نہیں کھاتیں۔'' سعدی نے چپکے سے سرگوشی کی۔

''اچھا، کل بنا دوں گی۔'' پری نے ہامی بھری، سب کے لیے چائے نکالی۔ اور چائے کا پہلا گھونٹ پی کر ہی سب سے پہلے امی بولیں۔

''اے ہائے پری! چائے تو چار لوگوں کے لیے بنائی اور چینی آٹھ افراد کی ڈال دی!''

''اوہ سوری امی، سوری ممانی، لائیں یہ واپس دے دیں۔ میں دوسری بنا دیتی ہوں۔'' پری بے چاری شرمندہ ہو گئی۔

''کوئی بات نہیں۔ تم آرام سے ناشتہ کرو۔ دوبارہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ یہی پی لیں گے۔'' سعدی کی امی نے مروت نبھائی۔ مگر سعدی نہ جانے کیوں جز بز ہو رہا تھا۔ پہلے تو اچھی خاصی چائے بناتی تھی۔ اب پتا نہیں کیا ہو گیا؟

رات کے کھانے میں کوفتے بنائے تھے ڈونگا لا کر دستر خوان پر رکھا تو سعدی نے دزدیدہ نظروں سے ڈونگے کا جائزہ لیا۔ سالن دیکھنے میں تو خوش رنگ تھا۔ خوشبو بھی اچھی آ رہی تھی۔ سبھی نے سب سے پہلے جلدی سے کوفتہ توڑ کر حسب عادت روکھا کھایا۔ اور چیخا۔

''کیسے ہو رہے ہیں یہ بالکل پھیکے۔ نمک نہیں ڈالا کیا؟''

''ڈالا ہے نا، گرہی میں ڈالا ہے۔'' پری نے اعتماد سے جواب دیا۔

''مگر یہ تو بالکل پھیکا ہے؟'' اس نے تھوڑا سا کوفتہ اور کتر لیا.....؟ اس میں نمک نہیں ہے۔

''ویسے تو باقی سارے مسالے ڈالے تھے۔ خشخاش، چنے، گرم مسالہ، ہرا دھنیا، ہری مرچیں، مگر نمک؟ نمک ڈالنا بھول گئی۔''

''کوئی بات نہیں، میری بیٹی نے پکا لیے۔ یہی بہت ہے۔ کوفتہ سالن میں توڑ کے کھا لو،'' ابو نے بیٹی کی حمایت کی۔

سعدی نے چپکے سے اپنی امی کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھا رہی تھیں۔ ان کے چہرے سے تاثرات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

''یا اللہ! میری نیا طوفان میں ہے۔ آپ ہی اسے کنارے لگا دیں۔'' سعدی نے دل ہی دل میں دعا کی۔

☆☆☆

ماسی سے کپڑے تو دھلوا لیے تھے۔ اب وہ دو دن سے سوکھ رہے تھے۔ امی کے لیے چلنا پھرنا دوبھر تھا۔ لڑکوں سے کہا تو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا۔ پری حسب معمول بھول ہی گئی تھی کہ کپڑے اتارنے بھی ہیں۔ پھر یاد آیا تو سارے کپڑوں کا گٹھڑ بنا کر ایک طرف رکھ دیا۔

سعدی کچھ گڑبڑایا ہوا سا تھا۔ کچھ پریشان سا تھا۔ کچھ کچھ دکھی بھی تھا۔ خدا جانے اس معصوم، بے چاری سی محبت کا کیا انجام ہو؟ اس نے تپائی کے اوپر اور میز کے نیچے سے پلیٹ گلاس اور مگ اٹھائے۔ ادھر ادھر دیکھا۔ امی کی آواز کمرے کے اندر سے آ رہی تھی۔ سعدی وہ جھوٹے برتن کچن میں رکھ آیا۔

''ارے آپ نے کیوں زحمت کی سعدی بھائی! میں لے آتی برتن، ایک تو یہ لڑکے بھی نا، جگہ جگہ برتن چھوڑ دیتے ہیں۔'' پری ہنڈیا بھوننے میں مگن تھی۔ قریب ہی کٹی ہوئی بھنڈیوں کا پیالہ رکھا تھا۔

''تم مجھے بھائی مت کہا کرو۔ اچھا نہیں لگتا مجھے۔''

''تو پھر کیا کہا کروں؟'' وہ بدستور ہنڈیا میں چمچ ہلا رہی تھی۔

''نام لیا کرو۔ جیسے سب لیتے ہیں۔''

''ڈانٹ پڑوائیں گے امی ابو سے؟'' وہ مبہم سا مسکرائی۔

سعدی نے ایک نظر اسے دیکھا۔ صاف شفاف چہرے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ جنہیں وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد صاف کر رہی تھی۔

''آپ گرمی میں کیوں کھڑے ہیں یہاں؟ کوئی کام ہے کیا؟''

''تم سے ایک بات کہنی تھی۔'' سعدی نے موقع غنیمت جان کر ساز دل اور راگ محبت چھیڑنا شروع کیا۔

''جی کہیے۔ پری نے بھنڈیاں، ہنڈیا میں ڈالیں۔ اس کی ساری توجہ اپنی ہنڈیا کی طرف تھی۔ کم از کم آج تو کھانے میں کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے روز کی طرح، کل تو ممانی چلی جائیں گی۔'' وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

''وہ..... مجھے کچھ کہنا تھا..... دراصل میں.....''

سعدی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے؟ کیسے کہے؟ سوچا تو بہت کچھ تھا مگر اب موقع ملا تو حلق خشک ہونے لگا۔ دماغ سے سارے خیالات اڑن چھو ہو گئے۔ لاکھ ہمت مجتمع کی مگر حال دل کہتے ہوئے زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

''سعدی.....'' امی اسے آواز دے رہی تھیں۔

وہ تیزی سے باہر نکلا۔

''جی۔''

''ٹکٹ کروا لیے تھے تم نے؟''

''منصور چاچو لیتے ہوئے آئیں گے شام میں۔ انہوں نے کہہ دیا تھا۔'' سعدی نے انہیں اطمینان دلایا۔ ادھر بڑی پھپھو کے پاس سائرہ آنٹی آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے رشتے کرانے کا نیا نیا کام شروع کیا تھا۔ منصور چاچو کے لیے لڑکیاں بلکہ لڑکیوں کی تصاویر دکھا رہی تھیں۔ پھپھو کو تو ساری ہی لڑکیاں اچھی لگ رہی تھیں لہٰذا فیصلہ منصور چاچو کی مرضی اور نظر انتخاب پر چھوڑ دیا گیا۔

آج شام روانگی تھی۔ پری نے دوپہر کے کھانے میں مٹن پلاؤ اور شامی کباب بنائے تھے سلاد، رائتہ اور میٹھے میں فیرنی اور شکر ہے آج کا کھانا بغیر کسی خامی کے ٹھیک ٹھاک بنا تھا۔

☆☆☆

گھر پہنچنے کے دو روز بعد ماہ وش کو دیکھنے مہمان آ گئے۔ انہیں لڑکی اچھی لگی۔ انہوں نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ بھیا بھابھی کو بظاہر تو وہ لوگ ٹھیک ہی لگے۔ انہوں نے اگلے اتوار وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

''سعدی میاں کا کیا کرنا ہے؟'' ابو جان، امی سے مخاطب تھے۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے بات کر رہے تھے کہ اپنا نام سن کر سعدی باہر ہی ٹھٹھک گیا۔

''کرنا کیا ہے۔ پروین (بڑی پھپھو) سے بات کرتے ہیں پری کے لیے۔ آپ کے بیٹے کی مرضی بھی وہیں ہے۔'' سعدی کو امی کا لہجہ ذرا سنجیدہ لگا۔ سعدی نے بس چند لمحے ہی سوچا پھر اندر چلا گیا۔

''آؤ صاحبزادے، تمہاری ہی بات ہو رہی تھی ابھی۔'' ابو خوش گوار موڈ میں تھے۔

''جی، میں یہی سن کر اندر آیا ہوں۔'' وہ امی کے قریب آ کر نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

''امی! آپ، صرف میری مرضی اور خوشی کی پرواہ نہ کریں۔ آپ کی مرضی اور خوشی میرے لیے اہم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ جیسی سگھڑ بہو کے خواب دیکھتی ہیں پری ویسی نہیں ہے۔ آپ جیسا چاہیں ویسا ہی کریں۔'' سعدی سخت جذباتی ہو رہا تھا۔

امی نے حیرت سے پہلے اسے دیکھا پھر

مسکرادیں۔

''آج کل کے لڑکوں کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ کہاں تو پہلے اس کے بغیر زندگی اندھیر تھی۔ اب میری مرضی پر چھوڑ دیا۔ اتنے بہادر نہ بنو۔ جیسے میں، تمہیں جانتی نہیں۔ رہی بات پری کی تو جو لڑکیاں کام کرنا چاہتی ہیں۔ گھر داری کا شوق رکھتی ہیں وہ شادی کے بعد بھی سیکھ لیتی ہیں۔ پری سگھڑ ہو نہ ہو، باادب ہے۔ تمیز دار ہے اور ذمے داری کا احساس رکھتی ہے۔ اتنا کافی ہے۔ باقی جو کچھ رہ گیا ہے، یہاں آکر سیکھ لے گی۔'' امی نے اس کے سر پر پیار سے چپت لگائی۔

''اف یہ امیاں، اتنی اچھی کیوں ہوتی ہیں؟''

سعدی مزید جذباتی ہوگیا اور شام میں جب وہ ماہ وش کے سر ہو رہا تھا کہ وہ بڑی پھپھو کو فون کرکے پری سے اس کی بات کروائیں تو اچانک ہی بڑی پھپھو، ان کے شوہر، پری اور ہنی گھر چلے آئے۔ ان کی صرف آمد ہی سرپرائز نہ تھی بلکہ ایک عدد سرپرائز وہ اپنے ساتھ بھی لائی تیں۔ رات میں ا ں نے ماہ وش اور منصور کے رشتے کی بات کی۔ خوشی کے مارے ان کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔

''اے ہائے، بتاؤ ذرا، ہماری عقل میں نہ آئی یہ بات ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا منصور، ایسی لڑکی ہو جو گھر میں سب کے ساتھ گھل مل کے رہ لے۔ اسی نے ماہ وش کا نام لیا۔ میں نے فوراً ہامی بھرلی۔ اس سے اچھی کیا بات ہوگی۔ میری بہن، میرے ہی گھر آجائے۔''

بڑے اپنی باتوں میں اور مستقبل کے لائحہ عمل کے بارے میں باتیں کررہے تھے۔ پری، ہنی اور سعدی انہیں شرارتی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ تنگ آکر وہ اٹھ ہی گئی مگر پری پیچھے پیچھے ان کے کمرے تک آگئی۔

''بتایا نہیں آپ نے، آپ ہماری چاچی بننے میں خوش ہیں یا نہیں''

''بعد میں بتاؤں گی۔'' ماہ وش کی مسکراہٹ بڑی دلکش تھی۔

''بعد'' اور ''کل'' تو کبھی آتی ہی نہیں۔ آپ ہی کا قول ہے۔''

''بتاؤں ابھی۔'' ماہ وش کھڑی ہوئی۔

''ابھی رک جائیں۔ میں تھوڑی دیر میں آکر سنتی ہوں۔'' پری کو خالہ کے ارادے خطرناک لگے۔ وہ کمرے سے بھاگ نکلی۔ سیڑھیوں پر سعدی سے ٹکراؤ ہوگیا۔

''پری! ایک بات بتاؤں تمہیں۔'' سعدی سے اپنی خوشی سنبھالنا اور ہضم کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

''خالہ کو منصور چاچو لے جائیں گے اور تمہیں ہم اپنے گھر لے آئیں گے۔''

پری کی پلکیں جھک گئیں۔ رنگ گلابی ہونے لگا۔

''تم جانتی نہیں ہو، تم کتنی اچھی لگتی ہو مجھے۔ میں تم سے۔''

''میں جانتی ہوں۔'' ریلنگ کے سہارے ٹکی پریشے نے اپنا آنچل سنبھالا۔

''تم کیسے جانتی ہو؟ میں نے بہت کوشش کی مگر آج تک کچھ کہہ نہیں سکا۔'' سعدی حیران تھا۔

''ہر بات کہنے کی نہیں ہوتی۔ کچھ باتیں ہم لڑکیاں خود بھی سمجھ جاتی ہیں۔'' پری کی مسکراہٹ بڑی شرمیلی تھی۔

''تم..... تم سمجھتی تھیں سب کچھ؟ جانتی تھیں میری فیلنگز؟ پھر بھی ہر وقت ''سعدی بھائی'' کی رٹ لگا کر رکھتی تھیں۔'' سعدی کی بے یقین آواز میں شکوہ سمٹ آیا۔

''وہ تو بس یونہی آپ کو تنگ کرنے کے لیے۔''

پری اب ہنس رہی تھی اور ہنستے ہنستے اس نے ذرا پلکیں اٹھا کر سعدی کی طرف دیکھا۔ جس کو غصہ آتے آتے کہیں اڑن چھو ہوگیا تھا اور پری کے ساتھ ساتھ اب وہ خود بھی ہنس رہا تھا۔

☆☆

زوبی ظفر شیخ

راجدھانی

سالن بنا کر فریج میں رکھ دیا ہے ابا آئیں گے تو روٹیاں بنالینا۔ چھت پر کپڑے پھیلائے ہیں وہ بھی اتار لینا اور ہر وقت موبائل میں نہ لگی رہنا کچھ دھیان گھر کی طرف بھی دے لینا۔

کپڑوں پر استری پھیرتے ہوئے وہ مسلسل اسے نصیحتیں کر رہی تھیں۔ جو آہستہ آہستہ روٹی ٹونگ رہی تھی۔

''جی امی! سن لیا ہے۔ رکھوں گی دھیان، پہلے بھی تو رکھتی ہوں۔''

''پتا ہے مجھے جیسے رکھتی ہو، ایک کام کرتی ہو، سو بگاڑتی ہو۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

جب باہر آئیں تو ہلکے گلابی کپڑوں پر کالی چادر اوڑھے جانے کو تیار تھیں۔

''تھوڑی دیر میں تمہاری دادی اماں بھی آجائیں گی تو تم اکیلی نہیں ہوگی۔'' وہ عادتاً لمبی بات کرتی تھیں۔ ''میں کوشش کروں گی، کل تک آجاؤں رشتہ داری کا معاملہ نہ ہوتا تو نہ جاتی۔''

انہوں نے جھک کر اس کا سر چوما اور دروازے کی طرف بڑھیں۔

''دروازہ بند کرلو اجالا!''

وہ سنی ان سنی کر کے تخت پر لمبی لیٹ گئی اور برتن ایک طرف کھسکا دیے۔ اب کون سا امی دیکھ رہی تھیں۔

شام ڈھلے ابا اور دادی اماں ساتھ ساتھ ہی گھر میں داخل ہوئے، تب تک وہ سستی بھگا کے سارا کام کر چکی تھی برتن دھو لیے، کپڑے بھی اتار لیے۔ بس روٹیاں بنانی رہ گئی تھیں۔

''السلام علیکم!'' اس نے انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹے! یہ اماں کا شاپر اندر لے جاؤ۔'' ابا نے کپڑوں کا شاپر اسے تھمایا۔

''اماں! آپ ابھی کھانا کھائیں گی یا چائے پئیں گی؟''

''نہیں اشفاق احمد! میں تو کھانا ہی کھاؤں گی اب۔''

''جی اچھا! اجالا بیٹے اماں اور میرے لیے کھانا لے آؤ۔''

''ابا روٹیاں بنانی رہ گئی ہیں بنا کر ابھی لاتی ہوں۔''

وہ کہتی ہوئی کچن کی طرف مڑ گئی۔ ایک چولہے پر توا رکھا اور ساتھ ہی چائے کا پانی بھی رکھ دیا کہ ابا کھانے کے فوراً بعد چائے پیتے تھے۔ پیڑے پہلے بنا کر رکھ لیے تھے جو اب نرم ہو چکے تھے سو ان کو بیلنا شروع کر دیا۔

امی آلو گوشت کا سالن بنا کر رکھ گئی تھیں، نکال کر گرم کیا ابا اور دادی دونوں کو کھانا دے آئی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ پھوہڑ یا کام چور تھی بس ذرا لاپروا تھی۔ من مرضی سے کام کرتی لیکن امی کے پیچھے کسی کو شکایت نہ ہوتی سوائے امی کے۔ اب بھی وہ پھرتی سے کام نپٹا رہی تھی۔ باہر دادی اور ابا باتیں کرتے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔

''اماں! آپ یہ بتایے اشتیاق کی طرف سب خیریت ہے؟'' دادی چھوٹے چاچو کے ساتھ رہتی تھیں۔

''ہاں سب ٹھیک ہے۔ یہ زلیخا کی چچازاد بہن کو کیا ہوا اچانک؟''

''اچانک نہیں اماں کافی عرصے سے بیمار تھیں اور کوئی قریبی رشتے دار بھی نہیں ہے اس لیے تو زلیخا کو جانا پڑا۔''

''اللہ مغفرت کرے۔ آمنہ راضی ہے اپنے گھر؟''

''جی اللہ کا شکر ہے، وہ بھی تو گئی ہے اپنی ماں اور ساس کے ساتھ اوکاڑہ۔ کہہ رہی تھی واپسی پر ادھر آئے گی۔''

آمنہ اس کی بڑی بہن تھی جو خالہ کے گھر بیاہی ہوئی تھی۔

کھانے کے بعد اس نے ابا اور دادی کو چائے دی اور کچن سمیٹ کر کمرے میں آ گئی۔

''کل امی آجائیں تو فراغت ہی فراغت ہے۔'' سوچتے ہوئے اس نے اطمینان سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

اگلی دوپہر اس کے کالج سے گھر پہنچنے تک امی اور آمنہ بھی آ چکی تھیں، ساتھ اس کا گل گوتھنا حذیفہ بھی تھا۔ امی اور آمنہ سے مل کر وہ اس سے کھیلنے لگی۔

''اجالا!'' امی نے کچن سے پکارا۔

''جی امی؟''

''یہ فریج میں کالک کیسے لگی ہے؟''

''کیا امی؟ کچھ بھی تو نہیں ہے۔'' وہ کچن کے دروازے تک آ گئی۔

''کیسے کچھ نہیں ہے؟ یہ دیکھو۔''

انہوں نے فریج کا دروازہ کھول کر اسے دکھایا۔

''امی! آپ نے ہی تو یہ دیگچی رکھی تھی دودھ کی کہ آپی آئیں گی تو کھیر بنانی ہے۔''

''یہ میں نے نہیں رکھی تھی، میں نے رکھی ہوتی تو مجھے بھولتی؟'' انہیں اچھا خاصا غصہ آ گیا۔

''امی! میں نے.....'' اس نے کچھ کہنا چاہا جب آمنہ نے اسے پکار لیا۔

''جاؤ اب جا کر بہن کی بات سنو۔ ہر کام خراب کر دیتی ہو پتا نہیں دھیان کہاں ہوتا ہے؟'' وہ کچن سے نکل آئی مگر پیچھے امی کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

''جی آپی؟ آپ نے بلایا تھا۔'' وہ بے زار سا منہ بنا کے اس کے پاس آ بیٹھی۔

''میں پچھلی دفعہ آئی تھی تو اپنے اور حذیفہ کے کپڑے چھوڑ گئی تھی، وہ مجھے نکال، دو کہاں رکھے ہیں۔'' وہ بیگ میں منہ دیے بولی۔

''اف! اب وہ پتا نہیں کہاں رکھ دیے، امی پہلے ہی ناراض ہو رہی ہیں۔'' اس نے سوچا۔

''اجالا! کیا ہوا؟ کپڑے لے آؤ۔'' اس نے گم صم بیٹھی اجالا کا گھٹنا ہلایا۔

''جج جج جی! ابھی لاتی ہوں۔'' وہ بوکھلا کر اٹھی اور اندر آتی امی سے ٹکرا گئی جو حذیفہ کے لیے دودھ گرم کر کے لا رہی تھیں۔

''آ آ آف امی جی میرا پاؤں۔''

گرم دودھ اس کے پاؤں پر گر گیا تھا۔ آنکھوں سے فوراً آنسو جاری ہو گئے۔

''میں کہاں جاؤں اس لڑکی کو دیکھو، لوٹھا کی لوٹھا ہو گئی پر عقل نام کو نہیں، ہر چیز سے ٹکراتی پھر رہی ہے ایک دن گھر سے نکلی ہوں تو گھر کا کوئی حال نہیں چھوڑا۔'' امی تو شروع ہو گئیں۔

''آپ تو بس جب سے آئی ہیں، موقع ڈھونڈ رہی ہیں ڈانٹنے کا۔ پتا نہیں کیا ہو گیا ہے آپ کو۔'' وہ روتے ہوئے غصے سے بولی۔

''مجھے کیا ہو گیا ہے؟ آمنہ دیکھ رہی ہے اس کی زبان سارا دن فارغ بیٹھی آرام کرتی ہے اور ماں کچھ کہہ دے تو آنکھیں دکھاتی ہے۔''

وہ جو ہکا بکا ان دونوں کو دیکھ رہی تھی آگے بڑھی۔

''امی! چپ ہو جائیں۔ آپ یہاں بیٹھیں۔''

آمنہ نے ان کا ہاتھ تھام کر بٹھایا اور پانی کا گلاس تھمایا وہ کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

''آپ پانی پئیں، میں اسے دیکھتی ہوں۔'' وہ اس کے پیچھے لپکی۔

''اجالا!'' وہ اوندھے منہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ اٹھ کر اس سے لپٹ گئی چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

''کیا ہو گیا ہے اجالا؟ چپ ہو جاؤ۔'' اس نے اس کی پشت سہلائی۔

''آپی! امی ہر دفعہ یہی کرتی ہیں جب بھی باہر جاتی ہیں، انہیں واپسی پر ہر چیز میں خرابیاں نظر آتی ہیں، میرا کوئی قصور بھی نہیں ہوتا پھر بھی ڈانٹتی ہیں۔''

وہ سوں سوں کرتی اسے بتا رہی تھی۔

''تمہیں پتا ہے چندا! جب میں تمہارے جتنی تھی مجھے بھی امی سے یہی شکایت تھی۔''

اس کے چہرے پر حیرانی آ گئی۔

''سچ کہہ رہی ہوں۔ امی کو کوئی کام پسند نہ آتا۔ مجھے ڈانٹ پڑتی تو میں بھی اسی طرح رونے بیٹھ جاتی۔'' وہ ایک پل کو رکی۔

''پھر ایک دن جب ابا نے مجھے روتے دیکھا۔'' وہ جیسے اس شام میں واپس پہنچ گئی تھی۔ جہاں ابا نے اسے اپنے پرشفقت حصار میں لیے پوچھا تھا۔

''آمنہ بیٹے! تمہاری کتنی سہیلیاں ہیں؟''

''بہت ساری ہیں ابا۔''

''تمہاری امی کی کتنی سہیلیاں ہیں؟'' ابا کے سوال پر وہ ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی امی رشتے داروں کے علاوہ بہت کم کہیں جاتی تھیں۔

''آں..... پتا نہیں ابا۔''

''تمہاری امی کی سہیلی یہ کچن ہے بیٹے، یہ دالان ہے، یہ کمرے ہیں۔ وہ سارا دن یہاں گزارتی ہیں۔ ان سے اپنا دکھ سکھ کہتی ہیں گھر ہی عورت کی سب سے بڑی راجدھانی ہوتا ہے، جس میں وہ کسی کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتی اس لیے بیٹے اپنی امی کے سخت رویے کو برداشت کر جایا کرو۔ سمجھی میری بیٹی؟''

انہوں نے پیار سے سر پر چپت لگائی۔

''جی ابا۔'' وہ کہہ کر ابا سے لپٹ گئی۔

''اپنی ماں کی راجدھانی قائم رکھنے کے لیے یہ سودا مہنگا تو نہیں ہے اجالا؟''

یادوں سے واپس آتے اس نے اجالا سے سوال کیا۔

''بالکل نہیں آپی! چلیں امی کو مناتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اپنی ماں کی راجدھانی کو قائم رکھنے کے لیے یہ کوئی بڑی قربانی تو نہیں تھی۔

☆☆

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ بہت سے علاقے لاک ڈاؤن کی زد میں ہیں جس کی بناء پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔ ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو مارچ یا جون کا پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/70 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بنک اکائنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 03172266944 میں رقم بھیج کرسکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/840 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام "عمران ڈائجسٹ، اکاؤنٹ نمبر 0010000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے PK44ABPA0010000015680030" کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہوا تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ -/7000 روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/8000 روپے،

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس اپ نمبر 03172266944 پر رابطہ کریں

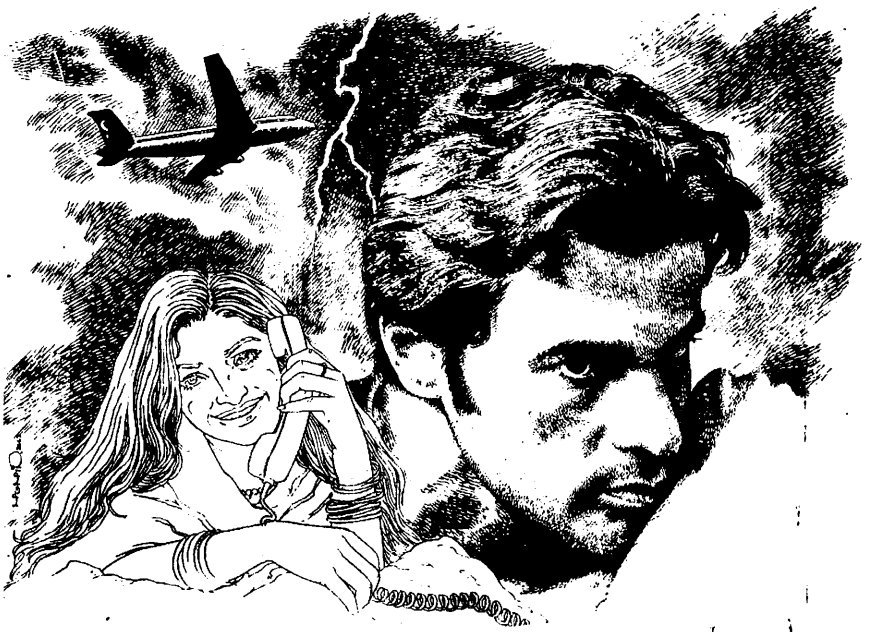

فرزانہ کھرل

اجنبی کون ہو تم

آج کئی ماہ بعد وہ پھر سے قیمتی پینٹنگ سے سجی اس دیوار کے ایک کونے میں آویزاں کیلنڈر کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ وہاں کھڑا کیلنڈر کو کافی دیر گھورتا رہا۔ جہاں گنتی کے ہندسوں کے سوا کچھ بھی خوش نما نہیں تھا۔ پہلے وہ چھوٹا تھا لیکن اب نو، دس سال کا نجش اتنا تو سمجھنے لگا تھا کہ اس کیلنڈر میں پندرہ اعداد تھے جن میں اس کی ممی کی دنیا سمٹ چکی تھی، اب وہ سوچتا کچھ سالوں بعد وہ بڑا ہو جائے گا تو اپنی ممی کو ان بدنما ہندسوں کے حصار سے کھینچ نکالے گا۔ ہر بار ایسا سوچتے ہوئے اس کی معصوم آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی۔

وہ قدموں کی مانوس آہٹ پہ چونکا اور گردن گھما کے سیڑھیوں کی طرف دیکھا پھر وہ سٹنگ ایریا کی طرف دوڑا۔ اور اپنی نشست پر نیم دراز ہو کے اپنی آنکھیں ایل ای ڈی کی فل سائز اسکرین پہ جما دیں، جہاں اس کی فیورٹ کارٹون مووی آ رہی تھی۔ ممی کولاؤنج سے گزر کے ہی کچن میں جانا تھا، وہ بیٹے کی طرف مسکراہٹ اچھالتی ہوئی آگے بڑھ گئیں جو اس وقت ماں کی ایک ایک جنبش کو نوٹ کر رہا تھا۔ اس کی ممی نے نیلا لباس پہن رکھا تھا۔ ان کے لمبے گھنگھریالے بال جوڑے کی صورت بندھے تھے، وہ نجش کو اس حلیے میں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ممی اگر پینٹنگز سے سجی اس دیوار کے پاس رک گئیں تو پھر منظر بدل جائے گا، اس کی ماں سرتاپا بدل جائے گی۔ ابھی کچن کا دروازہ کچھ ہی

آ گئے تھا کہ وہ ٹھٹکیں اور پھر رک گئیں۔ بخش کی نگاہ ماں پہ ہی جمی تھی، کیلنڈر پر نمایاں ہوتا اک سرخ حاشیہ اس کی ممی کو مقناطیس کی طرح کھینچنے لگا تھا۔ وہ چار قدم پیچھے ہٹیں، وہ بھی آج کئی ماہ بعد دیوار پہ لگے کیلنڈر کے سامنے کھڑی تھیں مگر وہ بیٹے کی طرح وہاں زیادہ وقت نہیں لگتیں۔ ان کے چہرے پہ گھبراہٹ نمایاں

مکمل ناول

ہوئی، اب وہ زینہ پھلانگ رہی تھیں، اس لمحہ بخش کی آرام دہ فوم کی سیٹ میں کوئی کانٹا سا اُگ آیا تھا جس کی چبھن محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ماں کو نیچے آتے دیکھا اب وہ سفید لباس میں تھیں۔

ان کا خوش نما جوڑا۔ اب سیدھی چوٹی میں بدل چکا تھا۔ بخش نے ماں کے وجود سے نگاہ پھیر کے جب سامنے دیکھا تو وہ شرارتی کارٹون کہیں غائب ہو چکے تھے۔ وہ اب تاریک اسکرین کو تک رہا تھا۔ اس کی ممی کا سفید لباس باقی ہر رنگ نگل چکا تھا۔

☆☆☆

''خاندان میں سے جس جس کو مدعو کرنا تھا، میں انہیں فون پہ انوائٹ کر چکی ہوں، اب آس پڑوس ہی رہ گیا ہے لیکن ہاشم میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ان ڈپریسڈ حالات میں سب کو فیس کرنا ہمارے لیے آسان ہوگا کیا۔''

وہ ہاتھ میں موجود کرسٹل باؤل میں چمچہ ہلاتے ہوئے بولی تو ہاشم نیازی نے کسی گہری سوچ سے چونک کے اسے دیکھا۔

''کیوں ایسا کیا ہو گیا ہے اور تم کس ڈپریسڈ سچویشن کی بات کر رہی ہو۔'' وہ پیشانی پہ شکن ڈالے بنا یوں سکون سے گویا ہوا کہ نادیہ نے کرسٹل باؤل پہ گرفت مضبوط کرتے ہوئے شوہر کی سنجیدہ نگاہ پہ گڑبڑا کے ادھر اُدھر دکھا۔

''میرا یہ مطلب تھا کہ ابھی یہ مسئلہ مکمل طور پر سولو ہو جاتا تو..... اس لیے یہ ڈنر دو تین ہفتوں بعد رکھ لیتے ہیں۔'' اب کے وہ ذرا سنبھل کے بولی۔

''دو، تین..... ہفتے۔'' ہاشم نے یہ لفظ حیرانی سے دہرائے۔ ''دو تین ہفتوں میں بہت سارے گھنٹے ہوتے ہیں اور ہاشم نیازی لوگوں کی زبانوں کو منٹوں میں بند کرنا جانتا ہے۔'' وہ بیوی کی پوری کھلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خفیف سا مسکرایا پھر یوں بے نیازی سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی کہ نادیہ شوہر کو دیکھ کے رہ گئی۔

ان باپ بیٹے کے نزدیک کوئی واقعہ بھی خاص نہیں ہوتا۔ نادیہ کے مزاج کی تلملاہٹ ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ ان کا اکلوتا بیٹا جو کہیں بھی سیٹلڈ نہیں تھا جو بزنس کے بہانے اپنا زیادہ وقت انگلینڈ میں گزارتا تھا۔ اس بار برائی ـــــ اس کے تعاقب میں تھی کہ اسے پاکستان آئے ابھی ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا اور زیان نیازی کو ڈکیتی کے ایک کیس میں مشتبہ قرار دیا جا رہا تھا۔

اب خاندان والوں اور حلقۂ احباب کی چہ میگوئیاں ہاشم جیسے مضبوط اعصاب کے مالک انسان کو ناقابل قبول تھیں، اس نے زیان کے اس معاملے کو تقریباً ہینڈل کر لیا تھا، لیکن فیملی اور دوست احباب پہ سب ٹھیک ہے جیسی صورت حال کو بھی تو ثابت کرنا لازم تھا گویا یہ دعوت زیان کی بے گناہی کا واضح ثبوت تھی۔

☆☆☆

''آج روشنی کی برسی ہے اور تم گلابی رنگ پہنے کون سی عید منا رہی ہو۔'' شاہنواز کی چنگاریاں اگلتی آواز اس کے کانوں کے پردے چھیدتی اس کے اندر اُتر کر روح تک جھلسا دیتی تھی۔ وہ کیا کرتی کہ یاد رکھتے..... رکھتے جانے کیا ہوتا کہ وہ روشنی کی برسی کی تاریخ اچانک بھول جاتی پھر اسے اپنی کمزور یادداشت کی سزا، ان طعنوں تشنوں کی صورت بھگتنا پڑتی۔ وہ اس کے بھائی کا جرم تھا یا خطا تھی مگر اس کی سزا آیت بھگت رہی تھی۔

بخش جب چھوٹا تھا تو اسے ماں کا سر جھکا کے کھڑے رہنا اور باپ کا اس پہ چیخنا چلّانا سمجھ میں نہیں آتا تھا، وہ جانتا تھا کہ ممی سے کچھ غلط نہیں ہوا۔

وہ کلاس ون میں تھا جب ایک دن اس کی کلاس ٹیچر نے دیوار پر نئے سال کا کیلنڈر لگاتے ہوئے تمام بچوں سے ان کی سالگرہ کی تاریخ پر دائرہ بنوایا تھا۔ بخش کی عادت بن گئی کہ سال بدلتے ہی اسے کیلنڈر خریدنے کی جلدی ہوتی۔ وہ اپنی برتھ ڈیٹ پر سرکل بنانے کے بعد آیت سے بھی یہی مطالبہ کرتا تو وہ ہر بار مسکرا کے ٹال مٹول سے کام لیتی کہ وہ نہیں جانتی۔ مگر وہ دیکھتا کہ اس کی ممی تین تاریخوں کے گرد دائرہ کھینچ دیتیں اب دو تین سالوں سے ان تاریخوں پر بھی بخش ہی دائرہ بنا دیتا۔ یکم جولائی اس دن روشنی پیدا ہوئی تھی۔ پھر آٹھ اکتوبر یہ روشنی کی رخصتی کا دن تھا۔ تیس مارچ جس دن روشنی نامی وہ لڑکی صرف چوبیس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گئی تھی جو بخش کی اکلوتی پھوپھی تھی۔

گزشتہ نو سالوں سے آیت کی زندگی ان تین تاریخوں کے بھنور میں ڈوب چکی تھی۔ اس پر اب روشنی کے سوگ کو طاری رکھنا لازم قرار دیا جا چکا تھا۔ ہاں مگر ایک دن اور بھی تھا کہ آیت کی پوریں سوگ کا ہالہ پاٹتی ہوئی جب اس تاریخ پر انگشت شہادت سے حصار باندھتیں تو وہ پور سرخ ہو کے یوں اکڑ جاتی جیسے گھنٹوں برف تلے دبی رہی ہو۔

وہ ایک دھند بھری سرد تاریخ تھی۔ سالوں گزرنے کے باوجود آیت نے اس دن اسلام آباد میں کبھی سورج کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ اب بھی اس کی تاریخ ساکن پور کے نیچے جنوری کا پہلا دن ایک ایسی نظم سنانے لگتا جو اسے آدھی یاد تھی باقی ایک مقفل الماری میں پڑی ڈائری میں شاید دیمک زدہ ہو چکی تھی۔

میں نہیں جانتا یہ سب کیا ہے
مگر ایسا ہوا ہے کہ!
ان رنگریز آنکھوں نے
میری سیاہ پلکوں کو سنہرا سا کر دیا
اور اب میں.....

وہ اس نظم کا اگلا حصہ بھول چکی تھی جو یاد کرنے پر بھی حافظے میں نہیں آتا تھا۔ وہ بے قصور تھی اس کی ادلے بدلے کی شادی ہوئی تھی اس لیے کئی سال پہلے جس دن روشنی کو کفنایا گیا۔ اسی دن آیت کو روشنی کا سوگ اوڑھا کر حویلی بدر کر کے اس شان دار کوٹھی میں پھینک دیا گیا تھا۔

وہ اس عالم سوگ میں رہتے ہوئے بھی اس ادھوری نظم کے تانے بانے بنتی رہتی۔ وہ یکم جنوری کے ہر پہر میں اس نظم کو مکمل کرنے کی کوششوں میں ہزاروں لفظ تلاشتی رہ جاتی۔

☆☆☆

''آس پڑوس سے بھی کسی کو دعوت پر بلانا ہے تو میں انہیں خود کہہ آؤں گی۔'' نادیہ کی کل وقتی ملازمہ تارا خالی باؤل ٹیبل پر رکھتے ہوئے پُرجوش ہو کر بولی، اس کی نگاہ نادیہ کے ماسک زدہ چہرے پر جمی تھی۔ نادیہ نے تارا کی بات پر جھٹ سے آنکھیں کھولیں اور اسے گھور کے دیکھا۔

''جانتی ہوں کہ تمہیں پھرنے پھرانے کا بڑا شوق ہے لیکن ابھی حال ہی میں ہمارے دائیں بائیں نئے لوگ شفٹ ہوئے ہیں اور میں آس پڑوس سے یوں فٹافٹ تعلقات استوار نہیں کرتی۔'' وہ ہاتھوں پر ماسک درست کرتے ہوئے تنک کے بولی۔

ہاشم نے فون سے نگاہ ہٹا کر اپنی لاڈلی مسز کو دیکھا پھر نگاہ موڑ کے سر جھٹکا، وہ پتا نہیں چہرے پر کیسا دلیہ تھوپ کے بیٹھی تھی تارا اس کے پاؤں کا مساج کر رہی تھی۔

''اب اللہ ہی جانے ہمارے دائیں بائیں ان نئے پڑوسیوں کی خواتین کس ایج کی ہوں گی۔ اگر وہ ساری بڈھی کھوسٹ ہوئیں تو۔'' اس نے جملے کے اختتام پر ناک چڑھائی تو ہاشم بے ساختہ مسکرایا اور فون کی روشن ہوتی اسکرین پر نگاہ ڈالی۔ جہاں اس کی تیسری بیوی مونا کی کال آ رہی تھی۔ نادیہ میں کچھ ایسا خالص پن تھا کہ وہ مونا جیسی طرح دار اور اداساز عورت سے دامن چھڑا کے اپنا زیادہ وقت زیان ہاؤس میں گزارتا تھا۔

''واؤ مما ہو تو ایسی ہو۔ سو نائس، اب سچ میں بڈھی کھوسٹ نیبرز سے ہمیں کیا لینا دینا۔'' ہاتھ میں جلتی سگریٹ کی راکھ کو جھاڑ کے ہنسا۔ صوفے پر ـــــــ نیم دراز ہاشم بیٹے کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے مسکرایا۔

''آپ نے اپنا خوب صورت قہقہہ ضائع کیا کیونکہ یہ عمر رسیدہ ہمسائیگی کے خدشات میرے یا آپ کے سبب نہیں۔ بلکہ آس پڑوس کا سرسبز و شاداب ہونا تمہاری مما اپنی صحت کے لیے اچھا سمجھتی ہیں۔''

شوہر کے لب و لہجے سے ٹپکتی شرارت نے نادیہ کو خاصا جز بز کیا لیکن چہرے کا ٹائٹ ہوتا ماسک اسے جواب دینے سے روک رہا تھا۔ بیٹے نے سگریٹ سلگا رکھی تھی۔ باپ سگار سلگا رہا تھا۔ وہ اس منظر پر سلگ ہی تو گئی۔

بات سرسبز شاداب پڑوسیوں کی ہو رہی تھی تو کیسے ممکن تھا کہ زیان کو وہ یاد نہ آتی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا

آج سے نو سال قبل ان کے عین سامنے شفٹ ہونے والی فیملی سے جب اس کی ممانی کے آئی تھیں تو وہ اس آیت نامی ہمسائی کی گرویدہ ہوگئی تھیں۔ پھر اگلے ہی روز اسے چائے پر انوائٹ کرلیا گیا۔ زیان نے دیکھا نہ تو وہ پیاری تھی نہ خوب صورت تھی۔ وہ اپنی خالی آنکھوں اور سفید چہرے کے ساتھ ایک روح کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ وہ زیان کو یوں آنکھیں پھاڑ کے دیکھ رہی تھی۔ جیسے اسے نگل ہی جائے گی۔ اس کی سگریٹ نے لو پکڑلی تھی انگلی جلنے لگی تو وہ چونکا۔

''یہ آپ کن مشکلوں میں پڑی رہتی ہیں۔'' اس نے ماں کو دیکھ کے جھرجھری سی لی۔ اس کا اشارہ ان گھریلو ٹوٹکوں ـــــ کی طرف تھا۔ (کیونکہ تم صرف چند دنوں سے گھر میں قید ہو ورنہ تو ماں کی شکل دیکھے مہینوں گزر جاتے ہیں۔'' وہ یہ سب سوچ کر رہ گئی)۔

''دوسری جانب ہمارے رقیب ہیں جو بیوٹی سیلونز میں لاکھوں لٹا آتے ہیں۔'' وہ باپ پہ محظوظ سی نگاہ ڈالتا شرارت سے بولا۔

وہ بیٹے کے معنی خیز جملے کو انجوائے کرتا ہوا گہری مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''جناب یہاں بھی لاکھوں ہی لٹائے جاتے اگر تمہاری ممی کو ان سیلونز پروڈکٹس سے اسکن الرجی کا مسئلہ نہ ہوتا۔'' نادیہ نے اسے نشست چھوڑتے دیکھا۔

''تو بس ٹھیک ہے ہم کچھ دنوں تک انگلینڈ چلتے ہیں وہاں اسکن ٹریٹمنٹ ایسے جدید طریقوں سے ہوتی ہے کہ۔'' ہاشم چند قدموں کے فاصلے پر رکا اس نے بیٹے کو دیکھا تو اس کے ماتھے پر شکنیں تھیں۔

''انگلینڈ جانا تو تو دور کی بات ہے فی الحال تو تم اس سیکٹر سے بھی باہر نہیں جاسکتے۔''

وہ بیٹے کی آنکھوں میں دیکھ کے بولا پھر گہری سانس لیتے ہوئے دروازہ عبور کرگیا۔ اس نے ـــ بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا جس کی حالت بیٹے سے دو ہاتھ آگے ہی تھی کہ شوہر سوکن کے پاس جارہا تھا وہ اسے روک بھی نہیں سکتی تھی۔ (اف یہ ماسک)

''میں شام میں آیت بی بی کو دعوت کا بلاوا دے آؤں گی۔''

وہاں کچھ دیر کو خاموشی چھائی تو تارا نے گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا۔

اس بے چاری کے پاؤں میں کھجلی ہو رہی تھی، زیان جو باپ کا حکم سن کے ساکن تھا وہ اس نام پر چونکا اس نے ایک اور سگریٹ سلگانا چاہی تو نگاہ اس انگلی پر پڑی جو پچھلی سگریٹ کی لو سے اک ذرا جھلس گئی تھی۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں آیا اور سائیڈ ٹیبل کھول کے اندر سے برنال برآمد کی۔ پھر دیوار گیر کھڑکی کی طرف آیا اور پردہ ہٹا کے سامنے کی شاندار عمارت کو دیکھا جہاں ایک روح رہتی تھی۔ اس نے دوسری بار آیت کو اپنے گھر کے لان میں ایک بچے کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ حیران ہوا۔ وہ ایک لڑکی ہی دکھتی تھی۔ اس دن بھی وہ ریان کو بے اختیاری میں دیکھے گئی۔

''اجنبی کون ہو تم؟'' وہ اس کی آنکھوں کا سوال سمجھ کے چونک گیا تھا۔

وہ جب بھی پاکستان آتا تو محسوس کرتا کہ ان آنکھوں نے اس سے کچھ ہوا جیسا تعلق باندھ رکھا تھا وہ آنکھیں بات کرتی تھیں۔ نہ بحث کرتی تھیں وہ اسے لمحہ بھر دیکھ کے واپسی کے راستے پر مڑ جاتیں پھر اس لمحہ بھر کے سفر سے بھی مکر جاتیں۔ وہ عمر میں اس سے بڑی تھی شادی شدہ تھی، سمجھ دار تھی۔ وہ جب الجھن کا شکار ہوا تو ایک دن نادیہ کی غیر موجودگی میں سامنا ہوتے ہی وہ ہلکی سی شرارت میں گھر کے اس کے حلیے کو جانچتا اس کے سامنے ٹھہر گیا۔ آیت کا سکتہ ٹوٹا، وہ خود کو میرڈ اور ایک بچے کی ماں سمجھتے ہوئے زیان یا پھر کسی بھی نامحرم سے کسی بھی غیر اخلاقی رویّے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ (اس اجنبی چہرے پر شناسائی کے سوا سب کچھ ویسا تھا) اس نے نگاہ جھکا کے رخ بدل کے آگے بڑھنا چاہا تو وہ تیزی سے مخاطب ہوا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ ہم پہلے کہیں مل چکے ہیں۔''

وہ اس کے سٹپٹائے انداز کو انجوائے کرتا ایک دلکش

مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

آیت کون تھی۔ وہ اسے کس نظر سے دیکھتی تھی اس کے گھریلو مسائل کیا تھے؟ زیان کو اس سے کچھ سروکار نہیں تھا۔ وہ ہر اس عورت میں دلچسپی رکھتا تھا جسے وہ خود میں انوالڈ پاتا۔ وہ اس کے سوال پر گڑبڑائی۔

''نن..... نہیں وہ دراصل مجھے آپ پہ کسی اور کا گمان گزرتا ہے۔ میں نے اس کو اتنے سالوں بعد دیکھا۔'' وہ بری طرح ہنسی تھی۔ ''مطلب تمہیں دیکھ کے مجھے اپنا کزن یاد آجاتا ہے۔''

اس نے اپنی عمر سے تین چار سال چھوٹے زیان سے لفظ آپ کا بوجھ اتار پھینکا۔ زیان نے جواب میں ایک آسودہ سانس بھرا۔

'' اوہ گاڈ! میں ڈر گیا تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہہ دو کہ تمہیں دیکھ کے مجھے اپنے ماموں یا چچا یاد آجاتے ہیں۔'' اس نے بھی اسے مخاطب کرتے ہوئے لفظ آپ کو بیچ سے ہٹا دیا۔

''اور میں سمجھا کہ تم پہلی ہی نظر میں میری محبت کا شکار ہو چکی ہو۔'' اس جملے کی شرارت پر وہ سُن ہوئی۔

''تم مجھے آپ یا آنٹی کہہ سکتے ہو۔'' وہ لمحوں میں سنجیدہ ہوئی۔ وہ بدمزہ ہو کے اچھلا۔

''واٹ اے جوک۔''

☆☆☆

پھر کبھی مہینوں بعد بھی سامنا ہوتا تو وہ اسے تنگ کرتا۔ ''تم تو کبھی اظہار نہیں کرو گی۔ مگر میں تمہاری محبت میں ــــ مبتلا ہوں۔'' اس کی مسکراتی آنکھیں جیسے آیت کا مذاق اڑاتیں..... ان گزرتے سالوں میں آیت اس کے کچے چھپے سے واقف ہو چکی تھی۔ وہ زیان کا آوارہ مزاج سمجھتی تھی اور اس کی باتوں کو سیریس لینے کے بجائے مسکرا دیتی تو کبھی گھور کے رہ جاتی۔

ایک سال پہلے زیان نے ہاسپٹلائزڈ آیت کو جس حالت میں دیکھا تھا۔ تو اس کے خیال میں اس کا بچنا ناممکن تھا۔ وہ اس کے زرد رو چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا پایا۔ وہ اس کی بند آنکھوں سے خوف زدہ ہوا۔ کاش وہ آنکھیں کھولے اور وہ اس کے کان میں شرارت سے ہنستے ہوئے کہے۔

''میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

وہ اس دن زندگی میں پہلی بار کسی کے ساکن وجود سے خوف زدہ ہوا تھا۔ اس دن اس کی فلائٹ تھی نادیہ بیٹے سے آدھے گھنٹے کا کہہ کر آیت کے ساتھ ہاسپٹل گئی تھی۔ پھر اس کی سیریس کنڈیشن کے پیش نظر وہیں رُک گئی تو وہ فلائٹ لینے سے قبل ہاسپٹل آ گیا۔

نادیہ پرائیویٹ روم میں نیم جان آیت کا ہاتھ تھامے لیڈی ڈاکٹر کی گفتگو رواں آنسوؤں کے ساتھ سن رہی تھی۔

'' یہ عورت اتنے سال اس شخص کا ساتھ وفاداری سے نباہ رہی تھی تو کیا یہ سننے کے لیے کہ اس کا شوہر اب اس سے اولاد نہیں چاہتا کہ وہ اسے بیوی کی حیثیت سے برخاست کر چکا ہے اور یہ آیت کیسی پتھر عورت ہے کہ اس کا شوہر ماں کے حکم پر ایک لوکل نرس کو لے آیا۔ جس نے اس کا یہ حشر کر دیا اور تم ایک انتہائی خراب کیس کی والی وارث بن کر میری دوستی اور رشتہ داری آزمانے چلی آئی ہو۔''

دروازے میں کھڑے زیان نے اتفاقاً وہ گفتگو سن لی تھی۔ وہ ممی سے ملے بغیر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ اندر آ گیا۔ اس لٹھے جیسے چہرے کو دیکھ کے بے قرار ہوا تھا۔ وہ اس کا پہلا سفر تھا جو اس نے نیند لینے کے بجائے آیت کو سوچتے گزارا تھا۔ وہ کون تھی۔ وہ کن حالات سے گزر رہی تھی۔ اس کا شوہر اتنا ظالم تھا تو وہ اس کے ساتھ رہنے پر کیوں مجبور تھی۔ پھر جیسے انگلینڈ کی سرزمین چھوتے ہی آیت پس منظر میں چلی گئی تھی۔ شاید پاکستان آنے کے بعد وہ اسے یاد آجاتی اگر یہ حادثہ اس کا منتظر نہ ہوتا۔ اس نے کھڑکی کا پردہ برابر کیا تو بخش ولا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ آئندہ اس عورت کو کبھی تنگ نہیں کرے گا۔ وہ کبھی نہیں کہے گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' اس نے جھلسی ہوئی انگلی پر دوا لگاتے ہوئے خود سے عہد کیا۔ مگر زیان نیازی کا عہد کانچ کے جیسا تھا۔

☆☆☆

اسے کہیں جانے کی جلدی تھی سو اس نے حویلی کی حبس زدہ راہداریاں تیزی سے اور دبے پاؤں عبور کیں۔ وہ اس وقت کسی کا سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا وہ اپنی من پسند سوچوں میں گھرا اس بات سے قطعی بے خبر تھا کہ باہر آتے ہی پکڑا جائے گا۔ آج حبس بھی حد سے سوا تھا اس نے باہر لان کی تپش زدہ فضا میں جیسے آزادانہ سانس لی ہی تھی کہ اگلے پل ایک پُرتحکم پکار پر اس کے لیے قدم اٹھانا بھی محال ہوا۔

''شاہنواز! کہاں جانے کی جلدی ہے۔''

اسے پکارنے والی ہستی کا لب ولہجہ اس ماحول کی تپش سے مثیل کھاتا تھا۔ وہ لہجہ جتا چکا تھا کہ شاہنواز سے کوئی کوتاہی سرزد ہو چکی ہے وہ الٹے قدموں ماں کے مقابل آیا۔

''آپ اس حبس میں باہر آ کر گویا بلڈ پریشر کو دعوت دے رہی ہیں۔''

وہ پیشانی پر ابھرتی بے ساختہ شکنوں کے ساتھ گویا ہوا۔ اس نے ماں کے پہلو میں کھڑی بیوی کو چور نگاہوں سے دیکھا پھر لان پر بیزار کن نگاہ ڈالی۔ ''تم جس طرح بن ٹھن کے کہیں جا رہے ہو تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں تمہیں آج کی تاریخ میں کچھ یاد نہیں۔''

وہ اپنے سابقہ لہجے میں ہمکلام ہوئیں تو شاہنواز نے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے ذہن پر زور دیا مگر اس کا ذہن مکمل طور پر وہیں بھٹک رہا تھا جہاں ایک رنگین محفل اس کی منتظر تھی۔ اس نے کلائی موڑ کے گھڑی میں وقت دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''سارے کام کاج یاد رکھتے ہو۔ بس یہ بھول گئے کہ آج روشنی کی سالگرہ ہے جو بدقسمتی سے تمہاری بہن تھی۔''

اس کی ماں کا لہجہ اس کٹر جیسا سفاک تھا جسے مالی تیزی سے چلا رہا تھا۔ نڈھال شاخیں زندگی سے ہاتھ دھو رہی تھیں۔ اس نے مردہ شاخوں سے نگاہ ہٹائی اور سر کو یوں جھکایا جیسے اپنی یادداشت کمزور ہونے کا اعتراف کیا ہو۔

''کیک کٹنے تک رک جاؤ پھر ضروری کام نپٹا کے تمہیں اسلام آباد جانا ہوگا۔''

وہ بیٹے کو حکم دے کر آگے بڑھ گئیں وہ اس حکم پہ دانت کچکچا کے رہ گیا۔ کاش وہ اس آیت نامی بوجھ سے کبھی چھٹکارا پا سکتا۔ اس نے شاخوں پر چلتے کٹر کو معنی خیزی سے دیکھا پھر اپنی بیوی ماریہ پر اچٹتی نگاہ ڈالی۔ جو ساس کی پشت کو گھور رہی تھی۔ وہ ہزاروں عورتوں کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔ بیوی سہہ لیتی تھی لیکن سوکن کے ساتھ شوہر کو برداشت کرنا برداشت سے باہر تھا ماریہ نے شوہر کو مالی کی جانب بڑھتے دیکھا پھر وہ نیچے جھکا اس نے ایک نیم جاں شاخ کو ہاتھ میں لیا پھر وہ اس شاخ کو دیکھتا رہا۔

ماریہ کو شوہر کی سخت نظروں نے ایک عجب کیفیت سے دوچار کیا۔ جیسے شاہنواز کے ہاتھ میں شاخ نہیں کچھ اور تھا۔

☆☆☆

ہاشم نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ کمرے سے آتی نادیہ کی آواز پر رک گیا۔ وہ فون پر زیان سے متعلق بات کر رہی تھی۔

''میرا یقین کریں بھائی صاحب! زیان میں بہت خامیاں ہوں گی۔ وہ بھی اس برٹش ماحول کی وجہ سے جس میں وہ پلا بڑھا ہے وہ تھوڑا سا بھٹکا ہوا ضرور ہے لیکن وہ کسی ڈکیتی وغیرہ جیسے ایڈونچر کا حصہ بن ہی نہیں سکتا اور اگر خدانخواستہ وہ ایسا کرتا تو پھر اس کیس کی ایف آئی آر میں اس کا نام بھی درج ہوتا، وہ تو صرف ان لڑکوں کا دوست ہونے کے ناتے کچھ مشکوک ہو چکا ہے۔''

ہاشم آج بے حد ڈسٹرب تھا۔ اب نادیہ کی اس گفتگو نے اس کے دل کو قدرے ٹھنڈا کیا۔ وہ اپنی اندرونی حالت کے پیش نظر جب اندر آیا تو اس کے چہرے پر یہ طمانیت تھی۔ نادیہ زیان کی سوتیلی ماں تھی مگر وہ زیان کے ہر معاملے میں اس پر اعتبار کرتا تھا جانتا تھا کہ وہ اس کے بیٹے کو ماں کی طرح ہی چاہتی ہے۔ سامنے ٹیبل پر برف کے ٹکڑے اور ایلو ویرا کیوبز

سے بھرا باؤل دیکھ کے وہ بے ساختہ مسکرایا تو دن بھر کی ٹینشن میں کچھ افاقہ ہوا۔

نادیہ شوہر کی غیر متوقع آمد پر کھل اٹھی۔ جب وہ فون سے فراغت پا کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تو وہ جوتے اتارے بنا چت لیٹا تھا۔ اس کی دونوں بیویوں کی سوچ میں ان کے لائف اسٹائل جتنا ہی فرق تھا موناکے خیال میں زیان کو زندگی انجوائے کرنے کا حق تھا اور نادیہ کی نظر میں وہ دن بہ دن بگڑتا جا رہا تھا۔ اگرچہ اس کیس سے متعلق ہاشم کی تمام کوششیں بار ـــــ ہوئی تھیں لیکن چند حقیقتیں اس کے علم میں آج آئی تھیں۔

آج وہ پہلی بار اندر سے زخمی ہوا۔ تو اس بے بسی نے اسے اپنے باپ کی بے بسی یاد دلائی۔ جب وہ خود من مانیاں کرتا تھا ایسی ہی ایک جنونی من مانی اسے یوکے لے گئی تھی وہاں اس نے ہر برائی کھل کے کی تھی۔ مانچسٹر میں دوسرا سال تھا جب اس کی ملاقات لاریب سے ہوئی۔ پھر وہ کہیں اور نہیں جا سکا۔ اس کا دل جیسے اسی لڑکی پر ٹھہر گیا۔ لاریب کو اپنی حدود کا پاس تھا۔ جب عورت اپنی حدود کے گرد خوف خدا کی لکیر کھینچ لیتی ہے تو مقابل جتنا بھی سرکش ہو، وہ اس پُروقار دائرے کو نہیں پاٹ سکتا۔

بالآخر ہاشم نے سیدھے راستے کا سہارا لے کر اس باکردار لڑکی کو زندگی کا ساتھی بنا لیا۔ لاریب میں ایسی صفات تھیں کہ ہاشم نے اس کی سنگت میں تمام برائیوں سے منہ موڑ لیا۔

وہ چوبیس سال کی عمر میں بیٹے کا باپ بھی بن گیا۔ لیکن بدقسمتی سے لاریب ایک مہلک بیماری کا شکار ہو کے اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی۔

تب زیان صرف دو سال کا تھا۔ وہ خواہش کے باوجود بیٹے کو اپنے ساتھ واپس نہ لا سکا کہ زیان کی نانو اپنی بیٹی کی نشانی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھیں پھر اس کے والدین نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ وہ اس کا گھر دوبارہ بسانا چاہتے تھے۔

''میرا مشورہ مانیں تو زیان کو جلدی اس کی نانو کے پاس بھیج دیں۔'' نادیہ متفکر لب و لہجے میں گویا ہوئی تو وہ چونک کے ماضی سے باہر آیا۔ پھر آنکھیں کھول کے حیران ہوا۔ وہ اس کے جوتے موزے اتار کے اس کے پاؤں دبا رہی تھی۔ گویا وہ یوں ماحول سے کٹ گیا تھا۔ وہ پاؤں سمیٹتے ہوئے سیدھا ہوا۔

''اچھا!'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ ''پہلے تو تمہیں اس کی برٹش نانو سے ہزاروں گلے تھے کہ اس نے ہمارے بچے کی تربیت بند آنکھوں کے ساتھ کی ہے۔'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے بجھی سی مسکراہٹ سے بولا۔ ''پہلے کی بات اور تھی ہاشم! مگر اب لوگ کچھ عجیب باتیں کر رہے ہیں۔''

''وہ ایسی سچویشن میں ملک چھوڑے گا تو لوگ زیادہ باتیں بنائیں گے۔'' اس نے بیوی کے مشورے کو نرمی سے رد کیا۔ وہ شوہر کے اداس لہجے پر تڑپ سی گئی۔

ان کا بیٹا پہلے کون سا دودھ کا دھلا تھا اور یہ کون سی اس کی پہلی خطا تھی۔ پھر وہ ایک دم ٹھٹھکی۔ حقیقت کچھ اور تھی اس کا شوہر چار دن پہلے مطمئن تھا۔

''مجھے بتائیں کہ کیا ہوا ہے۔'' وہ یوں ہول کے بولی کہ ہاشم نے سر جھکا لیا۔

☆☆☆

وہ مسلسل دو گھنٹوں سے ڈرائیونگ کر رہا تھا اب گاڑی سگنل پر رکی تو اس نے جیسے ریلیکس ہونے کے لیے سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا تو ذہن میں ماں کی آواز گردش کرنے لگی۔ ''جب روشنی ہاسپٹل سے پہلی بار گھر آئی تھی تو میں اسے گود میں لیے اس جگہ بیٹھی تھی۔'' اس کی ماں اپنے پلنگ کے بیچ نرمی سے ہاتھ پھیرتی لیکن اس کا رعشہ زدہ بوڑھا ہاتھ شاہنواز کے سال بھر کے مجتمع چین و سکون کو نئے سرے سے بکھیر دیتا۔ وہ گاڑیوں کے تیز ہارن سے چونکا کہ سگنل کھل چکا تھا۔

''گھر میں پہلی بار اس کا جھولا یہاں رکھا گیا تھا۔'' اس آواز کی بازگشت سے گاڑی میں چھائی خاموشی تہہ و بالا ہوئی۔

اس نے ـــــ ایک خطرناک موڑ تیزی سے کاٹا۔ ''روشنی نے جب پہلا قدم اٹھایا تھا تو وہ اس جگہ

کھڑی تھی۔ اس نے اسپیڈ کچھ اور بڑھائی اس کی ماں خود اذیتی کے ہر مرحلے سے گزر کر ہر سال بیٹے کے اندر سفاکیت کا ایک نیا پودا بو دیتی تھی۔ جو اس قدر تیزی سے پروان چڑھتا کہ شاہنواز کے بخش ہاؤس پہنچنے تک وہ پودا تناور درخت بن جاتا۔

کچھ دیر بعد اس کی گاڑی نے گھر کے گیٹ پر لمحاتی بریک لگاتے ہوئے کچھ یوں چنگھاڑتے ہارن دیے کہ کچن میں کھڑی آیت کے ہاتھ سے شوگر پاٹ گرتے گرتے بچا۔ پاس کھڑی ملازمہ نے اسے داد دیتی نظروں سے دیکھا۔ یہ ایک سال پہلے کی بات تھی جب اس کی گاڑی کا ہارن سن کر آیت کے ہاتھ سے چیزیں چھوٹ جایا کرتی تھیں۔ جنہیں ملازمہ سمیٹ کے باسکٹ میں پھینکتی تو وہ رشک سے دیکھتی رہ جاتی کہ کاش اس آیت نام کی عورت کو بھی ٹوٹنے کے بعد یونہی اٹھا کے کہیں پھینک دیا جاتا۔ سال پہلے شاہنواز نے اس سے اس کا بچہ چھین لیا تھا وہ بچہ کھو کے مضبوط ہوگئی تھی۔ اس نے گرم اور تلخ کافی کا گھونٹ اپنے حالات ہی کی مانند باسہولت حلق سے اتارا۔

☆☆☆

''یہ بتائیں کیا ہوا ہے؟'' نادیہ سوال کرنے کے بعد سانس روک کے بیٹھی تھی۔

''جس وقوع کو ڈکیتی کا نام دیا جا رہا ہے۔ دراصل وہ ایک ریپ کیس ہے۔''

نادیہ کی سانس رکی۔

''ان چھ دوستوں کا گروپ جن میں ساتواں ہمارا بیٹا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک جانتا تھا کہ سرور اعوان کے بنگلے پر گرلز گیٹ ٹو گیدر تھی بس اس کے بعد جو ہوا۔ وہ تم سمجھ سکتی ہو۔''

آخر وہ اور کتنا سر جھکا سکتا تھا آج اس کی آواز میں عروج کا موسم بہت پھیکا پڑ چکا تھا۔ نادیہ اس کی بند آنکھوں کو منہ پھاڑ کے دیکھ رہی تھی لیکن ان بند آنکھوں پر تنی بھنویں یقین دلا رہی تھیں کہ عروج کا موسم ہلکا سا ماند پڑا ہے۔ یہ کنفرم تھا کہ اس شب زیان اپنے دوستوں کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ ایک بڑی تباہی سے بچ گئے تھے پھر آج ہاشم اتنا پریشان کیوں تھا۔

وہ نادیہ کو یہ نہیں بتا سکا کہ اس رات اس گرلز پارٹی میں مونا کی بھانجی بھی تھی۔ وہ اسے یہ بھی نہیں بتا سکا کہ مونا کسی طور یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اس رات زیان اپنے دوستوں کے ساتھ نہیں تھا۔ آج ہاشم کے پاس بہت سے کاش تھے۔ اے کاش، وہ اپنے باپ کا فرماں بردار ہوتا۔

☆☆☆

وہ گھر کے اندر آیا تو سناٹے کا عالم تھا۔ ''عارفہ تمہاری بی بی کہاں ہیں؟ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بلند آواز بولا۔ وہ عارفہ کے جواب دینے سے قبل نمودار ہوئی۔

''میں کچن میں تھی۔'' وہ سلام کرنے کے بعد بولی۔ آڑے ترچھے پڑے شاہنواز نے اسے بغور دیکھا۔ اس کا دورنگا لباس اس شخص کی آنکھوں میں چبھا۔

''وہاں فرانس میں تمہارا بھائی روز ہولی کھیلتا ہوگا جیسے تم یہاں کھیلتی ہو۔ تم دونوں کو ہماری روشنی کے سوگ سے کیا مطلب۔'' وہ سلگ کے بولا۔

اس کی گفتگو میں آیت کو بھائی کا تذکرہ تیز دھار تلوار کی طرح لگا۔ مگر آج اس کے کسی طعنے پر نہ تو چہرے سے ٹھنڈا پسینہ پونچھا نہ ہی ہولی کے رنگوں کو اپنے اردگرد تلاشا، بلکہ آرام سے بولی۔

''میرے سفید لباس پر بخش کے ہاتھ سے کچھ دیر پہلے ریڈ انک الٹ گئی تھی۔'' اس سے پہلے کہ وہ پھر اس کے بھائی کا ذکر کرتا اس نے جلدی سے بات بدلی۔

''بخش آپ کا انتظار کرتے ہوئے شاید سو چکا ہوگا۔'' حالانکہ وہ جانتی تھی کہ وہ بخش کے موضوع کو بھی ٹالتا تھا۔

''میں نے یہاں کسی کو بھی اپنے آنے کا پیغام بھیجا نہ انتظار کرنے کو کہا لہٰذا یہ انتظار اور محبت جیسی کمزوریاں میرے بیٹے کے مزاج سے دور ہی رکھو۔'' وہ چبا چبا کے بولا۔ ''ورنہ اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

وہ اسے غصے سے گھورتا زینے کی طرف بڑھا،

وہ اسے زرد چہرے کے ساتھ دیکھتی رہ گئی۔

وہ زندگی میں ہر رشتہ کھو چکی تھی اب اس کے لیے بخش کو کھونا موت سے بڑھ کر تھا۔ اپنی پیدائش کے چند گھنٹوں بعد وہ ماں جیسے انمول رشتے سے محروم ہوگئی تھی۔ نومولود بچی کی ذمہ داری ان کی خاندانی ملازمہ نے بالکل ماں ہی کی طرح نبھائی مگر اس کے بابا نے اکلوتے بیٹے کو ہاسٹل بھیج دیا تھا پھر وقت گزرنے کے بعد ہاتھوں سے نکل چکے بیٹے کو اپنے ملک اور خاندان سے جوڑنے کے لیے بابا نے ایک نہایت جذباتی اور غلط فیصلہ کیا۔ لیکن وہ بیٹے کو آباد کرنے سے پہلے ہی دنیا سے چلے گئے۔

باپ کے بعد آیت نے اپنا نہیں صرف اپنے بھائی کا سوچا۔ وہ اپنے بھائی کے لیے اپنی ہر خواہش سے دست بردار ہوگئی جس نے آیت کے آباد یا برباد ہونے سے کچھ غرض نہیں رکھی اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد یوں غائب ہوا کہ جیسے وہ آیت کو بھی دفنا کے گیا ہو۔ اس نے زندگی میں شامل ہر محرم رشتے کو سفاک اور خود غرض پایا۔

''یہ وقت ہی جانتا تھا کہ بخش نے ماں کے لیے کس طرح کا مرد ثابت ہونا تھا۔''

☆☆☆

نادیہ شروع سے ہی ہمسایوں سے دیکھ بھال کے میل جول رکھتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ینگ عورتوں کی کمپنی میں خود کو جوان اور فریش محسوس کرتی ہے۔ لہٰذا اس نے نئے ہمسایوں کی سن گن لینے کے لیے آج ان کی طرف بریانی بھیجتے ہوئے تارا کو سو گھوریوں کے ساتھ تاکید کی۔

''اب وہاں غائب دماغی سے ان کا ٹی وی نہ دیکھتی رہنا۔ یاد ہے جب پچھلے سال تم نکڑ والی کوٹھی میں میلاد شریف کا پیغام لے کر گئی تھیں۔ تو ان کی کسی بیس سالہ مہمان کو مالکن سمجھتے ہوئے مجھے خواہ مخواہ خوش کیا۔ اگلے دن اس ستر سالہ مالکن سے مل کر میرے ہاتھ پاؤں سُن ہوگئے تھے۔ اب غائب دماغی کی گنجائش نہیں ہے ورنہ۔''

تارا کے لیے وہ ورنہ بہت بڑی دھمکی تھی۔ صد شکر کہ اس کی واپسی اچھی خبروں کے ساتھ ہوئی کہ ان کے دائیں بائیں نئے شادی شدہ جوڑے شفٹ ہوئے تھے۔ اب غائب دماغی اور بے دھیانی میں تارا کو یہ بھول گیا تھا کہ اس نے وہ منظر دونوں ہمسایوں کی پچپن انچ کی ایل ای ڈی پر دیکھا تھا۔ اس خبر سے نادیہ کے چہرے پر اطمینان پھیلا جبکہ ان کے قریب جو گزر کے لیسز باندھتے زیان نے انتہائی برا منہ بنایا۔

''ہم نے یہ گھر ہنی مون پوائنٹ پر ہی تو بنایا تھا۔ میں نے تو یہاں برسوں سے میرڈ کپل ہی دیکھے ہیں۔''

اس کا دھیان آیت کی طرف بھٹکا تو اسے یاد آیا کہ وہ کہاں غائب ہے؟ پھر وہ سیدھا ہوا۔

''یہاں میرے جیسوں کے لیے ہمیشہ بوریت کا سامان ہی رہا ہے۔'' اس کا یہ شکایتی انداز اتنا پیارا تھا کہ نادیہ بے اختیار ہنس دی۔ پھر اسے عجلت میں جاتا دیکھ کے ٹھٹکی۔ اسے شوہر کا آرڈر یاد آیا۔

''ارے رکو لڑکے! تم میری اجازت کے بنا کہاں بھاگے جا رہے ہو؟'' اس کے لہجے میں صرف شوہر کی تابعداری نہیں تھی بلکہ فکر اور محبت تھی۔

''کیا مصیبت ہے یار! نہ میں ہوٹلنگ کر سکتا ہوں، نہ جم جا سکتا ہوں اگر جوگنگ بھی نہیں کروں گا تو مجھے زنگ لگ جائے گا۔'' اس نے یوں مسکین صورت بنائی کہ نادیہ کو اس پر ترس آ گیا۔

''لیکن بس قریبی پارک تک۔''

پھر وہ رکا نہیں کہ یہ ذرا سی آوارگی بھی غنیمت تھی۔ اس نے جوں ہی گیٹ عبور کیا تو باہر ہاشم نیازی کی گاڑی کے بریک چرچرائے اس نے شیشہ نیچے گرا کر بیٹے کو اپنی طرف بلایا۔ زیان نے باپ کو ناسمجھی کے عالم میں دیکھا۔

☆☆☆

صبح بخش کا اصرار تھا کہ وہ باپ سے مل کر اسکول جائے گا۔ لیکن آیت جانتی تھی کہ وہ بے سدھ پڑا شخص کسی طور پر نہیں جاگے گا اور واقعی شاہنواز نصف دن گزار کے بیدار ہوا پھر فریش ہونے کے بعد اس نے

چائے بھی بعجلت پی اور واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ بیڈروم میں آئی۔ اس نے اے سی بند کیا اور بیڈروم کی کھڑکیاں کھول کر بھاری پردے بھی ہٹا دیے تو کمرے میں بسی باس کھڑکیاں پھلانگنے لگی۔

''ہمارے خاندان کے مرد گھروں میں ایسے شغل نہیں کرتے۔'' چھ سال قبل وہ شوہر کے سامنے منمنائی تھی۔ اس کی یہ بات سن کے وہ آگ بگولہ ہو گیا تھا۔

''ہمارے خاندان کے مرد خاندانی رشتوں کو یوں بے توقیر بھی نہیں سمجھتے جیسا تمہارے بھائی نے میری بہن کو سمجھا۔'' وہ بلند آواز سے دھاڑا۔ ''اور تم یہ بات ذہن میں رکھنا کہ اس آبائی حویلی سے بے دخل ہونے کے بعد اب تمہارا شمار ہمارے خاندان کی عورتوں میں نہیں ہوتا۔''

کاش وہ پہلو میں بیٹھی آیت پہ تیزاب پھینک دیتا تو اسے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ پھر اس نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ وہ بیوی کے درجے سے بھی اتر چکی تھی۔ وہ محض ایک عورت تھی۔ کہیں قریبی پیڑ پہ ایک دم ہی ایک جس زدہ پرندے نے دہائی نما آواز نکالی تو آیت چونکی اور چہرہ موڑ کے کھڑکی سے باہر جھانکا کیسا ناشکرا پرندہ تھا جو سبز ٹہنی پر بیٹھ کے کرلا رہا تھا۔ بیڈ سے گیلا تولیہ اٹھا کے وہ ٹیرس پہ چلی آئی۔ اسے دھوپ میں آتے ہی سکون کا احساس ہوا۔ تولیہ پھیلانے کے بعد وہ اگست کی تیز دھوپ میں یوں کھڑی تھی جیسے وہ سورج ماہ دسمبر کا ہو۔ اس کے سامنے درخت پر بیٹھا پرندہ حیرت زدہ تھا۔

''عجیب ناشکری عورت ہے جو اپنا ٹھنڈا مسکن چھوڑ کے تپ رہی ہے جبکہ وہ جس کے مارے بلبلا رہا تھا۔''

''رات کو جب بابا میرے کمرے میں آئے تھے میں نیند میں تھا انہیں ٹھیک سے مل نہیں پایا تھا۔ صبح وہ سو رہے تھے۔ اب عارفہ بتا رہی ہے وہ چلے بھی گئے۔'' بخش اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے باتوں باتوں میں اندر لے آیا۔

بخش کے ہاتھ میں چھاؤں تھی سکون تھا۔ کاش وہ یہ ہاتھ چھوڑ کر کہیں ویرانے میں بیٹھ کے پہروں دھوپ سینک سکتی۔

☆☆☆

زیان اس وقت جس گھر میں اپنے باپ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے مین دروازے کے ایک جانب واقع ستون میں ایک قیمتی کتبہ نصب تھا جس پر ہاشم ولا کندہ تھا۔ وہاں آئے دن ضیافتیں ہوتیں اور بڑے بڑے عہدیداروں کا آنا جانا لگا رہتا۔ زیان بھی یہاں کئی ایک پارٹیاں اسٹینڈ کر چکا تھا۔

وہ اس طرح یہاں پہلی بار آیا تھا جب بابا نے اسے ساتھ چلنے کو کہا تو وہ انکار نہیں کر سکا۔ اب وہاں جدید طرز کے آرائش زدہ لاؤنج میں وہ تینوں نفوس ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ وہ باپ کا موڈ، مونا کا رویہ اور اپنی یہاں موجودگی سمجھنے سے قاصر تھا کہ گفتگو کی ابتدا مونا نے کی۔

''تم اس رات اپنے دوستوں کے ساتھ مسرور اعوان کے گھر گئے تھے ناں؟''

اس نے گفتگو کا پہلا جملہ اس کے سر پر لٹھ کی طرح مارا یعنی وہ بلاشک وشبہ ایک تصدیق طلب الزام تھا۔ کیا وہ رگوں میں خون جمانے جیسی بات نہیں تھی کہ اس کی ایک فیملی ممبر اسے گھٹیا وقوعے میں گھسیٹ رہی تھی۔

''اگر میں وہاں گیا ہوتا تو اس وقت کہیں منہ چھپا کے بیٹھا ہوتا۔'' اس نے ساتھ بیٹھے باپ کو گلہ آمیز نظر سے دیکھا وہ کیوں اس سے حساب لے رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ ہاشم نے اس کی شاکی نگاہ سے آنکھ چرائی۔

''زیان! میں تم پر الزام نہیں لگا رہی سوئٹ ہارٹ! میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر اس رات تمہارا وہاں جانے کا پروگرام بدل گیا تھا تو تم نے ایمل کو وہاں جانے سے منع کیوں نہیں کیا جبکہ وہ تمہارے اصرار پر وہاں گئی تھی۔'' مونا نے یہ بات پہلو پہ پہلو بدلتے ہوئے کی۔ وہ بے آرام ہونے کے بجائے حد درجہ حیران ہوا۔

''وہ تمہاری وجہ سے برباد ہوئی ہے زیان!'' وہ

بات ہی ایسی تھی کہ وہاں چھانے والی خاموشی بھی گنگ ہوئی۔ کوئی پہلو تک نہیں بدل سکا۔ اس الزام پر اس کی حالت باپ کے سگار سے اٹھتے دھویں جیسی ہوئی، کھسیلی، کڑوی، کسیلی، مونا کی آواز میں گلہ تھا رنجش تھی۔ زیان کے اشتعال میں تلخی تھی، استہزا تھا۔ اس نے اپنا فون مونا کے سامنے پھینکا۔

''آپ ذرا واٹس ایپ پر جا کے چیک کریں تو واضح ہو جائے گا کس نے کس کو بلایا تھا' جس کی بربادی کا الزام میرے سر رکھا جا رہا ہے۔ اس نے مجھے بلانے کی کتنی منتیں کی تھیں۔ فار یو آر کائنڈ انفارمیشن مجھے اس کو حاصل کرنے کے لیے خود کو اتنی مشکل میں ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔''

وہ ہنستے ہوئے اٹھا۔ اس کے انداز نے مونا کو چونکایا۔

''وہ آل ریڈی میرے ساتھ بہت اچھا وقت گزار چکی ہے۔'' وہ ایک چھوٹا سا دھماکا کر کے وہاں پھر کیوں ٹھہرتا۔

ہاشم نے اپنی حالت چھپانے کے لیے کہیں چھپ جانا چاہا۔ اس اضطراری کیفیت میں اس نے ٹشو باکس گھسیٹا۔

''یہ لڑکا سراسر بکواس کر رہا ہے؟'' اس نے بیوی کا یہ جملہ آرام سے نظر انداز کیا۔ یہ تو ڈوب مرنے کا لمحہ تھا، بیٹا اس قدر بگڑ چکا تھا کہ باپ کے سامنے اپنی بے راہ روی کا اظہار ہنس کے کر رہا تھا تو قصور کس کا تھا اسے اپنے ابا مرحوم کی بات یاد آئی۔

''اپنے کرتوت جب اللہ سے نہیں چھپا سکتے ہو ہاشم تو مجھ سے چھپانے کا بھی کچھ فائدہ نہیں۔''

اس کی اسٹائلش بیوی اپنا مزاج بحال کرنے کی کوشش میں تھی۔ بیٹا غصے سے اٹھ کر چلا گیا تھا کہ باپ نے اسے بیوی کے کٹہرے میں کیوں کھڑا کیا۔ وہ جلتی بلتی بیوی پر ایک سرد نگاہ ڈالتا جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

''تم نے اپنے لاڈلے کی بکواس سنی؟''

اس نے بھی شوہر کے انداز میں جگہ چھوڑی مگر اس کی دبی آواز میں پہلے جیسا تنتنا غائب تھا۔

''سن بھی چکا ہوں اور سمجھ بھی چکا ہوں۔'' وہ اسے جتاتی نگاہ سے دیکھتا بیرونی دروازے کی طرف چل دیا۔ اس کی مٹھی میں دبا ٹشو اس کا چہرہ چھونے سے قبل ہی بھیگ چکا تھا۔

☆☆☆

وہ گاڑی میں بیٹھنے تک اندازے لگاتا آیا کہ ان باپ بیٹے میں کس کا مزاج زیادہ برہم ہوگا۔ جب بیٹے نے گاڑی اسٹارٹ کرنے کے ساتھ ہی سی ڈی پلیئر آن کیا اور انگلش دھن پر جھومنے لگا تو ہاشم کھلے منہ کے ساتھ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کا بیٹا سمجھ سے باہر تھا اس نے سی ڈی پلیئر آف کیا مگر زیان کے تاثرات ہنوز پرسکون تھے۔

''شہر میں لڑکیوں کی کمی تو نہیں تھی۔ پھر مونا کی بھانجی سے افیئر چلانا ضروری تھا؟'' وہ بیٹے پہ شکایتی نظریں جماتے ہوئے بولا۔

''اس شہر میں تو لڑکوں کی بھی کمی نہیں تھی پھر آپ کی مسز نے ایمل کو میرے پیچھے ہی کیوں لگایا؟'' اس نے باپ کی شکایتی نظروں میں مسکرا کے جھانکا۔

بیٹے کے چہرے کو تکتا وہ شخص اس کے سوال پر حیرت زدہ ہوا تھا یا اس کی مسکراہٹ پر۔ گاڑی گھر کے راستوں پر تھی۔ ہاشم شیشے کے پار دیکھتا ہوا دھیمی آواز میں ہمکلام ہوا۔ ''میں مونا کی چال سمجھ سکتا ہوں لیکن تمہیں یوں اس کے منہ پر ایمل کے متعلق یہ سچ نہیں اگلنا چاہیے تھا۔''

''او..... تم آل ..... بابا!'' وہ سائیڈ میں دیکھتے ہوئے تلملایا۔ ''وہ ایک کریکٹر لیس لڑکی ہے اور آپ کی مسز اس نئی چال سے اسے میرے سر تھوپنا چاہتی ہیں۔''

اس وقت ہاشم نیازی کو سگار نہیں سلگانا چاہیے تھا کہ اس کا دھواں اس کی کڑی باس اس کے بیٹے کے لہجے میں گھل جاتی تھی۔ کاش اس کا اپنا دامن صاف ہوتا تو وہ بھی اپنے والد کی طرح بیٹے کو آنکھیں دکھا کے کہتا۔

''مجھے یاد نہیں پڑتا تم میرے کن گناہوں کی سزا ہو۔'' لیکن وہ تو بیٹے کو کو سمجھانے بھی لگتا تھا تو اس کی ہر نادانی اور ہر گناہ گریبان سے سر نکال نکال کے اسے دیکھنے لگتا تھا۔

☆☆☆

وہ جب یہاں شفٹ ہوئی تھی تو تعلقات کی ابتدا نادیہ کی طرف سے ہوئی تھی جو وقت کے ساتھ گہری دوستی میں بدل گئی۔ آنے والے عرصے میں ان دونوں نے ہی ایک دوسرے کے واقعات وحالات سے بہت کچھ سیکھا۔ نادیہ نے آیت سے صبر وتحمل سے اپنی سوکن کو برداشت کرنا سیکھا اور آیت کو نادیہ کی خالی گود نے سمجھا دیا کہ زندگی کسی کو بھی پورے طور کچھ نہیں نوازتی۔

جہاں نادیہ کی گفتگو میں سوتیلے بیٹے کا ذکر رہتا تو ساتھ ہی یہ شکوہ بھی رہتا کہ وہ اس سے سگی ماں جیسی محبت نہیں کرتا۔ تب ہی تو وہ اپنی چھٹیاں دوستوں کے فلیٹس میں گزار کے چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے شوہر اور بیٹے کی زندگی کا ہر مسئلہ اس سے شیئر کرتی تھی۔ اس لیے آیت، زیان کی سب ہی آوارگیوں سے واقف تھی جب وہ ینگ تھا تو اس کا یوں بے تکلفی سے پیش آنا یا معنی خیز گفتگو کرنے جیسے انداز کو وہ اس کی شرارت سمجھتی تھی۔ کچھ وہ خود کو بھی قصوروار سمجھتی۔

جب اس نے پہلی بار زیان کو دیکھا تو وہ اسے بے ساختہ دیکھتی رہ گئی تھی۔

وہ اسے یوں آنکھیں پھاڑ کے دیکھ رہی تھی کہ وہ چونکے بنا نہ رہ سکا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس لڑکے کی پرسنالٹی اس کے متاثر کن نقوش سے بے اختیار ہوئی تھی بلکہ اس کی وجہ کوئی اور تھا۔ وہی قدبت، چال کا انداز بھی وہی۔ شکلوں کی اس قدر مشابہت پہ وہ اس سے سامنا ہوتے ہی جس کیفیت سے دوچار ہوئی تو زیان اس کی کیفیت کو اپنی عمر اور مزاج کے مطابق ایک دن اپنے ایک سوال کے ساتھ اس کی راہ میں آ گیا تھا۔ وہ اس کے بعد خاصی محتاط ہوگئی تھی اور وہ اس کے بعد اک شرارت کے زیر اثر اسے جھوٹ موٹ کے محبت کے پیغام دینے لگا تھا۔ وہ ان نقلی پیغامات کو کبھی مسکرا کے ٹال دیتی تو کبھی شدید چڑ جاتی۔

وہ اب میچور مرد تھا۔ اس کے دکھاوے کے اظہار محبت سے کترانے لگی تھی۔ آیت کو ذرا سا بھی شک نہیں گزرا تھا کہ وہ جعلی پیغامات اب اصلی رنگ پکڑنے لگے تھے۔

☆☆☆

اس کا معمول تھا کہ صبح کی واک وہ نادیہ کے ساتھ کرتی تھی مگر شام کو بھی بخش کو ٹیوٹر کے گھر چھوڑنے کے بعد پھر اسے پک کرنے تک وہ گھر جانے کے بجائے واک کرتی تھی۔ فی الوقت وہ اس پوش کالونی کی ایک ایسی شاہراہ پر تھی جس کے دونوں جانب شان دار کوٹھیاں تھیں شاہراہ سنسان تھی مگر اردگرد سناٹا بھی مفقود تھا کہ قریبی پارک کے راؤنڈ اباؤٹ پہ جاگنگ ٹریک تھا۔ شام کے اوقات میں یہاں خوب چہل پہل ہوتی۔

وہ چھوٹے قدموں کے ساتھ پارک کے مخالف سمت چل رہی تھی۔ وہ اسے سامنے سے آتا دیکھ کے ایک گھنے درخت کی اوٹ میں ہوگیا۔ وہ جب گیا تھا تو اس کی حالت بہت بری تھی۔ وہ ممی سے تو اس کا حال چال پوچھ سکتا تھا لیکن جہاز کے لینڈ کرتے ہی وہ اس کے ذہن سے نکل گئی تھی۔

اف اس درخت کی شاخوں پر گھروں کو لوٹ کے آئے پرندوں نے کیا شور مچا رکھا تھا۔ وہ سائیڈ چھوڑ کے سڑک پر آیا۔ تو اسے ایک دم یاد آیا۔ جب وہ آفس جاتا تھا تو راستے میں ہاسپٹلز پہ نگاہ پڑتے ہی اسے آیت کا دھیان آتا تھا۔ احساس ندامت زائل ہوا تو وہ روڈ پر بے فکری سے چلنے لگا۔ وہ سامنے راستہ دیکھنے کے بجائے گردن اٹھا کے درختوں کی شاخوں میں جھانک رہی تھی۔

زیان کو اچانک یاد آیا کہ ایک اسپرنگ فیسٹیول میں پرندے بیچنے والی لڑکی سے جب کوئی پرندے خرید کر اڑاتا تو اس لڑکی کی آنکھیں آیت کی آنکھوں جیسا مسکراتی تھیں وہ یہ شمار نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے وہ پرندے کتنی بار خرید کر اڑائے تھے۔

وہ ایک دم قریب تر ہوتی آہٹوں پر چونکی۔ اب وہ دونوں روبرو تھے۔ وہ مبہم سا مسکرائی۔ اس نے خیریت دریافت کی تو اس کے انداز تخاطب میں احتیاط تھی کہ آج اس کے سامنے اکیس بائیس سال کا

شرارتی آنکھوں والا لڑکا نہیں تھا درمیان میں نو برس گزر چکے تھے۔ ان میں اتنا تکلف نہیں تھا کہ چند لفظی حال احوال کے بعد وہ اپنی اپنی راہ پر ہو لیتے۔ اب وہ ایک ساتھ چلنے لگے وہ اس وقت گہرے براؤن کپڑوں میں ملبوس تھی۔

''میری نانو کا بھی یہ فیورٹ کلر ہے۔ وہ اکثر پہنتی ہیں تو میں انہیں بتاتا ہوں کہ یہ کلر صرف آیت پر سوٹ کرتا ہے۔''

وہ اسے نظروں میں رکھتے ہوئے بولا۔

''اب یہ فلرٹ ولرٹ چھوڑ دو۔ اب بڑے ہو چکے ہو۔'' وہ خفگی سے کہتی ہوئی۔ اونچی شاخوں کو دیکھ کے مسکرائی۔

''ہر لڑکی سے فلرٹ کرتا ہوں مگر تم سے محبت کرتا ہوں۔'' اس نے اپنی مسکراتی آنکھیں گھمائیں اور آیت کا چہرہ دیکھنے لگا جو عجیب سا ہو رہا تھا یوں جیسے وہ اب زیان کی یہ فضول گوئی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

''واپس کب جا رہے ہو۔''

اس نے بات بدلتے ہوئے بیچ کا فاصلہ بڑھایا۔

''تم ان لوٹ کے آئے پرندوں کو دیکھ کے خوش بھی ہو رہی ہو اور انہیں اُڑانا بھی چاہتی ہو۔'' وہ اس کی نگاہ کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے معنی خیزی سے مسکرایا۔ وہ حد درجہ جھنجھلائی۔

''یہ بندہ کبھی نہیں بدل سکتا۔''

''خوش فہمیاں اچھی چیز نہیں ہوتیں۔'' وہ تالیاں بجا کے اور ٹہنیاں جھلا کے ثابت کر سکتی تھی کہ اسے پرندوں کے لوٹنے یا اڑنے سے کچھ غرض نہیں۔

''بے وفائی بھی اچھی چیز نہیں ہوتی آیت، تم میرے ہم شکل کو بھول چکی ہو۔ ورنہ تم مجھے ایک بار تو دھیان سے دیکھتیں ناں۔''

وہ بیچ کا فاصلہ سمیٹتے ہوئے ایک دم ٹھہر گیا۔ وہ عجب شکوہ تھا تو کیا آیت کی حالت عجب نہ ہوتی۔

''مجھے بخش کو پک کرنا ہے۔'' وہ اپنی کیفیت سمیٹتے ہوئے واپس مڑی۔ وہ وہیں کھڑا تھا۔ وہ خود کو ہیرا سمجھتا تھا جو اپنے سحر سے ہر کانچ کو تراش لیتا تھا۔

☆☆☆

کتنی عجیب بات تھی کہ کسی انسان کی عزت چند لمحوں میں دو کوڑی کی بھی نہ رہے اور وہ اس بے عزت کرنے والے کو بس دیکھتا رہ جائے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اس کا گریبان پکڑ لیتی اگر اتنی ہمت نہیں تھی تو زیان کی پشت پر ٹھنڈی پانی ہی اچھال دیتی۔ مونا نے پہلے زیان کو پھر اپنی بے بسی کو ایک ماڈرن گالی سے نوازا مگر عقل نے راہ سمجھائی۔

''قصور وار صرف زیان ہی تو نہیں۔'' اب جو گالیاں ایمل کے حصے میں آئیں وہ تو ماڈرن بھی نہیں تھیں۔ اس نے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد اپنی قیمتی ساڑھی کو دیکھا۔ وہ ساڑھی بھی ایمل کی طرح اپنی قدر و قیمت کھو چکی تھی۔ اب وہ انتہائی تنک مزاجی کے ساتھ اسے کال ملا رہی تھی۔

''یہ زیان میرے منہ پر کیا بکواس کر کے گیا ہے۔'' کال ملتے ہی وہ بنا کسی تمہید کے مطلب کی بات پر آئی۔

دوسری جانب ایمل کو اس کے مشتعل ہونے کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔

''زیان ایک ایسی شاندار بربادی ہے کہ جو بھی اسے ملتی ہے۔ وہ خاک ہونا پسند کرتی ہے۔ سو آئی ایم سو سوری۔'' بھانجی کی طویل آہ اور مسکراتے لہجے نے اسے پانی پانی کیا۔

''اسٹوپڈ لڑکی اگر تم اس سے فاصلے پر رہتیں تو میں اسے ہمیشہ کے لیے تمہارا کر سکتی تھی۔'' وہ دانت پیس کے بولی۔

''زیان جیسے شخص کی بیوی بننا گویا ساری عمر کے لیے کوئلہ بن جاؤ۔ وہ سدھر سکتا ہے نہ کہیں ٹھہر سکتا ہے۔ مجھے تو نیک پروین قسم کا شوہر چاہیے۔'' وہ اپنے ہی جملے پر ہنسی۔

مونا آگ بگولہ ہوئی۔ یہ ہنس رہی ہے اور وہ ہاشم سے نگاہ ملانے کے قابل نہیں رہی تھی۔

''میں تمہیں وارن کر رہی ہوں تم کبھی آئندہ

اس سے ملیں تو میں تمہیں شوٹ کردوں گی۔'' وہ طیش کے عالم میں چلائی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی۔ مگر ایمل نے کال کاٹتے ہوئے فون بھی آف کردیا۔ مونا چیخ کے رہ گئی ——— مونا کو ایمل کا علاج کرنا آتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو ٹھنڈا کیا۔ جب دماغ کچھ درست ہوا تو وہ اپنے ایک دیرینہ کلاس فیلو سے بات کررہی تھی جو ایک چھوٹی سی پوسٹ پر تھا اور دوستوں کے بڑے بڑے مسئلے حل کردیتا تھا۔ اس چھوٹی پوسٹ کے مالک کو زیان کے شب وروز پر نظر رکھنے کے عوض بڑا معاوضہ ملنے والا تھا۔

☆☆☆

''میری سمجھ میں نہیں آرہا راجہ صاحب! جب لڑکیوں نے وہاں اپنے بوائے فرینڈز کو بھی انوائٹ کررکھا تھا تو پھر اس کیس کو رنگ کیوں دیا جا رہا ہے؟'' ہاشم نے ایس پی کی توجہ ایک اہم پوائنٹ کی طرف موڑنا چاہی۔

راجہ صاحب نے اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

''تم کیا سمجھتے ہو یہ بات میرے علم میں نہیں ہے

یہ خراب دوستیاں پورا تالاب گندا کردیتی ہیں۔ میں اپنی بچیوں کی تمام فرینڈز کی خود چھان بین کررہا ہوں اور اپنی بیگم سے بھی آنکھیں کھلی رکھنے کو کہہ دیا ہے۔ اب تم یہ ہی دیکھ لو کہ زیان شریک جرم نہیں تھا مگر وہ ان جرم کاروں کا دوست تو تھا نا۔ وہ چوبیس گھنٹوں میں جتنا وقت ان کے ساتھ گزارتا ہے یہ کون نہیں جانتا یہ تو تمہاری قسمت اچھی تھی کہ وہ اس رات جس تقریب میں موجود تھا تو اس ہوٹل سے حاصل شدہ فوٹیج —— کی وجہ سے بچ گیا ورنہ جس طرح اعلا افسران نے اس کیس کی تفتیش کے آرڈر جاری کیے تھے تو آج زیان بھی سلاخوں کے پیچھے ہوتا۔

اب اپنی اس اکلوتی اولاد کو ذرا لگام ڈال کے رکھو یار۔''

ایس پی بات جاری رکھتے ہوئے جانے کیا کہہ رہا تھا مگر ہاشم ماضی کی آوازوں میں کھو چکا تھا۔ جہاں ان کے علاقے کا تھانیدار ہاشم کی پھوٹتی مسوں کو گھورتے ہوئے اس کے باپ سے ہمکلام تھا۔

''نیازی صاحب'' اپنے اس فرزند کو ذرا لگام ڈال کے رکھیے اگر رات کو میں گشت پر نہ ہوتا تو آپ کا یہ شہزادہ اس قت منشی کی لڑکی کو مری کی سیر کروا رہا ہوتا۔''

چوبیس سال کی عمر تک اس نے زندگی کو کھیل تماشے کی طرح گزارا تھا۔ جب ایس پی صاحب نے اس سے اجازت چاہی تو وہ حال میں لوٹا۔

آخر اس کے بیٹے کی زندگی میں کوئی لاریب کیوں نہیں آجاتی۔

اس شب ہاشم نے یہ دعا بے بسی کی انتہا پر کھڑے ہوکر دل کی گہرائیوں سے مانگی تھی۔ اس نے غلط دعا مانگی تھی۔

اسے یوں کہنا چاہیے تھا آخر میرے بیٹے کو ہدایت کیوں نہیں مل جاتی۔

☆☆☆

''تم میرے ہم شکل کو بھول چکی ہو۔''

اس کا ذہن یہ جملہ دہرا رہا تھا۔ پہلے وہ آیت کو خود میں انوالوڈ سمجھتا تھا۔ تب وہ مانتا ہی نہیں تھا کہ وہ درحقیقت اسے نہیں دیکھتی تو وہ اس بات کی ٹینشن نہیں لیتی تھی۔ آج اس نے مان لیا تھا تو وہ پریشان ہورہی تھی۔ آج زیان نے اسے کیف جمال کی نظر سے دیکھا تھا۔ وہ بے سکون تھی۔ اس کا سپاٹ چہرہ وہ کیفیات ظاہر کررہا تھا۔ وہ عارفہ سے سردرد کا کہہ کر بیڈروم میں چلی آئی۔ بے سکونی کی کوئی زبان نہیں ہوتی پھر کب اعلان ہوا تھا کہ آیت اس وجہ سے اپ سیٹ ہے۔

وہ سرمنہ لپیٹ کے پڑی رہی۔ اس نے بخش کے ساتھ ڈنر کیا نہ ڈنر کے بعد معمول کے مطابق اس چہل قدمی میں اس کا ساتھ دے سکی۔ آج بخش نے پہلی بار بیس منٹ کی کارٹون مووی بھی عارفہ کی کمپنی میں دیکھی۔

بخش کی عادت تھی کہ وہ سونے سے قبل اپنے ٹوٹے پھوٹے کھلونے اور مرمت شدہ گاڑیاں قالین

پر پھیلا کے بیٹھ جاتا۔ وہ ایک چھوٹا سا شوز، ایک ٹوائے ٹول سے جھوٹ موٹ کی مرمت کررہا تھا۔ جب وہ ڈریسنگ روم سے نمودار ہوئی وہ اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ پھر وہ حیرت زدہ ہوا۔

''آج بلیک یا وائٹ ڈریس پہننے کی ڈیٹ نہیں تھی۔''

آیت نے بیٹے کی حیرانی کو بھانپتے ہوئے سوالیہ انداز میں کندھے اچکائے پھر اس کے اشارے پر خود کو دیکھا تو ششدر سی رہ گئی۔ وہ کندھے جھکا کے بیڈ پر چلی آئی۔ اس نے بے خیالی میں سوگ زدہ لباس پہن لیا تھا۔ آج اس سے یہ کیسی بھول چوک ہورہی تھی۔ وہ کروٹ بدلتے ہوئے بے قرار سی ہوئی۔ ایسی غلطیاں تو اس عمر میں بھی نہیں ہوئی تھیں جب کیف جمال دور کھڑا ہو کر اس کی گاڑی کی گرد کو تکتا رہ جاتا تھا۔ وہ اسٹیٹس کے لحاظ سے ان سے کہیں زیادہ مضبوط بیک گراؤنڈ کا مالک تھا۔ اس نے یونی کے دو ڈھائی سالوں میں کبھی آیت سے بات کرنے کی کوشش کی، نہ مراسم بڑھانے کی طلب ظاہر کی۔ وہ اپنی خراب ترین شہرت کے باوجود بھی اسے اچھا لگتا تھا وہ اکثر سوچتی کہ وہ اس سے محبت ہی نہیں کرتا۔

جو بھی تھا اس کی بوجھل آنکھیں آیت کے چہرے سے ہٹی نہ تھیں۔ ابھی تو سب کچھ ادھورا تھا۔ آیت کی تعلیم بھی ادھوری تھی کہ اس کے بھائی وقار کی فرانس سے اچانک آمد پر اس کی اور روشنی کی شادی کی تاریخ طے کردی گئی۔

اس نے کیف کو آخری بار لائبریری میں دیکھا وہ سامنے آکے یوں بیٹھ گیا جیسے وہ زمانوں سے وہیں بیٹھا تھا۔ وہ اس کی جانب کیا دیکھتی۔ اس کے ہاتھ میں سلگتی سگریٹ کو بھی بس ذرا سا دیکھ پائی۔ اگر وہ ہمیشہ اس سے فاصلے پر رہا تو اس نے اچھا ہی کیا اس کی کشش پتھر کو پانی کرنے جیسی تھی۔

''مجھ میں زمانے کی ہر برائی موجود ہے اتنا برا ہوں یار کہ خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا۔'' اس نے آیت کے سامنے پڑی ڈائری کو اپنی طرف گھسیٹا۔ ''تمہیں میری ہر خامی سمیت میرا ساتھ قبول ہے تو میں شاہنواز کو اپنے راستے کی دیوار نہیں سمجھتا۔'' اس نے ڈائری پر کچھ لکھا۔ ''مگر یہ سچ ہے کہ میرے جیسے لوگوں کو بھی محبت ہوجاتی ہے آیت؟'' شاید وہ ہنسا تھا یا اس کے سگریٹ سے ٹھنڈی راکھ جھڑی تھی۔

اس یخ دن میں وہ لہجہ، وہ ہنسی، وہ راکھ آیت کی ڈائری نے محفوظ کرلیے تھے پھر اس نے کیف جمال کو اپنی زندگی سے یوں نکال دیا جیسے وہ کوئی خیال تھا۔ وہ اجنبی تھا صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ آیت کو اس کے تایا زاد سے چھین سکتا ہے۔ وہ اجنبی نہ ہوتا تو اس حقیقت سے بھی واقف ہوتا کہ آیت کے باپ نے بیٹے کی تین حصے کی زمین اپنی ہونے والی بہو کے نام کررکھی تھی۔ وقار کو صرف اپنی زمین کا منافع ہی نہیں چاہیے تھا اب اسے ملکیت بھی چاہیے تھی۔ بالکل اسی طرح شاہنواز کو بھی وہ ملکیت چاہیے تھی جو آیت کے نام تھی اگرچہ وہ بہت تھوڑی سی تھی۔

اپنے ماضی کا کچھ حصہ یاد کرتے ہوئے اس کے گھنگھریالے بالوں میں مزید گھنگھر پڑ گئے۔ وہ ایک دم سیدھی ہوئی اور بخش کو دیکھا جس نے آج ماں سے ساتھ کھیلنے کی فرمائش ہی نہیں کی۔ وہ روز اپنے کھلونے نکالتا تو اس کو بھی آفر کرتا۔

''ممی آپ بھی اپنی فیورٹ چیزیں لے آئیں۔'' اور وہ نفی میں سر ہلائے جاتی کہ بخش کے علاوہ اس کے پاس اور کیا تھا لیکن آج اسے کچھ چیزیں یاد آگئی تھیں۔

☆☆☆

گو اسے اس گھر میں نئے ساز و سامان کے ساتھ شفٹ کیا گیا تھا لیکن اس کی سانس کو اپنی حویلی میں آیت سے وابستہ کوئی چیز گوارا نہیں تھی۔

آیت نے حویلی سے آئے اپنے ذاتی سامان کو یوں کھنگالا جیسے اسے کسی نایاب چیز کی تلاش تھی پھر وہ ایک دم بجھ گئی۔

''اس سامان میں میری کتابیں وغیرہ نہیں ہیں۔'' اس نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

''ہونہہ وہ فضول بکس۔'' شاہنواز نے

استہزائیہ انداز میں ایک کاٹ دار ہنکارا بھرا۔
''مگر ان میں میری ایک قیمتی۔'' وہ ڈائری کہتے کہتے اچانک خاموش ہوئی۔
''ایسا کیا قیمتی تھا؟'' وہ چند قدموں کے فاصلے سے گھوم کے سوالیہ ہوا۔ وہ یوں ساکت ہوئی جیسے کبھی بول نہیں پائے گی۔ اگر وہ جان جاتا کہ وہ ایک ڈائری کے لیے پاگل ہو رہی ہے تو وہ ڈائری جل کے راکھ ہو جاتی۔
''تم وہ تمام کتابیں پھر سے خرید لو۔'' وہ سائیڈ ٹیبل پر گھڑی رکھتے ہوئے بے دردی سے مسکرایا۔
''لیکن وہ بکس میری ٹیچرز اور میری دوستوں نے مجھے گفٹ کی تھیں۔'' وہ زرد چہرے کے ساتھ بولی۔
''میں تم پر کب پابندیاں لگا رہا ہوں۔ تمہارے پاس گاڑی ہے۔ ڈرائیور ہے۔ اپنی ان دوستوں سے ملو۔ ان ٹیچرز کو ڈھونڈو پھر ان سے کہو پلیز مجھے وہ سب دوبارہ گفٹ کرو۔''
وہ ایک دم قہقہہ لگا کے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں تمسخر تھا۔ اس نے اگلے ہی پل پینترا بدلا۔
''تمہارا جو بھی سامان حویلی میں رہ گیا ہے اس کا ذکر دوبارہ کبھی مت کرنا۔'' وہ اب ٹیبل لیمپ آف کر چکا تھا۔ تب آیت کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو بہت ٹھنڈے تھے یکم جنوری کی مانند..... اس نے آج بھی وہی ٹھنڈے آنسو پونچھتے ہوئے بخش کو پکارا۔
''تم نے آج ممی کو کھیلنے کی آفر ہی نہیں کی۔''
وہ اب رونا دھونا چھوڑ چکی تھی آج چند آنسوؤں سے گھبرا کے وہ ڈھیر سارا مسکرائی۔
''آج آپ بھی تو سب بھول گئیں۔'' بیٹے نے منہ بسور کے شکوہ کیا۔
''نہیں آج ہی تو مجھے سب یاد آیا ہے۔'' کاش وہ بھی منہ بسور کے کہہ سکتی۔
''اچھا آئیں پھر کھیلتے ہیں۔'' وہ یونہی مگن سا بولا۔ مگر وہ خالی ہاتھ کیسے کھیلتی۔ اس نے لانبی لٹوں کو دوپٹے کے نیچے چھپاتے ہوئے ایک گہرا سانس بھرا۔ کاش وہ بالوں کی طرح زندگی کے پیچ و خم بھی دوپٹے کے نیچے چھپا سکتی۔ وہ اس گھر کو چھوڑ کے اب کہیں اور جانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

''جب کبھی اسلام آباد کے مضافات میں جانا ہو تو گھر کا بھی چکر لگا لیا کرو۔ وہ عورت تمہارے بیٹے کا دماغ تمہارے خلاف جانے کتنا بھر چکی ہوگی۔''
اس کی ماں کیسی زیرک نگاہ تھی کہ بیٹے کی تیاری سے اس کے سفر کی سمت کا اندازہ لگا لیا کرتی تھی۔ شاہنواز نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے ذرا فاصلے سے آتی ماریہ کو دیکھا۔ جو جڑواں بچیوں کے بعد اس بار بھی بیٹی کی ماں بننے والی تھی۔
''تم میرا بیگ تیار کر دو میری واپسی تین چار دنوں تک ہوگی۔'' اسے اپنی ماں سے کچھ ضروری بات کرنی تھی وہ اس وقت ماریہ کو ٹالنا چاہتا تھا۔
''اماں! تمہاری یہ بہو صرف بیٹیاں ہی پیدا کرے گی۔ اس لیے میں بخش کو حویلی لانا چاہتا ہوں۔ وہ اس بزدل عورت کے ساتھ رہا تو کسی کام جوگا نہیں رہے گا۔''
وہ ماریہ کے جانے کے بعد دھیمی آواز میں بولا۔ ماں نے اسے گھبرا کر کے دیکھا۔
''یہ ایک جذباتی فیصلہ ہے جس کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔ شاہنواز اگر تمہارا چچا وہ کوٹھی وقار کے نام کر دیتا تو اب تک بک چکی ہوتی۔ اسی خوف سے تو اس نے وہ آیت کے نام کر دی تھی۔ اب جس دن تم بخش کو حویلی لے کر آؤ گے۔ اس سے اگلے دن ہی سن لینا کہ وقار آیا تھا اور کوٹھی بیچ کے بہن کو ساتھ لے کر چلا گیا۔ شہر میں تمہاری کوئی پراپرٹی وغیرہ نہیں۔ زمین ہے تو آئے دن بیچتے رہتے ہو اور یاد کرو جب آیت کے وہاں شفٹ ہونے پر وقار نے اعتراض اٹھایا تو آیت نے اسی وقت بھائی کو صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ جیتے جی کوٹھی سے دست بردار نہیں ہوگی اور اس کی موت کے بعد وہ گھر بخش کی

ملکیت ہوگا۔ لہٰذا چند سال صبر سے نکال لو۔ بالآخر وہ کروڑوں کی جائیداد تمہارے ہی قبضے میں ہوگی۔''
ماں نے اس پر تمام صورت حال واضح کردی تھی۔
حواس کی سمجھ میں بھی آگئی تھی لیکن انسان بہت بے صبرا اور جلد باز ہے۔

☆☆☆

کبھی کبھار یوں ہوتا کہ بخش جیسے اس لگی بندھی روٹین سے اکتا جاتا۔ اس دن جب اس کی پیرنٹس میٹنگ میں صرف ممی جاتیں یا پھر وہ اپنے کسی فرینڈ کی برتھ ڈے پر ان کی کزنز گیدرنگ انجوائے کرکے آتا۔ وہ یہ سوال بھی کرنا چھوڑ چکا تھا کہ میں اپنے کزنز سے کیوں نہیں ملتا، وہ اب یہ شکوہ بھی نہیں کرتا تھا کہ باقی سب بچوں کے بہن بھائی ہیں تو مجھے بھی چاہئیں کہ اس سوال پر آیت کی آنکھوں میں اُتری ویرانی اسے بری لگتی۔ جب بخش پہ وہ یاسیت بھری کیفیت طاری ہوتی تو ایسے میں وہ ایک چھوٹی سی بچی بن جاتی جو بخش کے ہر حکم کی غلام ہوتی۔
آج بھی وہ اسکول سے آیا تو اس کے گم صم انداز آیت کو بے چین کر گئے، کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ بتیس سالہ آیت نے اس کا ننھا ہاتھ تھامتے ہوئے لمحوں میں بھیس بدلا، اس نے ایک پھولی ہوئی گھیر دار فراک پہن کے اپنے ایک ہاتھ میں گڑیا پکڑلی وہ اسے ٹیوشن لے کر جانے کے بجائے فٹ بال گراؤنڈ لے آئی لیکن وہ وہاں بھی منہ بسورتا رہا، وہ اس خالی پلاٹ کی طرف بھی آئی جہاں اب کچھ ماہ سے اوڈ آباد تھے وہ ان بچوں کے کھیل تماشے دلچسپی سے دیکھتا تھا مگر بیٹے کو گھر کے راستے پر جاتا دیکھ کر وہ ڈسٹرب ہوئی تو کیا بخش کا بچپن گم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے گھر کے سامنے رک کر شاندار بخش ولا کو گلہ آمیزی سے دیکھا جہاں وہ کسی کے حصے کی سزا کاٹ رہی تھی۔
''او گاڈ ممی! ذرا دیکھیں تو نادیہ آنٹی نے اتنے اچھے فلاور پلانٹ کا ایک جنگل بنا دیا ہے۔''
وہ کھلکھلا کے ہنسا۔ اس نے سامنے والے کھلے گیٹ سے اندر جھانکا جہاں نادیہ ملازمین سے لان سیٹ کروا رہی تھی۔ وہ گملوں کا میلہ لگا دیکھ کے مسکرائی۔''
''ممی آئیں ناں..... آنٹی کی ہیلپ کرتے ہیں۔'' وہ اسے کھینچتا ہوا بولا۔
وہ تذبذب کا شکار ہوئی کہ زیان گھر پر تھا مگر وہ بیٹے کا موڈ بھی بحال رکھنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

وہ باپ بیٹا کسی بات پر تکرار کرتے ہوئے آگے پیچھے باہر آئے تھے۔ زیان کی تیاری سے لگ رہا تھا وہ کہیں جانے کے موڈ میں ہے۔
آیت اسے دیکھتے ہی یوں محتاط ہوئی جیسے وہ آج وہاں چور دروازے سے آئی ہو اور دیکھے جانے کے ڈر سے چھپ جانا چاہتی ہو۔
''واہ! کیا ماجرا ہے بھئی؟'' ہاشم اس باغ و بہار تبدیلی پر خوش گواری سے مسکرایا۔
''یہ ماجرا تو میرا کمال ہے۔'' نادیہ نے بے شمار گملوں کی جانب انگلی لہرائی۔ ''اور باقی کا کمال میری اس پیاری سی سہیلی کا ہے۔'' نادیہ نے آیت پر توصیفی نگاہ ڈالی۔
زیان کے ماتھے کی سلوٹیں ایک دم غائب ہوئیں، اس نے چہرہ موڑ کے اس پیاری سی سہیلی کو دیکھنا ضروری خیال کیا۔ جو ممی کے بقول اکی بانا میں ماہر تھی اور پھول پودوں کی بیماریوں کا علاج بھی کرتی تھی چونکہ اس کا ہارٹی کلچر ایم ایس ادھورا رہ گیا تھا تو زیان کا کہنا تھا کہ اس کی پھول پتیوں سے زیادہ چھیڑ چھاڑ نیم حکیم کے مترادف تھی وہ جو اس وقت نہایت انہماک سے ان کا لان سیٹ کر رہی تھی۔
وہ اندازہ بھی نہیں کرسکتا تھا کہ اس کی اپنی زندگی یوں اپ سیٹ تھی۔ آیت کے متعلق ممی سے وہ سب سننے کے بعد اسے آیت کے حالات زندگی نے حیرت سے دوچار کیا تھا۔ وہ لڑکی خود اپنی ہی زندگی کے لیے نیم حکیم تھی وہ اسے نظر بچا کے دیکھتا رہا۔ وہ اس کی زندگی میں آنے والی واحد عورت تھی جو اسے دیکھنے کے باوجود اس سے نظر ملانے کی چاہ نہیں رکھتی

تھی۔

''میرے روم پلانٹ کے مرجھائے پتوں کے لیے بھی مجھے کوئی نسخہ لکھ کے دو۔'' وہ اس پودے کے دوسری جانب آ کے بولا جس کے پتوں پر وہ اسپرے کر رہی تھی۔

آیت نے اس کے متبسّم چہرے کو لمحہ بھر دیکھا۔ وہ انتہائی لاابالی، لاپرواہ اور بے فکرا شخص ہر رنگ میں اور ہر وقت اتنا فریش نظر آتا تھا کہ اس کے کمرے میں اگر کوئی پلانٹ تھا بھی تو اس کے پتے مرجھا ہی نہیں سکتے تھے۔

وہ بخش کو دیکھ کے مسکرایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی ایک آنکھ کو یوں میچا کہ اس کی لوفرانہ ادا پر بخش کا چہرہ گلابی پڑ گیا۔ وہ جھینپ کے رہ گئی۔

''اگر تم اپنی حرکتیں درست کر لو تو تمہارے روم کے پھول پتوں سمیت تمہارے ہمسائے بھی ٹینشن فری ہو سکتے ہیں۔''

وہ سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔ وہ جو بھاگتے ہوئے بخش کو ہنس کے پکار رہا تھا۔ کچھ سنجیدہ ہوا۔

''میری ہر حرکت پر نظر بھی رکھتی ہو اور مجھے نظر انداز بھی کرتی ہو جبکہ جانتی بھی ہو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔'' اس کے سرخ پڑتے چہرے کو —— سنجیدگی سے دیکھا۔

اس نے خاصے فاصلے پر کھڑی نادیہ کو بوکھلا کے دیکھا پھر دبی آواز میں بولی۔

''اچھا بس شٹ اپ..... اب بہت ہو چکا۔''

اس نے نوخیز پتوں کو ضرورت سے زیادہ زہر چکھایا۔

''تمہارے شٹ اپ کہہ دینے سے بھی تمہاری نگاہ کی بے ساختگی اور میری فیلنگز اپنی جگہ قائم رہیں گی۔''

اس کے لہجے میں واقعی محبت کا ماحول تھا اور ایسا تھا کہ آج پہلی بار آیت کے پاؤں زمین میں دھنسے، گویا عورت کی نگاہ کا بے ساختگی میں اٹھنا۔ گناہ ہی نہیں فنا بھی ہوتا ہے مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس نے زہریلے پتوں پر پانی کی دھار تیز کی مگر ان کا رنگ بدل چکا تھا۔

☆☆☆

رات کے اولین پہر ٹھنڈی نیلگوں روشنیوں سے جگمگاتا زیان ولا رونق سے بھرپور تھا۔ نادیہ لان میں خوش گپیاں لگاتے رشتہ داروں سے مسکراہٹوں کے تبادلے کرتی ہوئی اس جانب آئی جہاں زیان کھڑا تھا۔

''مانا کہ یہ تمہارے دوستوں کی پارٹیوں جیسی نہیں مگر ایسی بورنگ بھی نہیں۔'' وہ لڑکیوں کی طرف دیکھتی ہوئی معنی خیزی سے مسکرائی۔

زیان نے اس کی شرارت سمجھتے ہوئے سامنے اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور کچھ کہنا چاہا لیکن چونک اٹھا۔ پھر نادیہ کی پھٹی پھٹی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھا تو سامنے سے دو عمر رسیدہ خواتین آ رہی تھیں۔ نادیہ انہیں پہلی بار دیکھ رہی تھی تو یقین تھا کہ یہ آس پڑوس سے ہوں گی۔

''ارے ہم بوڑھیوں کو چھوڑ کے کہاں بھاگی جا رہی ہو۔'' ان خواتین کے عقب میں دو سفید بالوں اور پوپلے منہ والی بزرگ خواتین پہلوؤں پر ہاتھ رکھے ہانپ رہی تھیں۔ اس منظر کو دیکھ کر زیان کا چہرہ کھلکھلایا۔

''میرے خدا!'' نادیہ نے اپنے تمتماتے گالوں پر ہاتھ رکھا۔

''ماشاءاللہ آپ مسز ہاشم ہیں۔'' اب ریسپشن پہ تو مالکن ہی ہو سکتی تھی۔

''جی یہی ہیں نادیہ ہاشم۔'' آیت مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے قریب آ کے بولی۔ صورت حال دلچسپ تھی کہ وہ بزرگ خواتین ہی نادیہ کی منکر نکیر ہمسائیاں تھیں۔ اس نے بناوٹی خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تارا کو تیکھی آواز سے پکارا۔ مگر زیان کے چہرے پر امڈنے والی خوشی بناوٹی نہیں تھی جو بخش کی ڈریسنگ کو سراہ رہا تھا۔

وہ تارا کے آنے تک اپنی ہمسائیوں کو آرام دہ نشستوں کی طرف لے آئی۔

''ارے پلیز مسز ہاشم، آپ اپنے دیگر مہمانوں کو دیکھیے ہماری تو ہمسائیگی ہے اب آنا جانا رہے گا۔ ان شاء اللہ!'' پکے چہرے کی مالک ہمسائی نے آرام دہ حالت میں پھیل کر بیٹھتے ہوئے اس کی توجہ ریسپشن کی طرف مبذول کروائی وہ جبراً مسکراتی ہوئی سابقہ جگہ پر آئی۔ وہاں آیت تارا کو پہلے ہی الرٹ کر چکی تھی۔

''ہاں تو تارا جی! ہمارے آس پڑوس سے جو نو بیاہتا دلہنیں تشریف لائی ہیں اب تم نے ان کا خاص خیال رکھنا ہے۔'' وہ دانت کچکچا کے بولی۔ تارا چند قدم پیچھے ہٹی اور ان —— کو ہڑبڑا کے دیکھا۔ وہ اسے کچھ شناسا لگیں تو پھر وہ دولہا اور دلہنیں کون تھیں اس نے دماغ پر زور دیا۔ یہ سب دور جا کے بھی سوچا جا سکتا تھا۔

وہ بیگم صاحبہ کے تیور بھانپتے ہوئے کان لپیٹ کے بھاگ لی۔

''گو صدمہ بہت بڑا ہے ممی! مگر اس وقت حوصلے سے کام لیں۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

''اب اپنا موڈ بحال کر لیں اور یہ یاد رکھیں کہ ماضی نے ہمیں بہت پیارے ہمسائے بھی دیے ہیں۔'' اس نے آنکھیں دکھاتی پیاری ہمسائی پر اک بھرپور نگاہ ڈالی۔ جس کا زرد لباس اس نیلگوں روشنی میں اپنے اصل رنگ کا اتا پتا چھپا رہا تھا مگر اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ مسکرایا اور یک بارگی رخ بدلا۔

مونا کو اپنے باپ کے ساتھ آتا دیکھ کے اس شخص کے چہرے سے ہر تاثر یک لخت ختم ہوا۔

☆☆☆

جب وہ بچپن میں اس گھر میں آتا جاتا تھا تو سمجھتا تھا کہ اسے اپنے باپ سے ذرا بھی شکوہ نہیں۔ وہ نادیہ کو ممی کہتا تھا اور اسے یہ ممی پسند بھی تھیں وہ جب نوعمری میں آیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے باپ سے اس بات پر شکوہ کر سکتا ہے کہ وہ اسے نانو کے پاس چھوڑ کے خود واپس کیوں آ گیا تھا اور اگر آنا لازمی تھا تو اسے بھی ساتھ ہی لے کر آتا۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے نانو ناپسند تھیں مگر نادیہ ممی اور نانو کی محبت میں بہت فرق تھا۔ جب وہ جوان ہوا تو اسے اپنے بابا سے ایک شکوہ مستقل رہنے لگا۔ حتیٰ کہ ایئرپورٹ پر آتے جاتے ہوئے مانچسٹر کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہوئے اور اسلام آباد کے فلیٹس میں مدہوش ہوتے ہوئے بھی وہ سوچتا کہ اس کے باپ نے مانچسٹر میں اس لاریب نامی عورت سے محبت اور شادی یہ دونوں کام عجلت میں اور بنا سوچے سمجھے کر ڈالے۔

وہ یہاں آتا تو نادیہ کو نماز اور تسبیحات میں مشغول دیکھتا تو اسے بطور مسلم لمحہ بھر کو ہی سہی مگر ایک خسارہ تنگ کرتا تھا۔ وہ اس خسارے کو محسوس کرتے ہی وہاں سے بھاگ جاتا۔ جب وہ مانچسٹر جاتا تو اپنی نانو کو کسی اولڈ فرینڈ کے ساتھ ڈرنک کرتے دیکھتا تو دل کو تسلی دیتا کہ یہی تو اصل زندگی ہے۔ نہ وہ کسی کام سے نانو کو ٹوکتا نہ وہ اسے ٹوکتیں۔

وہ مونا کے گھر ہونے والی پارٹیوں میں جاتا تو محسوس کرتا کہ وہ اپنے بابا سے اک اور شکوہ بھی رکھتا ہے۔ وہ غیر مردوں کے ساتھ رقص کرتی ہوئی اور ڈرنک کرتی عورت بھی تو اس کے باپ کی بیوی ہی ہے پھر اس عورت پر وہ پابندیاں عائد کیوں نہیں جو نادیہ ممی پر ہیں۔ وہ اس امتیاز پہ ہمیشہ الجھ کے رہ جاتا۔

آج اس گھر میں ہونے والی دعوت میں ایک طرف کھڑا وہ پہلی بار چونکا اور غور کیا تو آج کے ڈنر نے اسے مزید الجھایا کہ مونا کے ہاں ہونے والی پارٹیوں میں اور اس دعوت میں نادیہ کی نمازوں اور نانو کی ڈرنک جتنا فرق تھا تو کیوں تھا؟

دونوں اس کے باپ کے نکاح میں تھیں تو فرق کہاں تھا پھر وہاں مونا کو دیکھ کے اس نے وہ فرق جان لیا۔ وہاں جتنی بھی عورتیں تھیں کم و بیش ایک جیسے لباس میں تھیں تو ایک جیسی نظر آ رہی تھیں اور مونا کی آمد ایسی ہی تھی جیسے اس کی نانو نادیہ کی اس پارٹی میں ڈرنک اور بوائے فرینڈ لے کر آ گئی ہوں۔ اس کی ماں لاریب اس کی نانو جیسی نہیں تھی۔ نادیہ، مونا جیسی نہیں

تھی۔فرق مقام میں نہیں ہوتا فرق عورت کی سوچ اور اس کے کردار میں ہوتا ہے۔فرق ادا اور لباس میں ہوتا ہے۔فرق عورت، عورت میں ہوتا ہے جو عورت خود کو جس قابل سمجھتی ہے قسمت اسے وہی مقام دیتی ہے۔

☆☆☆

ڈنر کے دوران آیت نے نوٹ کیا کہ نادیہ بطور میزبان گھومنے پھرنے کے بجائے ایک ہی جگہ جم چکی تھی اور اپ سیٹ بھی تھی تو وہ بخش کو ایک ٹیبل پر بٹھانے کے بعد اپنی پلیٹ لے کر اس کی طرف چلی آئی۔

''جب ہاشم بھائی کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اسے انوائٹ نہیں کیا، وہ خود ہی آ گئی ہے تو کیا وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔اور اگر تم اس کی ڈریسنگ پر شرمندہ ہو تو وہ۔''

''افوہ، میں ان دونوں وجوہات کی وجہ سے پریشان نہیں۔''اس نے آیت کا جملہ کاٹا،''میں تو زیان کی وجہ سے پریشان ہوں جو اسے دیکھتے ہی اپنے روم میں چلا گیا ہے۔''

آیت کی نگاہ نادیہ کے جذباتی اور سرخ چہرے پر ٹکی تھی۔اس نے حیرت سے دیکھا۔

''مونا پہلے بھی یہاں آ جاتی تھی اور زیان بھی وہاں جاتا رہتا ہے تو اب کیا ہو گیا ہے۔''نادیہ کے پریشان انداز نے اسے واقعی جھنجھلا کے رکھ دیا تھا۔

''چند دن پہلے ان دونوں کے درمیان اچھی خاصی تلخ کلامی ہوئی تھی۔''وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''مگر کیوں؟''آیت نے بے ساختہ پوچھا۔

جب سے زیان آیا تھا ان دونوں کے درمیان اس ڈکیتی کے کیس پر تفصیلی بات چیت نہیں ہو سکی تھی۔وہ دونوں لان کے جس کونے میں کھڑی تھیں وہ خوب روشن تھا مگر نادیہ کی باتیں سن کے اس کا چہرہ بجھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر آئی تو پورچ میں کھڑی شاہنواز کی گاڑی اس کے لیے ایک اور تکلیف ثابت ہوئی۔

''ممی! اب بابا آپ سے جھگڑا کریں گے نا؟''

وہ پورچ عبور کر چکے تو بخش نے اس کا بازو پکڑا۔وہ بے اختیار رکی۔اسے بیٹے کا یہ خوف ضبط کے نئے سبق سکھا دیتا تھا۔

''چلیں! ہم کہیں چھپ جاتے ہیں۔''وہ اس کے بازو سے لپٹ کے بولا۔

''ارے!''اسے بیٹے کے ڈر نے تکلیف دی۔

''چھپتے تو بزدل لوگ ہیں۔''وہ اسے ساتھ لگاتے ہوئے آگے بڑھی۔

''تو کیا ہم بہادر ہیں۔''وہ سیدھا ہوا اور اس کے لمس میں اک تبدیلی آئی۔

''تو اور کیا، میرا بیٹا سب سے بہادر ہے۔''اس نے متوقع منظر کو ٹالا اور اندرونی اضطراب دبا کے بولی۔

''اور آپ.....''اس نے رک کے پوچھا۔ماں نے اسے ہم سے الگ کر دیا تھا مگر اسے ماں کی فکر تھی اگرچہ وہ نہال ہوئی مگر اس ننھے سوال پر اس کا دل ڈوبا کہ شاہنواز اسے بزدل کہتا تھا۔

''عورت بہت بہادر ہوتی ہے مگر وہ رشتوں کے آگے کمزور پڑ جاتی ہے۔''اس نے بیٹے کو جواب دیے بنا لاؤنج کا بھاری دروازہ محتاط ہو کر کھولا۔اور دھک سے رہ گئی۔وہ نگاہوں کے عین سامنے کوئی ٹاک شو دیکھ رہا تھا مگر ان کی آمد کی خبر پا چکا تھا۔وہ بیٹے سے ملتا تھا تو ایک حد تک محبت جتاتا تھا۔وہ آج بھی حد میں رہ کے ملا پھر دھواں اُڑاتے ہوئے اس پر اک بے رحم نگاہ ڈالی۔

''اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟''

''مسز ہاشم کے ہاں دعوت تھی تو بس، کچھ دیر ہو گئی۔''وہ بخش کی جانب دیکھ کے بولی کہ اکیلی نہیں ہوں میرے ساتھ بیٹا بھی ہے۔

''تم نے ٹائم دیکھا ہے، یہ رات کے بارہ بجے تک گھر سے باہر رہنا۔تم میرے بیٹے کی کیا خوب تربیت کر رہی ہو۔''وہ حسب عادت دھاڑا۔

''اس میں ممی کا قصور نہیں ہے میں وہاں بچوں

کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ پلیز انہیں مت ڈانٹیں۔'' اس نے باپ کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے التجا سی کی۔ وہاں ایک سناٹا سا چھا گیا یہ بخش کی پہلی فیور تھی۔

''آپ اپنے روم میں جائیں۔'' باپ نے انگلی اٹھا کے راستہ دکھایا۔ اب بخش کے لیے وہاں رکنا ناممکن تھا۔

''تم نے میرے بیٹے کی یہ تربیت کی ہے کہ وہ مجھے جواب دینے لگا ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کے اس کے قریب آیا۔ آیت کو چکر سا آیا۔

''مجھے جلدی ہے ابھی واپس جانا ہے مگر اس موضوع پہ دوبارہ بات ہوگی۔'' وہ اب بھاری قدموں سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے باہر نکلتے ہی آج بھی گھر کی ہر چیز آیت کی دل جوئی میں لگ جاتی تھی۔

☆☆☆

وہ اس وقت کچن میں اپنے لیے کافی بنا رہا تھا اور سٹنگ ایریا میں اس کے ممی بابا کسی بات پر جھگڑ رہے تھے پھر دھیرے دھیرے وہ آوازیں معدوم ہونے لگیں تو اس نے کچن کی کھڑکی سے لان میں جھانکا۔ بابا گاڑی اسٹارٹ کر رہے تھے نادیہ قریبی سیٹ پر منہ پھلا کے بیٹھی تھی۔ وہ جب یہاں صرف چکر لگایا کرتا تو سمجھتا تھا کہ صرف وہ ہی نہیں باقی سب بھی مزے کی لائف گزار رہے ہیں۔ آج کل وہ اپ سیٹ تھا تو اسے محسوس ہوتا ہر کوئی یہاں اپ سیٹ ہے ہر کوئی کسی نہ کسی کمی کا شکار ہے مگر وہ کیوں ڈسٹرب تھا شاید باپ سے ناراض تھا اس لیے۔ اس نے اصل وجہ سے نگاہ چرائی۔ جب وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچا تو اسے شناسا آہٹوں کا گمان ہوا۔ وہ پلٹ کے نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

''کسی کو پتا ہے کہ باقی سب کہاں ہیں؟ یہ۔'' سوال اس سے کیا گیا تھا اس گہری ہوتی شام میں وہ آواز ایسے ہی تھی جیسے کسی نے ایک دم ڈھیروں بتیاں جلا دی ہوں مگر اس شخص کا دل راکھ ہوا تھا۔

وہ کتنے سالوں سے اسے محبت کا یقین دلا رہا تھا اور وہ اسے کسی خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ اسے اچانک یاد آیا کہ وہ کیوں ڈسٹرب تھا۔

''زیان میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

وہ اسے بدستور خاموش پا کر جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئی۔ یہ پہلی بار نہیں تھا کہ وہ گھر میں اکیلے تھے مگر ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اسے تنہا پا کر اس نے کوئی شرارتی بات کی نہ ذو معنی جملہ کسا۔

''اچھا صرف اتنا بتا دو، نادیہ نے میرا فون کہاں رکھا ہے۔ میں کل رات ادھر ہی بھول گئی تھی۔'' جلتی بجتی بتیاں اس کے تعاقب میں ہی تھیں مگر وہ رکا نہیں۔

''چلو یہ بھی نہ بتاؤ مجھے اپنا فون دو تا کہ میں کال ملا کے اپنا فون تلاش کر سکوں۔'' وہ اس کے ساتھ ہی کمرے میں آئی۔ ریان نے جونہی اپنا فون اس کے ہاتھ میں دیا تو اسی دم وہ تیز کالنگ ٹون پر اچھلی۔ ''اُف!'' پھر وہ خفت سے جھینپ گئی مگر اس کی نگاہ اسکرین پر چمکتا نام پڑھ چکی تھی اس کا چہرہ سپاٹ ہوا۔

''ایمل وہی لڑکی ہے نا جس کی وجہ سے تمہیں مونا کا آنا بھی ناگوار گزرا اور تم نے نادیہ کی پارٹی بھی خراب کی۔ تم لڑکے بھی عجیب ہوتے ہو، پہلے لڑکیوں کو محبت کا جھانسا دے کر ان کی زندگی خراب کرتے ہو پھر کہتے ہو۔ ہم اس کریکٹر لیس لڑکی کو نہیں اپنا سکتے۔'' وہ اسے فون واپس کرتے ہوئے تلخی سے بولی۔

زیان نے اس پر سلگتی نگاہ ڈالی اور فون ہاتھ میں لیتے ہی آف کر دیا۔

''میں نے کبھی کسی کو محبت کا جھانسا دیا نہ ہی کبھی کسی ٹھیک کو خراب کیا۔''

اس نے گرم کافی کا بڑا سا گھونٹ بھرا۔

''ہاہ..... کیا میں تمہیں نہیں جانتی۔'' وہ استہزا سے بولتی واپس پلٹی۔ اس نے وہ جلتا بلتا مگ بک ریک میں پٹخا اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

''یہ کیا بے ہودگی ہے؟''

وہ مچلی اور زیان کو پیچھے دھکیلنا چاہا مگر آیت کی مزاحمت اس کی مضبوط گرفت کے آگے کمزور ثابت ہوئی۔

''چھوڑو مجھے۔''

وہ بکھری آواز میں بولی۔ اف جیسے ہر طرف دھوپ ہی دھوپ تھی۔

وہ پہلی بار ایسی صورت حال کا شکار ہوئی تھی۔ اس کی نگاہ کافی کے مگ پر پڑی جو اس کی پہنچ میں تھا بس ایک لمحہ لگا وہ گرم کافی اس کی گردن کو جلاتی ہوئی کمر پر بہتی گئی اس شخص نے اف کیے بنا اسے یونہی گرفت میں لیے ذرا سا پیچھے ہٹایا۔

''میں بدنیت ہوا ہوں نہ بے قابو ہوا ہوں۔ بس تمہیں سمجھانا چاہا ہے کہ ایک اچھی عورت خود کو بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہے اسے کسی کے جلنے یا مرنے کی پرواہ نہیں ہوتی۔'' اس کی سرخ گردن پر ننھے آبلے ابھر آئے تھے۔ وہ آیت کی بھیگی آنکھوں میں تکے جا رہا تھا۔ جیسے ابھی ان دونوں پر کوئی برا لمحہ گزرا ہی نہیں تھا۔

''مجھے جاننے کا دعویٰ بھی کرتی ہو اور یہ تک نہیں جانتیں کہ جب تم نے مجھے پہلی بار دیکھا تو تمہاری آنکھوں نے مجھے اسی دن نگل لیا تھا۔ پھر مجھے پتا ہی نہیں چلا میں جانے کب تم سے محبت کرنے لگا۔'' اس نے اب زیان کے ہاتھ کندھوں سے ہٹائے۔

''میں تمہیں کیا سمجھتی تھی اور تم۔''

وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ ڈبڈبائی آواز میں بولی۔

''میں تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں کر سکتا۔''

کمرے سے بھاگتی آیت نے یہ جملہ بہروں کی طرح سنا۔ لیکن آج وہ ڈر گئی تھی اگر محبت کی کوئی شکل ہوتی تو وہ زیان کی گردن پر پڑے آبلوں جیسی ہوتی۔

''میں نہیں جانتا یہ سب کیا ہے؟'' وہ ادھوری نظم اسے عقب سے پکارتی رہ گئی۔

☆☆☆

اس نے کمرے میں آنے کے بعد دوپٹہ اتار کے یوں جھٹکا جیسے اس پر اٹکا سورج جھٹک دیا ہو اس کے ساتھ اندر آتے نجش نے اسے حیرت سے دیکھا۔ اس نے لاؤنج عبور کرتے وقت سیڑھیاں چڑھنے سے قبل بھی ادھر ادھر نہیں دیکھا تھا۔ اس نے کمرے میں آنے کے بعد بھی نہیں سوچا کہ جب وہ ناک کی سیدھ میں دیکھتے اوپر آ رہی تھی تو بیٹا اس کے ساتھ ہی آ رہا تھا۔ وہ واش روم میں آئی اور چہرہ رگڑ رگڑ کے دھونے لگی اس نے سارے آنسو بھی دھو ڈالے۔ وہ ڈریسنگ روم سے نکلی تو ٹھٹکی بیٹا اسے پریشان نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ممی! آپ کو کیا ہوا ہے اور آپ روئی کیوں ہیں؟''

''مجھے چوٹ لگی ہے۔'' وہ اس سے نگاہ چراتی ٹیبل پہ پڑے ٹشو باکس کی طرف آئی۔ اسے چوٹ ہی تو لگی تھی کہ زیان نے آج اپنے اور اس کے بیچ اعتبار کا رشتہ ختم کر دیا تھا۔

''اچھا دکھائیں تو چوٹ کہاں لگی ہے۔'' وہ اس کے قریب آ کے بولا۔

وہ جز بز ہوئی۔ یا اللہ اس نے کیوں نہیں سوچا کہ یہ بچہ تو بال کی کھال نکالتا ہے۔

''چوٹ نہیں لگی نجش! تم نیچے جاؤ۔'' وہ ذرا سختی سے بولی۔

''کچھ تو ہوا ہے۔ اگر چوٹ نہیں لگی تو پھر آپ کا اور نادیہ آنٹی کا جھگڑا ہوا ہے..... ہے نا۔'' وہ یقین سے بولا۔

وہ چونکی۔ کچھ تو ہوا ہے۔ یہ چار حرفی جملہ چونکانے جیسا ہی تھا۔ وہ جس بکھری حالت میں گھر آئی تھی تو صرف نجش ہی نہیں ان کی ملازمہ عارفہ بھی اس کے متعلق یہی سوچ رہی ہوگی۔

''ہاں جھگڑا ہوا ہے۔'' وہ اقرار کرتے ہوئے چہرہ پونچھنے لگی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

''یہ بتائیں غلطی کس کی تھی؟''

اس اچانک سوال پہ وہ جیسے ساکت ہوئی۔ غلطی

کس کی تھی، اگر اتنے سالوں بعد آیت نے اپنی نگاہ کو قابو میں کرلیا تھا تو وہ سمجھتی تھی، سب ٹھیک ہو چکا ہے۔ جہاں کیف جمال تھا، وہ وقت پیچھے رہ گیا تھا۔ بعد میں وہ شناسا چہرہ دیکھنے کے لیے جو طاقچہ وہ کھولتی تھی، وہاں سے زیان نظر آتا تھا۔ وہ بھی اس کھلے طاقچے میں ایک عورت کا ہی چہرہ دیکھتا رہا، وہ بھی یہ بھول جاتا تھا کہ وہ کسی کی بیوی ہے، اسے اپنی غلطیاں یاد نہیں آرہی تھیں، زیان کا قصور یاد آرہا تھا۔ وہ تو محبت کا اظہار بھی کرتا تھا، وہ تو اسے دیکھ کے مسکراتا بھی تھا، وہ تو بے باک بھی تھا۔ وہ تو شرارتی بھی ہو جاتا تھا، اس نے اپنا آپ اور اپنا مزاج اس سے کب چھپایا۔ پھر آج وہ طیش میں آکر کیوں سوچ رہی تھی کہ زیان کون ہے جو ہاتھ پہ سورج رکھے ان ہی پرانے راستوں کو روشن کرنے چلا ہے اور یہ بھی نہیں سوچتا کہ وہ کس مقام پہ کھڑی ہے، جس دن وہ مایوں بیٹھی تھی تو اس دن کیف جمال کی پہلی اور آخری کال آئی تھی۔ مرد جب دوسرا کنارہ دریافت کرلیتا ہے تو عورت ہی کیوں چونکتی ہے کہ میں اس مقام تک نہیں آسکتی۔

مایوں کی دلہن نے ٹشو پیپر سے چہرہ رگڑ ڈالا تھا۔ کیا ٹشو پیپر ندامت سمیٹ سکتا تھا۔

آج اتنے سالوں بعد بھی اس کے چہرے سے ٹشو پیپر نے صرف پانی ہی سمیٹا تھا۔

☆☆☆

ان چار ہفتوں میں وہ ممی کے ساتھ جتنا وقت گزار چکا تھا، اتنا وقت اس نے پچھلے اٹھائیس سالوں میں نہیں گزارا تھا اور پچھلے بارہ گھنٹوں میں زیان نے اسے جتنا پریشان دیکھا تھا، پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان آنکھوں کو دیکھ کے نادیہ کے چہرے اور لہجے سے جو پریشانی عیاں تھی، وہ اندھا بھی دیکھ سکتا تھا لیکن جو جلا تھا، اس کے تاثرات یوں تھے جیسے وہ زخم اس کے جسم پہ نہیں کسی کینوس پہ پینٹ تھے۔ وہ ایک دوسری پریشانی میں مبتلا تھا۔

''ہماری جان کو تو سوکن جیسے روگ لگے ہیں۔''

''ہم تو گرم چائے ہاتھ میں لے کر سر بھی کھجا سکتے ہیں اور کان بھی..... مگر تمہاری بے دھیانی پہ کیا کہیں۔''

وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھ کے تفتیش کرتی، وہ بس مسکرائے جاتا۔ ایسے میں ہاشم کی نگاہ اسے اندر تک کھوجتی اس کے بیٹے کے زخموں میں اور آنکھوں میں کوئی تو جلن تھی جو سوکن جیسی تھی۔

''میں اتنے دنوں میں یہ جان چکا ہوں کہ آپ نے تارا کی کام چوریوں اور مالی کی کوتاہیوں کو بھی جی کا روگ بنا رکھا ہے، اب مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ آپ گھریلو خواتین اگر رائی کا پہاڑ نہ بنائیں تو گھر میں وقت کیسے گزاریں۔'' وہ ہنستا۔

وہ کوئی رائی نہیں تھے، زیان کے زخم تھے جن کا ایک پہاڑ نہیں نادیہ نے کئی پہاڑیاں بنائیں..... پھر ایک کام چور پولیس آفیسر کی طرح اس کیس کی فائل کو کسی لاکر میں پھینک دیا۔

ان ہی دنوں ہاشم کے لیے زیان کی بے چینی معمہ تھی جو پھر سے پاؤں میں آوارگی باندھ کے جانے کیا ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ پچھلے کئی دنوں سے نجش کو ٹیوٹر کے ہاں چھوڑنے جاتی تو ساتھ عارفہ کو بھی لے آتی۔ وہ راستے میں ہوتا بھی تو آیت کا پتھر چہرہ اسے جتا دیتا کہ اب بات نہیں ہو سکتی۔

ایک آدھ بار اتفاق سے عارفہ اور نجش کافی آگے نکل گئے تو وہ سرعت کے ساتھ راستے میں آیا۔

''ہم کہیں بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں۔''

''کرنے کو کوئی بات ہے ہی نہیں، پلیز مجھے فالو کرنا چھوڑ دو۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی تھی۔

''اچھا اپنا کزن سمجھ کے میری بات سن ہی لو۔'' اس نے التجا کی۔

''میں اسے بھول چکی ہوں۔ میں دوبارہ اسے نہیں دیکھنا چاہتی۔''

بھلے وہ کوئی شاپنگ مال ہوتا یا کوئی ریسٹورنٹ..... حتیٰ کہ میڈیکل اسٹور میں بھی عارفہ

اور بخش اس کے ساتھ ہوتے۔ اس وقت زیان کی بے بسی دیکھنے لائق ہوتی۔ وہ یوں اجنبی بن کے گزر جاتی، جیسے جانتی ہی نہیں تھی۔ وہ تلملا کے رہ جاتا۔

کوئی اور بھی تھا جو جانے کب سے زیان کو فوکس کیے تھا جو اسے اس عورت کے پیچھے خوار ہوتے دیکھ رہا تھا اور وہ مونا کو بھی اس خبر سے اپ ڈیٹ کر رہا تھا۔

☆☆☆

''ہاں بھئی بخش! تیار ہونا۔'' اس نے کمرے کے دروازے سے اندر جھانکا، پھر اس کے ماتھے پر بل پڑے کہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ واش روم کا دروازہ بھی کھلا تھا۔

''گویا وہ پھر بھاگ گیا۔'' اس نے گہرا سانس کھینچا۔ وہ نیچے جا کے عارفہ سے بھی پوچھتی تو یہی کہتا کہ تارا اسے بلانے آئی تھی۔ وہ بیٹے کے کمرے کا دروازہ بھیڑ کے اپنے کمرے میں آئی اور کھڑکی کا پردہ سرکا کے سامنے والی چھت پہ جھانکا۔

بے شمار پتنگیں اور ڈور کا بنڈل خرید لینے سے وہ پتنگ بازی میں ماہر نہیں ہوسکتا تھا۔ یہی بات وہ گزشتہ ایک ہفتے سے بیٹے کو سمجھا رہی تھی کہ جس دن زیان نے تمہیں پتنگ اڑانا سکھا دیا تو اس سے اگلا دن قیامت کا ہوگا۔ وہ اس وقت بھی بیٹے کے پرجوش چہرے کو دیکھ کر چند مایوس کن آہیں ہی بھر سکتی تھی۔ وہ آوارہ گرد جو جامنی پتنگ ہاتھ میں لیے بخش کی کسی بات پہ ہنس رہا تھا، آخر وہ کیا چاہتا تھا۔ وہ ان برسانی دنوں میں پتنگ اڑانے کا خواہاں تھا تو نہیں جانتا تھا کہ اس نم موسم میں تو شاخ پہ لگے پتے بھی اڑنے کے خواب نہیں دیکھتے۔

☆☆☆

مونا اپنے شوہر کے چہرے پہ چھائی اذیت دیکھ کر رہی تھی جس نے ابھی کوئی کچھ دیر پہلے کہا تھا یہ محض الزام ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تو پھر اب اس کے ذہن میں کیا چل رہا تھا؟ وہ اس کے پل پل رنگ بدلتے چہرے پہ نظر جماتے ہوئے سنجیدگی سے ہم کلام ہوئی۔

''اگر زیان کے مانچسٹر جانے پہ فی الحال تم ایگری نہیں تو اسے یہاں آزادی سے وقت گزارنے کی اجازت دے دو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارا بیٹا کتنا پارسا ہے اور اس کا یہ دعوا بھی غلط ثابت ہو چکا ہے کہ وہ خود نہیں بلکہ لڑکیاں اسے اپنے ساتھ وقت گزارنے پہ مجبور کرتی ہیں۔ اگر وہ یوں ہی میرڈ عورتوں کے پیچھے بھاگتا رہا تو اس کالونی میں تم لوگوں کی عزت اور خاندانی وقار دو کوڑی کا بھی نہیں رہے گا۔''

وہ جس ہتک آمیز لہجے میں اسے اس معاملے کی اونچ نیچ سمجھا رہی تھی اور بیٹے کا کردار اس کے منہ پر مار رہی تھی، وہ ہاشم کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ برداشت کر رہا تھا تو اس لیے کہ یہاں معاملہ صرف زیان کا نہیں تھا۔ دوسری جانب آیت شاہنواز تھی۔

''تم نے جو کہنا تھا وہ کہہ چکیں۔ اب میری بات کان کھول کے سن لو۔ میرا بیٹا جیسا بھی ہے، میں اس معاملے کو دیکھ لوں گا مگر مسز شاہنواز ایک باوقار اور خاندانی عورت ہیں، لہٰذا اس قصے کو آج یہیں میرے سامنے دفنا دو تو بہتر ہوگا۔''

وہ اپنے اشتعال پہ قابو پاتے ہوئے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں گویا ہوا۔ اس نے چائے کا گھونٹ لیا اور شوہر کو بے تاثر نگاہ سے دیکھتی رہی۔

''جانتی ہوں کہ تمہاری مسز کی دوست بھی باوقار اور خاندانی ہی ہوگی۔''

یہ بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ ہزار تاثر دے رہا تھا۔ وہ چونکا ضرور مگر وہ اب بات کو بڑھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ زیان ولا میں آتی جاتی رہتی تھی، وہ مانتی تھی کہ وہ اس دعوت میں بن بلائے گئی تھی۔ وہ یہ بھی مانتی تھی کہ وہ وہاں زیان کی ضد میں گئی تھی لیکن دعوت کے اختتام پہ ایسے سی آف کرتے ہوئے ہاشم نے اس سے جو گفتگو کی تھی، اس کا مطلب تھا اس کے بیٹے کے خیال میں وہ نادیہ کے گھر میں ہونے والی فیملی گیدرنگ ڈیزرو نہیں کرتی تھی۔

اس رات گھر آنے کے بعد آئینے کے سامنے میک اپ صاف کرتے ہوئے اسے اپنے چہرے کی کیفیت نے جتنا ہرٹ کیا تھا، آج ہاشم کی اذیت نے اسے اتنی ہی خوشی دی تھی۔ اب اتفاق سے اسے وقت ایک موقعہ دے رہا تھا تو وہ نادیہ اور زیان کو اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا سا ڈسٹرب کرنے کا حق تو رکھتی تھی ناں.....

☆☆☆

وہ اس وقت کیاریوں سے جھاڑ جھنکار صاف کروا رہی تھی، جب ان کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ چوکیدار نے دروازہ کھولا تو آیت نے چہرہ گھما کے دیکھا، اگر تارا ہوتی تو اندر آجاتی۔ گویا باہر وہ خود تھا۔ زیان کی مستقل مزاجی کی کوئی حد نہیں تھی مگر آیت کی برداشت کی حد تھی۔ اس نے بیٹے کو دروازے کی طرف دوڑتے دیکھا۔

''تم کدھر چل دیے؟'' وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''ممی! میں بور ہو رہا ہوں۔'' وہ منہ بگاڑ کے بولا۔ وہ ہاتھ جھاڑتی اس کے پیچھے لپکی اور جب اس کا کالر ہاتھ میں آیا تو وہ گیٹ پار کر چکا تھا۔

''گھر میں تم بور ہو رہے ہو اور سامنے والے گھر میں مینا بازار لگا ہوا ہے۔''

وہ جل بھن کے بولی اور زیان پہ سرسری مگر کٹیلی نگاہ ڈالی۔ اس کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ کہیں تو چھپ دکھا رہی تھی۔ اس کا پلان کامیاب جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جہاں بخش ہوگا۔ آیت کا دھیان وہیں ہوگا۔

''اس کی ٹیوٹر کراچی سے واپس آچکی ہے اور ان چند روزہ آوارہ گردیوں کی بدولت اس کا ہوم ورک نامکمل پڑا ہے سو پلیز ہم یہ آوارہ گردیاں افورڈ نہیں کر سکتے۔'' وہ بخش کو گھر میں دھکیل کے انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

وہ اس کی ذومعنی بات پر کٹ کے رہ گیا اور تڑپ کے تصحیح کی۔

''یہ سب آوارہ گردی نہیں ہے۔ تم ایک بار میری پوری بات تو سن لو۔''

اس کے ایک جملے نے زیان کے چہرے کی ساری رونق نچوڑ لی تھی۔ وہ چند لمحے جیسے اسے گھورتی رہی پھر سر یوں جھکایا، جیسے ہار مان لی ہو۔ اب بات سننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

☆☆☆

''نادیہ بتا رہی تھی۔ تمہاری نانو کی طبیعت خراب ہے۔'' اس نے یہ بات خود کلامی کے سے انداز میں کی، جیسے وہ سڑک پہ اکیلی ہو۔

''جو مانچسٹر میں بیٹھے ہیں، ان کا حال پوچھا جا رہا ہے جو ساتھ ہیں۔ ان کے حال سے کچھ غرض نہیں۔''

اس نے یوں شکوہ کیا جیسے وہ ابتر حالوں میں تھا۔ وہ اس گھنے درخت کے نیچے سے گزر رہے تھے جس پہ پرندوں نے شور مچا رکھا تھا۔

''میں نہیں سمجھتی کہ مجھ میں کچھ ایسی دلربائی ہے کہ میرے پیچھے یوں خوار ہوا جائے۔'' وہ گیلے پتوں کو جوتے کی ٹوہ سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے قدرے ترشی سے بولی۔

رات بھر ہونے والی بارش نے ہر شے بوجھل کر رکھی تھی۔

''میں بھی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہے مگر یقین کرو، میں اب پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔'' وہ اس ڈھلتی شام میں پرندوں کا شور پچھلے درخت پہ چھوڑ آئی تھی مگر وہ شور زیان کے ساتھ ساتھ ہی تھا۔ وہ شور آیت کو ناگوار گزر رہا تھا۔

''اب تم میچورا ایج میں ہو تو یہ بچکانہ جذبات۔''

''یہ بچکانہ جذبات نہیں ہیں آیت! یہ سچ ہے کہ میں تمہیں بے پناہ چاہتا ہوں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کے تیزی سے بولی۔

''او خدا.....'' وہ رکی۔ اس نے گہرے گہرے سانس لیے۔

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا زیان! میں سمجھی تھی کہ تم

واپس مانچسٹر جانے سے پہلے مجھ سے سوری کرنا چاہتے ہو اور تم.....'' وہ تیکھے پن سے بولی اور اسے دیکھا تو نگاہ پھسل کے گردن پہ ٹکی، زخموں پہ کھرنڈ آرہے تھے، وہ نگاہ چرا گئی۔

''میں کیا کروں کہ تمہیں میری باتوں کا یقین آجائے۔'' وہ طیش سے بولا۔

''میں یقین کر کے کیا کروں گی۔'' وہ زچ ہو کے بولی۔

''کیا تمہیں مجھ سے کبھی محبت نہیں ہوگی؟'' یہ کیسا سوال تھا کہ پھول پتوں کے نسخے لکھنے والی اس لڑکی کا چہرہ فق ہوا۔ آیت کی خالی آنکھیں۔ وہ کانچ جیسی آنکھیں تو کہیں کسی اور چہرے پہ بولتی تھیں، یہ شخص تو نا سمجھی میں ہی زخمی ہو بیٹھا۔

''جو تم چاہتے ہو وہ کبھی نہیں ہوسکتا۔'' اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ اسے اسٹریٹ لائٹس اور اندھیرے کی بے تکلفی پہ کوفت ہوئی۔ ''یہ مانچسٹر نہیں اسلام آباد ہے۔ میں آئندہ تمہیں یوں اپنے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' وہ روہانسی ہو کے بولی۔ وہ اسے چند لمحے گھورنے کے بعد ایک دم مسکرایا۔

''تو پھر مانچسٹر چلتے ہیں، وہاں ہم بے فکر ہو کے ایک ساتھ چلا کریں گے۔'' وہ پل بھر کو ساکت ہوئی۔

اس شخص کو کچھ بھی سمجھانا ناممکن تھا، وہ مٹھیاں بھینچ کے آگے بڑھ گئی۔ اس نے آج پہلی بار کیف جمال کو کوسا۔ آخر وہ اجنبی اس کی زندگی میں کہاں سے آگیا تھا۔ زیان اس سناٹے دار خاموشی میں دور ہوتی، آہٹوں کو اب کان لگا کے سن رہا تھا۔

☆☆☆

ہاشم نے نادیہ سے جو بات کی تھی۔ اسے سن کے وہ کچھ دیر کے لیے ساکت رہ گئی۔ ہاشم نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''اگر اسی پوزیشن میں رہو گی تو سچ مچ کومے میں چلی جاؤ گی۔'' وہ ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں تھی مگر اس کا جسم تپ رہا تھا۔ وہ یوں سکڑ کے بیٹھی تھی جیسے اس بات کو خود میں سمیٹ کے بیٹھی ہو، ذرا جو حرکت کی تو یہ راز بکھر جائے گا۔ ''تم خود کو پرسکون کرو گی تو ہی اس مسئلے پہ بات ہو سکے گی۔''

وہ بدستور دھیمے لہجے میں بولا۔ شاید وہ اس معاملے کا کوئی حل سوچ چکا تھا، اس نے پسینے سے تر ہاتھ باہم پھنسائے اور شوہر کو شکوہ بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''اگر میں تمہیں یہ خبر سناتی تو تم یوں فوری پرسکون ہو جاتے۔'' وہ اضطراری حالت میں گویا ہوئی۔ ''دیکھو یہ معاملہ سوچ سمجھ سے کام لیتے ہوئے ہی حل ہوسکتا ہے۔ یہ صرف بہتان نہیں، کچھ باتیں ہم عقل سے سوچیں تو ہر چیز واضح ہے۔ اس کافی کا گرنا کسی ـــــ سے ٹکر کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ اس پر پھینکی گئی تھی۔ اور سوچو آیت اس کے جلنے کی خبر سن کر بھی اس کی خیریت معلوم کرنے نہیں آئی۔ وہ آنا جانا ہی ترک کر چکی ہے تو قصوروار کون ہے؟''

آخری جملہ ادا کرتے ہوئے ہاشم کے لہجے میں شرمندگی کے ساتھ کڑواہٹ بھی گھل گئی تھی۔

''میں نہیں جانتی کہ تمہاری باتوں میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ، میں صرف اتنا جانتی ہوں میرا بیٹا اگر پارسا نہیں ہے تو شکاری بھی نہیں ہے، وہ اپنی طرف بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیتا ہوگا مگر وہ کسی پہ جال نہیں پھینکتا۔''

وہ بھل بھل بہتے آنسوؤں کے ساتھ زیان کی حمایت کرتے ہوئے یوں قطعیت سے بولی کہ ہاشم مزید الجھ گیا۔ اس نے بیٹے کی آنکھوں میں جو جلن محسوس کی تھی وہ ہوس نہیں تھی زیان نے جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ کیا تھا؟ اگر وہ دل کا سلسلہ تھا تو اسے کہاں پر ختم ہونا تھا۔

☆☆☆

لاؤنج کا داخلی دروازہ پار کرنے پر سامنے کا منظر اتنا خوش گوار تھا کہ وہ متاثر ہونے کے ساتھ ہلکا سا گڑبڑایا۔

''لگتا ہے یا تو میں غلط وقت پر آیا ہوں یا میں

نیند میں ہوں۔'' اس نے مسکرا کے آنکھوں کو مسلا۔

''کوئی بات نہیں ہم بدلہ اتار لیں گے۔ تمہاری شادی کے بعد ہم بھی غلط وقت پر انٹریاں مارا کریں گے۔'' نادیہ نے بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ بیٹھنے کی دعوت دی۔

''اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گی تمہاری عمر کے سارے لڑکے بال بچوں والے ہیں اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو فٹافٹ بتاؤ ورنہ پھر مجھ پر چھوڑ دو۔''

اسے پاس بٹھانے کے بعد نادیہ نے یوں ہوشیاری سے بات بڑھائی کہ ہاشم نے بیوی پر توصیفی نگاہ ڈالی جبکہ زیان کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہوا۔

''ہاں یار! تمہاری ممی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اب تو میں بھی دن رات یہی سوچتا ہوں بس کوئی فیصلہ کر ہی ڈالو۔'' وہ بیٹے کے چہرے کے تاثرات سے خوشی یا شوخ سا تاثر اخذ کرنے کے بجائے وہاں الجھن اور پریشانی بھانپ کے بے سکون ہوا۔

جب اس کی پچیسویں سالگرہ تھی تو ہاشم نے تب اس کے سامنے پہلی بار شادی کا ذکر چھیڑا تھا۔

''یار! اکلو۔ بیٹے کے باپ کو دادا بننے کی بہت جلدی ہوتی ہے، بس اب میری خواہش پوری ہونی چاہیے۔'' وہ چمکتی آنکھوں کے ساتھ اسے تک رہا تھا۔ اس نے باپ کو حیرانی سے دیکھا۔

''مطلب میں اب شادی کرلوں۔'' وہ یوں ہنسا جیسے اس کے باپ نے یہ بات بارہ سال کے زیان سے کی ہو۔ اس نے نفی میں سر جھٹکا پھر باپ کی چمکتی آنکھوں میں جھانک کے گویا ہوا۔

''شادی جیسا فیصلہ سوچ سمجھ کے کرنا چاہیے ورنہ اس کا خمیازہ آنے والی نسل کو بھگتنا پڑتا ہے۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا خسارہ تھا کہ ہاشم نے آج س موضوع کو سالوں بعد چھیڑنے کی ہمت کی تھی۔

''میں نے اس بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں۔'' س نے بے نیازی سے جتاتے ہوئے کندھے چکائے تو نادیہ یکا یک پرجوش ہوئی۔ ''پھر تو مشکل ی کوئی نہیں یعنی تمہارے پاس چوائس ہی نہیں تو دیکھنا میں کیسی چاند سی بہو لاؤں گی۔'' وہ چہچہائی۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ میری کوئی چوائس نہیں۔'' وہ ایک مشکل سی مسکراہٹ میں گھر کے بولا۔ تو دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو کن اکھیوں سے دیکھا۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے بس اب جلدی سے اس کا نام پتا بتاؤ۔''

یہ سادہ سا جملہ ادا کرتے ہوئے نادیہ کا دل کئی اندیشوں میں گھر کے دھڑکا، ہاشم نے بھی سگار کو لائٹر دکھاتے ہوئے بوجھل پن سے پہلو بدلا۔ زیان ایک لمحے چونکا، پھر استعجابیہ ہوا۔

''یہ کیا بات ہوئی آپ کو بہو چاہیے تو لے آئیں گے۔ اب آپ ہتھیلی پر تربوز جمانے جیسی بات تو نہ کریں۔ جلد بازی ٹھیک نہیں ہوتی۔''

وہ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہاں رکتا تو دیکھتا کہ ان میاں بیوی کی سنجیدگی کیسے بھک سے اڑی تھی۔

''آج کل یہ لڑکا مجھ سے سنے سنائے محاوروں کا کیسا کچومر نکال رہا ہے۔ اُف ہتھیلی پر تربوز۔''

اس کی ہنسی میں ہاشم کی مسکراہٹ جیسے گھل مل گئی تھی۔

☆☆☆

لاؤنج سے لے کر کمرے کے فاصلے تک اک ہیولا تھا۔ اک شبیہ تھی۔ کچھ دھندلے نقوش تھے جو اس کے ذہن و دل میں ابھرتے اور ڈوبتے رہے اور کمرے کا دروازہ کھولتے ہی جیسے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے نگاہ چرا کے دروازہ بند کیا۔ وہ تب بھی وہیں سامنے تھی۔

''اس لڑکی کا نام پتا بتاؤ۔'' ممی جیسے اب دروازہ بجا کے پوچھ رہی تھیں۔ اس نے پاؤں آزاد کرنے کے بعد جوتوں کو دور پھینکا۔

وہ ایک اچھا مسلمان نہیں تھا پھر بھی وہ اتنا تو جانتا تھا کہ اس معاشرے میں ان میرڈ لڑکی کے علاوہ ایک طلاق یافتہ یا بیوہ کے ہاں پروپوزل بھیجا جاسکتا

ہے۔ پھر وہ اپنے پیرنٹس کو ایک میرڈ عورت کا نام پتا کس شرع یا قانون کے تحت دے سکتا تھا۔ جب یہ ممکن نہیں تھا تو وہ اس کے اندر باہر کیوں تھی؟ اس نے بیڈ سے تکیہ اٹھا کر زمین پر پھینک دیا۔

وہ اتنی سنگدل تھی کہ اس کی محبت کا یقین نہیں کرتی تھی، وہ اس کا ساتھ کیسے دے سکتی تھی۔ وہ بے اختیار ہی کھڑکی کی طرف آیا سامنے بخش ہاؤس پر ملگجی روشنی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا ہر دروازہ اور کھڑکی بند تھی۔ اس نے کھڑکی کا پردہ مکمل طور پر ہٹا دیا۔ اس کے عقب میں کمرے کی تمام لائٹس روشن تھیں وہ ساری عمر اس روشن کمرے میں کھڑا رہتا مگر وہ اسے دیکھنا چاہتی تو وہ اسے نظر آتا۔ وہ پردے برابر کرتے ہوئے واپس آیا۔

''میں تو یونہی شرارتاً محبت کا اظہار کرتا تھا یوں کہتے کہتے محبت تو نہیں ہو جاتی۔'' اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اس محبت کی بدترین نفی کی۔

''مجھے واپس مانچسٹر چلے جانا چاہیے۔ میری لائف میں کسی محبت کی گنجائش نہیں۔'' اس نے وہ سگریٹ ختم کرنے تک خود سے پکا عہد کیا۔ پھر اس نے اپنے دوست کو میسج کیا۔

''کل میں تمہاری پارٹی اٹینڈ کر رہا ہوں تم اسوہ کو بھی انوائٹ کر لینا۔''

اس نے آیت کی محبت کو جیسے سگریٹ کے دھوئیں کے ساتھ ہی اڑا دیا تھا۔ تب ہی میسج ٹون بجی۔

''یار! اسوہ تو دبئی میں ہے۔''

''وہ جہاں بھی ہے اسے کل تمہاری پارٹی میں ہونا چاہیے۔'' اس نے یہ میسج بھیجنے کے بعد فون بند کر دیا۔

پھر تمام لائٹس بند کرنے کے بعد اسے بس نیند کی خواہش تھی۔

☆☆☆

گزرتے دن کا ہر لمحہ اسے احساس دلا چکا تھا کہ وہ واقعی مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔ آج اس نے بڑے عرصے بعد وہ پارٹی اٹینڈ کرنے کے لیے رات کا انتظار کیا تھا گویا وہ اسے بھلا دینے کے عہد پر قائم تھا۔ آج اس نے گیٹ سے گاڑی نکالتے ہوئے سامنے دیکھا تو دل نے اسے دیکھنے کی خواہش تک نہیں کی۔

وہ گاڑی کو اپنے راستے پر ڈال کے مسرور سا ہوا۔ وہ کب کسی کے تابع رہا تھا۔ اس کی گاڑی نیلے پیلے چاند کی روشنی میں فٹ بال گراؤنڈ عبور کر چکی تھی اور اس کی نگاہ سڑک کے ساتھ خالی پلاٹ پر پڑی جہاں ۔ اوڈ آباد تھے۔ اس منظر میں کیا خاصیت تھی کہ اس کی گاڑی کی رفتار کم ہوئی۔ وہاں کالے، گورے، پتلے لمبے اوڈ مرد اور عورتیں بانہیں لہرا لہرا کے ڈھول کی تھاپ پر رقص کر رہے تھے۔ اسے ان میں کیا دلچسپی تھی۔

وہ کچھ بے چین سا ہوا۔ وہاں ایک منظر اسے منجمد کر چکا تھا۔ وہ وہاں لکڑی کے ایک بینچ پر بیٹھی تھی۔

اس وقت زیان کو اس نیلے، پیلے چاند کی طرف بھی کوئی کھینچتا تو وہ ہاتھ چھڑا کے لوٹ آتا۔ وہ لکڑی کے اس بے رنگ بینچ پر بیٹھنے کے لیے مچلا جا رہا تھا۔ وہ گاڑی ایک انچ آگے نہیں بڑھا سکا۔ اسے خود سے یہ توقع نہیں تھی۔ کیا اس نے دو گھنٹے لگا کر وہ تیاری سڑک کنارے بیٹھی اس لڑکی کے لیے کی تھی۔ اس نے دوست کو واٹس نوٹ بھیجنے کے بعد فون گاڑی میں ہی رکھ دیا تھا۔

وہ ایئر کنڈیشنڈ گاڑی سے باہر آیا گویا ایک شاہانہ مقام سے اتر کر اس بینچ تک کا فاصلہ اس نے ایک خانہ بدوش کی طرح ہی طے کیا۔ وہ آہٹ بھی شناسا تھی۔ وہ خوشبو بھی شناسا تھی۔ وہ ساتھ بیٹھے شخص کی طرف متوجہ ہوئی تو متعجب ہوئی اس کی تیاری بتا رہی تھی کہ کسی خاص جگہ اس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

''تم اس شادی میں انوائٹڈ نہیں ہو زیان!'' وہ لہجے کی ہلکی سی تندی کے ساتھ گویا ہوئی۔

زیان نے کوئی جواب دیے بنا بینچ کی پشت سے یوں ٹیک لگائی جیسے وہ بہت تھک چکا ہو۔ وہ جان چکا تھا وہ اب کہیں نہیں جا سکتا۔ وہ مانچسٹر بھی نہیں

جاسکتا۔

''مجھے اور بخش کو اس شادی کا کئی دنوں سے انتظار تھا۔ تم وہاں جاؤ جہاں تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔''

وہ دھیرے سے گویا ہوئی۔ زیان نے اس کے چہرے سے نگاہ ہٹائی۔ پھر اس نے اس کی کلائی میں پہنی سیاہ چوڑیوں سے بھی نگاہ ہٹائی۔

''مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے میں تم سے کسی پرسکون جگہ پر ملنا چاہتا ہوں۔''

وہ ڈھول کی مدھم پڑتی تھاپ کے درمیان بولا۔ وہ ایک بار اس کا ساتھ اس سے مانگنا چاہتا تھا۔

''تمہیں مجھے ستا کر کیا ملتا ہے۔'' وہ تیز ہوتی تھاپ کے ساتھ تیزی سے بولی کہ مبادا وہ اس کی آواز سن ہی نہ سکے۔

''پلیز آیت صرف آخری بار پھر تمہارے پاؤں بھی پکڑوں تو مت ماننا۔''

وہ لمحہ وہ گیت..... وہ التجا..... کیا وہ سب اسیر کرنے والا نہیں تھا مگر وہ اسیر ہونے والوں میں سے نہیں تھی لیکن اس تند نگاہی کا تاثر بدلا۔ وہ سامنے متوجہ ہوئی۔ اس نے عورتوں کے لہراتے ہاتھوں کو بجھی نگاہ سے دیکھا جب وہ اس جگہ اکیلی بیٹھی تھی تو اس کی سیاہ چوڑیاں گیتوں کے ساتھ رنگ بدل رہی تھیں مگر اس ساتھ بیٹھے شخص کی التجا سن کر جیسے وہ ٹوٹ گئی تھیں۔

''اگر تمہیں یہ گیت ــ سمجھ میں آرہا ہے تو اسے ٹرانسلیٹ کرو۔'' بلند آواز کے ساتھ بولا۔

آگے جو بھی ہوتا مگر وہ اس وقت کو جینا چاہتا تھا اس نے بخش سے نگاہ ہٹائی اور چہرہ موڑ کے زیان کو دیکھا۔ وہ کون تھا۔ وہ گیت کا مطلب بتانے سے پہلے یہ جان لینا چاہتی تھی کہ وہ کس سے مخاطب تھی۔

(اسے پیار ویار نہیں ہوندا) اوڈنی کے جامنی ہونٹوں پر یہ بول سوٹ کر رہے تھے۔

''محبت کوئی کاروبار نہیں ہوتی کہ اس میں حاصل وصول کا سوال اٹھایا جائے۔ (مینڈا ماہی پیار تا پیار ہوندا اے) محبت ــ پھر پیارے کسی قلندر کے وضو کی طرح کیے جاؤ کیے جاؤ زندگی کی آخری سانس تک.....

اس نے گیت کے آخری بول کا مطلب بتانے تک جان لیا تھا کہ وہ کس سے مخاطب تھی۔ وہ مطلب جان کے سن ہوا۔ مطلب بتانے والی نے کیا الفاظ میں ہیرا پھیری سے کام لیا تھا؟

☆☆☆

فون پر بات کرنے والی خاتون نے اس سے عربی یا فارسی زبان میں بات نہیں کی تھی کہ شاہنواز کی ماں وہ معاملہ سمجھ نہیں پاتی وہ اس کی گفتگو سننے کے بعد بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھی۔ آیت وہاں کس سے افیئر چلا رہی تھی۔ وہ کیسی زندگی گزار رہی تھی۔ اسے اس سے کچھ غرض نہیں تھی۔

جس دن روشنی دنیا سے گئی تھی تو روشنی کی ماں کے لیے اس دن بیٹی کے بدلے میں بیاہی جانے والی آیت بھی مر گئی تھی۔ اس کی پریشانی کی وجہ صرف شاہنواز تھا اگر یہ خبر اس تک پہنچ جاتی تو وہ غیرت میں آکر کچھ بھی کر سکتا تھا۔ وہ ویسے بھی آج کل بیٹے کو واپس لانے کی باتیں کرتا تھا لیکن شاہنواز کی ماں کوٹھی کا فیصلہ ہونے تک آیت کو زندہ دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ ماں بیٹا اچھی طرح جانتے تھے کہ آیت زندگی کی سختیاں صرف بخش کی وجہ سے جھیل رہی تھی ورنہ وہ اتنی سیدھی تھی نہ ان کے حکم کی غلام تھی۔ روشنی کی موت کے بعد جب شاہنواز نے آیت کے نام لکھی ہوئی زمین اپنے نام کروانے کا مطالبہ کیا تھا تو اس نے بیچ میں شرط رکھ دی تھی کہ اگر ایسا ہوا تو وہ یہ کوٹھی وقار کے نام کر دے گی۔

جب تک وہ کوٹھی بخش کے نام نہیں ہوتی۔ انہیں آیت کو ہر حال میں برداشت کرنا تھا وہ اب کئی سوچوں میں گھری اس نئی افتاد کے بارے میں ہراساں تھی۔ اسے جو بھی کرنا تھا بہت جلد کرنا تھا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے۔

☆☆☆

وہ دمکتے آئینوں اور فانوسوں سے مرصع

ریسٹورنٹ میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ماحول کی خوب صورتی کے باوجود آیت کی انداز نشست تک میں ایک تناؤ کی سی کیفیت تھی وہ یہاں اسے رف حلیے میں دیکھ کے اتنا ہی حیران ہوئی تھی جتنا وہ اسے سیاہ ڈنر سوٹ میں اس رات لکڑی کے بوسیدہ بینچ پر بیٹھتے دیکھ کے ہوئی تھی۔

انہیں کچھ دیر ہوئی تو حسب عادت ویٹر آرڈر لینے آگیا۔

''فی الحال آپ جاسکتے ہیں اور دوبارہ بلانے پر آیئے گا۔'' اس نے سر پر کھڑے ویٹر کو آرڈر دینے کے بجائے بھگا دیا۔ آیت نے اسے بغور دیکھا۔ وہ اس وقت بہت بوجھل موڈ میں تھا۔ اس نے سگریٹ سلگائی اور چند لمحوں بعد اسے ایش ٹرے میں مسل دیا۔

آیت نے اس کی حرکت کو نارمل انداز میں دیکھا۔ اور اندازہ لگایا۔ وہ اس سے کیا بات کرسکتا ہے۔ اس کے پاس ایک عدد اظہار محبت کے سوا چند گلے شکوے کچھ آیت کی بے اختیار نگاہی کے نئے پرانے الزامات ہوں گے۔ وہ اس کے بولنے کی منتظر تھی اس نے پھر سے سگریٹ سلگائی اور اس قدر عجلت میں دھواں اڑانے لگا جیسے وہ سگریٹ کے ختم ہوتے ہی اٹھ جائے گا۔ جب اس نے پھر سے سگریٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ جز بز ہو کے بولی۔

''مجھے اب دھوئیں سے وحشت ہو رہی ہے۔''

''کیوں شاہنواز بھی تو اسموکنگ کرتا ہے تب وحشت کیوں نہیں ہوتی۔'' وہ نہایت سکون کے ساتھ بولا۔

''وہ ایک الگ بات ہے'' وہ آرام سے بولی۔ وہ اسے مشتعل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''وہ تم سے نفرت بھی کرتا ہے اور من مانی بھی کرتا ہے جبکہ میں تم سے محبت کرتا ہوں پھر ہر بار اور ہر بات پر مجھ پر ہی پابندیاں کیوں لگائی جاتی ہیں۔'' وہ بات بڑھانے کے موڈ میں تھا — اسے مشتعل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس کی ذومعنی بات پر بھڑک اٹھی۔

''وہ میرا شوہر ہے۔'' وہ دبی آواز میں بولی اور اسے زہریلی نظر سے دیکھا جو کڑوی سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک عجیب میزبان کے طور پر اسے بس دھیان سے تکے جا رہا تھا۔

''وہ تمہیں اپنی بیوی ہی نہیں سمجھتا۔ تو سوچو وہ تمہیں کس مقام پر رکھتا ہے آیت مبشر خان۔''

وہ اس کے شوہر کا نام ہٹا کے اسے کیا جتا رہا تھا اس کی تلخ گفتگو نے آیت کے اندر باہر ایک قیامت برپا کر دی تھی۔ کیا وہ سوچ سکتی تھی کہ کوئی اس طرح آئینہ دکھا کے اسے خاک کرسکتا ہے۔ وہ اسے شٹ اپ کہے بنا وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی کہ وہ دوبارہ سے ہم کلام ہوا تو وہ اس کی بات پر سن ہوئی۔

''مجھ میں زمانے کی ہر برائی موجود ہے۔ اتنا برا ہوں کہ خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا لیکن اگر تم میرے ساتھ دو تو میں شاہنواز کو اپنے راستے کی دیوار نہیں سمجھتا۔''

جیسے وہ زمانوں سے وہیں بیٹھا اس سے اس کے ساتھ کی بھیک مانگ رہا تھا وہ اس کی جانب کیا دیکھتی۔ وہ اس کے ہاتھ میں سلگتی سگریٹ کو بھی بس ذرا ہی دیکھ پائی۔

''شاہنواز تمہارے قابل نہیں ہے آیت! تم مجھ پر بھروسا تو کرو تم اس کے لیے ایک عورت ہو مگر میرے لیے زندگی ہو۔ میری زندگی کی سب سے اہم خواہش ہو۔''

کیا وہ آواز زیان کی تھی۔ اس کی کشش پتھر کو پانی کرنے جیسی تھی مگر وہ آج بھی نہیں پگھری۔

''کیا میں کبھی سوچ سکتا تھا کہ مجھ جیسے انسان کو اتنی شدت سے محبت ہو جائے گی۔'' شاید وہ ہنسا تھا۔ اس کی سگریٹ سے ٹھنڈی راکھ جھڑی تھی۔ اگر اس لمحے وہ اس کے سامنے اپنی ڈائری رکھ دیتی تو اس کی تحریر وہ ادھوری نظم یہ شخص مکمل کرسکتا تھا۔ جانے کیوں وقت نے وہیں سے سلسلہ جوڑ کے اسے دوبارہ لائبریری میں بٹھا دیا تھا۔ وہ تو اجنبی تھا اسے صرف اپنی محبت کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ آیت کو شاہنواز سے چھین سکتا ہے۔ وہ آج سے

گیارہ سال پہلے بھی جانتی تھی کہ وہ وقار کی بہن ہے۔ اسے اس لمحہ بھی یاد تھا کہ وہ بخش کی ماں ہے۔

"تم میرے بارے میں سوچو تو سہی۔ مجھ سے نہ سہی شاید تمہیں میری محبت سے محبت ہو جائے۔"

اس نے شاہانہ تخت سے اتر کر جیسے کاسہ پکڑ لیا تھا۔ آیت کا سر نفی میں ہلا پھر میکانیکی انداز میں دائیں بائیں ہلتا ہی چلا گیا۔

"اب محبت نہیں ہو سکتی زیان۔"

وہ اس کے کاسے سے نظر چرا کر سرگوشی نما انداز میں بولی۔ "عورت کی وقعت اور اس کا وقار رشتے نبھانے سے قائم رہتا ہے ورنہ وہ محض جنس رہ جاتی ہے۔"

اتنا کہنے کے بعد وہ کرسی کھسکا کے کھڑی ہوئی تو خود کی طرف دیکھتے اس شخص سے نگاہ نہیں ملا سکی کہ وجہ جو بھی تھی مگر انسیت جیسی غلطی کی پہل آیت کی طرف سے ہوئی تھی۔ ایک بار اس نے دوپٹہ جھٹک کے اس پر اٹکا ایک سورج جیسا تعلق بھی جھاڑ دیا تھا۔ آج یہاں اس ریسٹورنٹ میں وہ عمل دہرایا جا سکتا تو وہ اپنی غلطی کو یہیں جھاڑ سکتی تھی۔ اے کاش ایسا ممکن ہوتا۔

☆☆☆

جب شاہنواز نے اس کا زبردستی ابارشن کروایا تھا تو وہ اتنا ہرٹ ہوئی تھی کہ اس رشتے سے اور اپنے خاندان کے ہر مرد سے بددل ہو گئی تھی۔ وہ اس گھر کو اس زندگی کو چھوڑ کے کوئی محبت بھری پناہ چاہتی تھی مگر تب اسے کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی تھی۔ اگر تب وقت زیان کو اس کی راہ میں کھڑا کر دیتا تو اس جذباتی بحران میں ممکن تھا وہ اس کا ہاتھ تھام لیتی اور جب وہ اس کیفیت سے نکل آئی تھی تو یہ شخص راستے میں آ گیا تھا جس کے پاس اظہار محبت کے علاوہ ایک مکمل زندگی بھی تھی۔ جو اس کے نام کرنا چاہتا تھا۔ وہ زندگی کے سود و زیان کا حساب کتاب لگاتی جانے کب سو گئی۔

رات کے کسی پہر شاید پیاس کی وجہ سے اس کی نیند ٹوٹی تھی اس نے کروٹ بدلی اور کروٹ بدلتے ہی چونکی۔ اس کا دل جیسے بند ہونے لگا۔ اس کے برابر لیٹا شخص کیا واقعی شاہنواز تھا۔ ان دس سالوں میں یہ معجزہ پہلی بار ہوا تھا کہ وہ گھر بھی آیا۔ اس نے کچھ توڑا، نہ ہنگامہ برپا کیا۔ بلکہ اسے جاگتے دیکھ کے اسے نرم نگاہی سے تک رہا تھا۔ وہ آیت کے آرام یا اس کی نیند کا کب خیال رکھتا تھا پھر کیا وجہ تھی کہ وہ آج ستم ڈھائے بنا مہرباں ہو رہا تھا۔

اسے اچانک روشنی یاد آئی جو اسی کی طرح کروٹ بدلنے پر یونہی بے یقین ہوئی ہوگی۔" وہ اپنی نئی زندگی کی پہلی صبح اپنے پہلو میں محبوب شوہر کی جگہ طلاق نامہ پا کر ایسے صدمے کا شکار ہوئی کہ کومے میں چلی گئی۔

روشنی کو رات بھر جھوٹی محبتیں جتانے والے شوہر کی جدائی نے صبح دم مار دیا تھا اور آیت کو اس شب جھوٹی محبت جتانے والے شوہر کا وصال مار رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ صبح دم کیا ہونے والا تھا۔

☆☆☆

وہ ایک جنگلی علاقہ تھا جہاں وہ آگے بڑھتا ہوا۔ عقب میں رہ جانے والی بستی کو پلٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا اس لڑکے کے چہرے پر یاسیت برس رہی تھی جیسے وہ کسی کو الوداع کہہ آیا ہو۔ پھر وہ ایک کاٹیج نما گھر میں داخل ہوا تو زیان استہزا سے مسکرایا۔ اب یہ اسٹوپڈ کمرے میں جا کے چلائے گا۔ اس نے ریموٹ اٹھا کے والیوم بڑھایا۔

"اگر تم مجھے چھوڑ سکتی ہو تو مجھے بھی تمہاری ضرورت نہیں ہے۔" وہ کمرے میں آنے کے بعد چلایا۔

"ہنہ، ایڈیٹ، مجھے تمہاری ضرورت نہیں یہ بزدل ہی نہیں جھوٹا بھی ہے۔" زیان نے برا سا منہ بنا کے جملہ دہرایا۔ اب وہ لڑکا کمرے میں اندھیرا کیے نرم تکیوں میں منہ گھسیڑے اوندھا پڑا تھا۔

"یہ ڈفر کم ہمت ہی نہیں سست بھی ہے۔ کاہل انسان اٹھو! کمرے کی لائٹس آن کرو، اگر ڈرنک لینے کا موڈ نہیں تو ایک گلاس پانی پیو جب تک ہے سانس،

تب تک ہے آس، جیسے مقولے پر ہی تو دنیا قائم ہے۔'' وہ بڑبڑایا اور آواز بند کرنے کے بعد اسکرین سے نگاہ ہٹائی۔

اسے ابھی نانو سے بات کرنا تھی۔ اس کا فون کئی گھنٹوں سے بند تھا اس نے جونہی آن کیا تو مسیجز ٹون نے اسے منہ چڑا کر ویلکم کیا اسے یقین تھا کہ ابھی ایمل کی کالز کا سلسلہ بھی دوبارہ بحال ہو جائے گا۔ نانو سے گھنٹہ بھر بات کرنے کے بعد جیسے ہی کال ختم کی تو اس کا خدشہ درست ثابت ہوا۔ وہ اب اس سے دوٹوک بات کرنا چاہتا تھا۔

''جب کوئی آپ کے مسیجز کا ریپلائی دیتا ہے نہ آپ کی کال پک کرنا چاہتا ہے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟''

اس نے چھوٹتے ہی بنا کسی لحاظ کے انتہائی درشت لہجے میں بات کی۔

''اس کا یہ مطلب بھی تو ہوسکتا ہے کہ اسے کوئی اور مل گیا ہو۔'' وہ اس کے غیر مناسب لب و لہجے کا برا منائے بنا کھلکھلائی۔ ''اور سچ کہوں زیان تو ہم سب فرینڈز تمہارے بارے میں مشکوک ہو رہے ہیں۔ اس لیے یہ حیران کن ایٹی ٹیوڈ کلوز کرتے ہوئے ہم سب کو دوبارہ سے جوائن کرو۔ تم پارٹی میں بھی نہیں آئے۔ تم نے اسوہ کو بھی ناراض کیا، اب جلدی سے بتاؤ مجھ سے کہاں مل رہے ہو.....'' بڑی امید کے ساتھ بولی۔

''جہنم میں۔'' وہ تڑخ کے گویا ہوا۔ ''اور ایمل مجھے دوبارہ کال کی تو بلاک لسٹ میں جاؤ گی۔ سو پلیز۔''

''اس میرڈ عورت میں ایسا کیا ہے کہ تم اس کے پیچھے پاگل ہو رہے ہو۔'' وہ اس کی بات کاٹ کے بولی تو زیان کو لگا اس کا کمرہ جو اس وقت خوب روشن تھا اندھیرے میں گم ہو۔ اسے کون فالو کر رہا تھا۔ یہ بعد میں سوچنے کی بات تھی فی الوقت اسے ایمل کو جواب دینا تھا۔

''واٹ ربش یو آر ٹاکنگ۔'' اس کی ٹون بدلی۔

''میں بکواس نہیں کر رہی میں آیت شاہنواز کی بات کر رہی ہوں۔ ایک بچے کی ماں میں ایسا کیا چارم ہے؟'' وہ اس سے سوال کر رہی تھی یا اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

''جسٹ شٹ اپ۔''

وہ ایک دم اکھڑ کے بولا۔ ''میں آیت کی بہت عزت کرتا ہوں اور۔

وہ لفظ محبت کہتے کہتے رک گیا، وہ کیوں رک گیا تھا۔ وہ چونکا، کیا کسی دوسرے کے آگے ایک میرڈ عورت سے محبت کا اعتراف معیوب تھا، گناہ تھا یا اسے آیت کی عزت کا خیال تھا۔ آخر مشکل کہاں تھی۔ اس نے فون بند کر کے دور پھینکا۔ وہ اس وقت بہت کچھ سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے راکنگ چیئر سے پشت ٹکائی تو نگاہ سامنے ایل ای ڈی کی بڑی سی روشن اسکرین پر ٹکی۔ وہ قدرے حیران ہوا۔ وہی لڑکا واپس اسی بستی میں کھڑا تھا۔ وہ اس پریشان کن صورت حال میں بھی اس لڑکے کی جرأت پر مسکرانا چاہتا تھا کہ اگلے منظر نے دیوار کے ساتھ چپکے اس لڑکے پر تو جانے کیا قیامت ڈھائی ہوگی مگر زیان کی نگاہ ساکن تھی۔

اس منظر میں چھوٹے سے ہجوم کے بیچ کھڑی وہ لڑکی کیا جانتی تھی کہ کوئی دیوار کے ساتھ سانس روک کے کھڑا تھا پھر وہ اچانک مڑی۔

وہ کیا کرنے والی تھی.....وہ کیا کر سکتی تھی؟

☆☆☆

''گیارہ سالوں میں میری تمہاری زندگی میں جو بھی ہوا وہ ہمارے رسم و رواج کے مطابق ہماری برادری کے سردار کا فیصلہ تھا۔'' اس نے اپنے ساتھ بیٹھے شاہنواز کو بولتے سنا۔ وہ آج دوست بن کے بات کر رہا تھا۔ اسے آیت سے کچھ چاہیے تھا۔ اسے ایک بار پھر روشنی یاد آئی۔

''میری بات دھیان سے سنو روشنی! وقار تم سے جتنی بھی محبت جتائے، بھلے تم پر قربان ہونے کے دعوے کرے تم نے ہوش میں رہنا ہے، تم نے کہ

کاغذ وغیرہ پر سائن کرنے ہیں نہ اسے اپنا آئی ڈی کارڈ دینا ہے۔'' اس نے دلہن بنی روشنی کے سرخ ہاتھ تھام کر سو بار نصیحت کی تھی مگر وہ وقار کا ہاتھ تھامتے ہی اس کی ہر نصیحت بھول گئی۔

''میں نے برادری کے فیصلوں اور ماں کی پابندیوں کے باوجود تمہیں زندگی کی کسی بھی آسائش سے محروم نہیں رکھا۔'' اس نے سامنے ٹیبل پر کچھ کاغذات پھیلائے (وہ آسائشات مجھے ان کاغذات کے بدلے میں ملتی رہیں) شاید تمہارے علم میں ہو کہ وقار آج کل پاکستان میں ہے اور وہ اپنا تمام سرمایہ ڈبو کے کنگلا ہو چکا ہے، وہ ضرور تم سے ملنے آئے گا۔'' وہ تفکر سے گویا ہوا۔

''وہ مجھ سے ملنے نہیں آئے گا اگر وہ یہاں آیا تو اس کے ہاتھ میں بھی ایک ایسی ہی فائل ہوگی۔''

''وہ اپنا مطلب نکالنے کے بعد تمہیں برادری کے رحم وکرم پر چھوڑ کے بھاگ گیا تھا تو میں نہیں سمجھتا تم اسے معاف کر سکو گی۔''

''میں بھائی سے اس لیے بددل نہیں کہ اسے میری پرواہ نہیں تھی، میں اس سے نفرت کرتی ہوں کہ اس نے روشنی سے بے وفائی کی تھی۔ ٹھیک ہے اس نے جائیداد کے کاغذات پر سائن کروالیے تھے پھر اس ایک رات کا تعلق کیا معنی رکھتا تھا۔ اس نے روشنی کو صرف عورت سمجھا کہ رات گزرنے کے بعد طلاق نامہ سوئی ہوئی دلہن کے عقب میں پھینک کے چلا گیا۔''

وقار تمہیں ڈرا دھمکا کے یہ گھر اپنے نام کروا سکتا ہے لہٰذا تم کچھ بھی میرے یا بخش کے نام کرنے کے بجائے اس وصیت نامے پر سائن کردو۔'' اس نے سامنے پڑے وصیت نامے کی تحریر پر نگاہ ڈالی۔

''میں آیت شاہنواز باہوش وحواس وصیت کرتی ہوں کہ جب بخش شاہنواز اٹھارہ سال کا ہوجائے گا تو میری موت یا زندگی دونوں صورتوں میں میری جائیداد بخش کے نام ٹرانسفر ہوجائے گی۔''

اس نے یہ تحریر پڑھنے کے بعد اپنا رخ شوہر کی طرف کیا۔

''اگر میں سائن نہ کروں تو؟'' روشنی نے بھی یونہی وقار کی جانب رخ بدلا ہوگا۔

''تو پھر تم اس گھر کی پوجا کرتی رہنا۔ میں اپنے بیٹے کو ایسی وقت ساتھ لے جاؤں گا۔'' شاہنواز کے لبوں پر وہی بے رحم مسکراہٹ ابھری۔

''تو پھر میں وقار مبشر خان ابھی تمہارے سامنے سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔ تم اس جائیداد کی پوجا کرتی رہنا۔'' وقار کے ہونٹوں پر بھی ایسی ہی بے رحم مسکراہٹ ابھری ہوگی۔

''میں دیکھوں گی اب تم کیا کرو گی آیت؟'' روشنی کی سرگوشی قریب سے ابھری۔

''وہ تم سے نفرت بھی کرتا ہے اور من مانی بھی کرتا ہے۔'' اس کڑوے کسیلے لہجے نے بھی آس پاس ایک شور سا مچایا۔

''اب صرف اپنا سوچو، ہر چیز جانے دو بخش کو بھی جانے دو۔'' اس کے اندر کی ہٹیلی عورت نے اسے حکم دیا۔ ''روشنی کی ایک رات کی بے وقعتی پر تڑپنے والی عورت تم اپنی ہزار راتوں کی بے وقعتی پر تڑپنا کیوں بھول چکی ہو۔'' اس کے اندر کی عورت پہلے سے زیادہ ٹھوس لہجے میں چلائی۔

''ممی! دیکھیں آج میں نے تتلی پکڑی۔'' بخش کھلے دروازے سے آکر خوشی سے چہچہایا۔

آیت بے ساختہ مسکرائی۔ اس نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے شاہنواز کے ہاتھ سے قلم لیا اور جہاں جہاں وہ کہتا گیا سائن کرتی چلی گئی۔ اس پل اس نے روشنی کی بے بسی محسوس کی، جو پور پور سجے سرخ ہاتھوں سے سائن کر رہی تھی۔

اسے کئی سال پہلے کا منظر یاد آیا جہاں ایک آیت نامی لڑکی سرخ پوروں کے ساتھ نکاح نامے پر سائن کر رہی تھی، کوئی آوارہ منش تھا جو اسے اپنی زندگی کی واحد عبادت سمجھتا تھا۔ لیکن شاید عورت خود غرض نہیں ہوتی وہ اپنے رشتوں سے جڑا رہنے کے لیے

اپنے باپ بھائی اور شوہر کے ہاتھوں میں موجود ہر طرح کے کاغذات پر سائن کرنے کا ظرف رکھتی ہے۔

☆☆☆

اس حبس زدہ اور معمول کی دوپہر نے اچانک موڈ بدل کر سیاہ رنگ اوڑھ لیا تھا۔ بڑی ترنگ سے ڈرائیو کرتے شاہنواز نے بدلتے موسم پر ایک رنگیلی سی نگاہ ڈالی۔ اس وقت وہ جس سے ملنے جا رہا تھا وہ ہستی اس کی نگاہ سے زیادہ رنگیلی تھی۔ وہ شوخ موسیقی پر سر دھنتے ہوئے فون کال کی طرف متوجہ ہوا۔ ماں کی کال آ رہی تھی۔ اس کی ماں ایک ذہین عورت تھی۔ اس نے آیت کو ایک اچھے موقع پر گھیرا تھا۔ وقار آ چکا تھا آیت کے آگے کنواں تو پیچھے کھائی تھی۔

''جی امی حضور!'' اس نے مسکراتے ہوئے کال اٹینڈ کی۔

''سب کچھ ہماری منشا کے مطابق ہو گیا نا۔'' وہ کال۔ ملتے ہی بے صبری سے گویا ہوئیں۔

''جی بالکل!'' شاہنواز کے دو لفظی جواب میں سرشاری نمایاں تھی مگر اس کی ماں کے دل میں ابھی بھی آگ بھری تھی۔

''میری خواہش تھی کہ وصیت نامے پر سائن کروانے کے بعد کچھ ایسا فیصلہ کرتے کہ وہ بھی میری بیٹی کی طرح کومے میں چلی جاتی۔'' وہ مراد بر آنے کے بعد بھی ازلی سفاکیت دکھا رہی تھیں۔ وہ ٹھٹکا۔

اماں اور طرح سے سوچتی تھیں مگر وہ بیٹے کو آیت سے چھین کر اسے بنا ماں کے دوسرا وقار نہیں بنانا چاہتا تھا۔

''اماں آج کے دن تو ذرا خوش ہو لیں۔'' وہ گفتگو کو تلخ رخ پر جاتا دیکھ کر کچھ سنجیدہ ہوا۔ تو وہ بھی دوسرے موضوع پر آئیں۔

''رات تک گھر آ جاؤ گے تو تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

اتنا کہنے کے بعد انہوں نے کال ڈراپ کر دی۔ وہ آج خوش تھیں مگر آنے والے دنوں میں اس سے کہیں زیادہ خوش ہونا چاہتی تھیں جو بات و شاہنواز سے کرنے والی تھیں تو اس کے بعد آیت کا زندہ رہنا ممکن ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

اس کا پیچھا کیا جا رہا تھا۔ یہ انکشاف معمولی تھا نا قابل قبول تھا۔ جب اس نے حقیقت معلوم کرنے کی ٹھان لی تو جلد ہی اس چور چہرے کا سراغ بھی پا لیا اس نے اور اس کے دوستوں نے کسی نہ کسی حربے سے اس آدمی سے سچ اگلوا لیا تھا۔

اس سے پہلے ان باپ بیٹے کے درمیان محبت اور لحاظ کی جو دیوار تھی اس پر ایک دوسرے سے صرف شکوے شکایات درج تھے۔ وہ باپ بیٹا ایک دوسرے سے اختلافات رکھتے ہوئے بھی کبھی دو بدو بحث نہیں کرتے تھے۔

''ممی! بابا سے کہہ دیجیے گا۔'' اور ''نادیہ زیان سے کہہ دینا۔'' مانچسٹر اور اسلام آباد کے بیچ بھی ان کی پیامبر نادیہ ہوتی تھی۔

آج وہ جس مزاج کے ساتھ گھر آیا تو پہلی بار ان جارحانہ تیوروں کے ساتھ ہم کلام ہوا تھا۔

''وہ عورت جس کا رشتہ صرف آپ سے ہے اسے میرے معاملات یا میرے کردار کو۔۔۔ جانچنے کا حق کس نے دیا ہے۔'' وہ غصہ تھا یا دکھ تھا مگر وہ لہجہ جگہ جگہ سے تڑخا۔

ان میاں بیوی کے لیے اس کا رویہ حیرت آمیز تھا مگر انہیں وہ معاملہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔

''میں آپ کو ثبوت پیش کروں تو یقین آ جائے گا کہ یہ کام آپ کی مسز نے کروایا ہے۔'' وہ سابقہ لہجے میں گویا ہوا۔

''کوئی مجھے بھی تو بتائے آخر ہوا کیا ہے؟'' وہ شعوری طور پر ممی کی طرف سے اس جملے کا منتظر تھا پھر ان کی خاموشی سے جان لیا کہ بات ان تک بھی پہنچ چکی ہے تو اس کی ہتھیلیوں پر پسینہ سرسرایا۔

''اگر یہ جرأت واقعی مونا نے کی ہے تو وہ مجھ سے اب صرف انسلٹ کی حق دار ہو گی۔'' ہاشم واقعی

شاکڈ تھا۔ وہ اس جاسوسی وغیرہ کو ایمل کی حرکت سمجھ رہا تھا۔

''اس کی انسلٹ سے کچھ نہیں ہوگا۔ جو کچھ اس نے کیا ہے آپ اسے اپنی زندگی سے آؤٹ کریں۔''

پل، پل رنگ بدلتا وہ لڑکا آج ضدی اور اڑیل پن کی حد پر اتر آیا تھا۔ وہ بیٹے کا انتہائی رویہ پہلی بار دیکھ رہا تھا مگر اس نے زندگی کا اتار چڑھاؤ دیکھ رکھا تھا' اس نے زیان کو گہری نگاہ سے دیکھا۔ نادیہ پانی کا گلاس تھی۔ نادیہ کا چہرہ ہر قسم کے ردعمل سے عاری تھا۔

''اگر میں نے اسے زندگی سے آؤٹ کر دیا تو وہ تمہاری یہ جذباتی حماقت دور دور تک آؤٹ کر سکتی ہے۔''

اس نے بیٹے کو کچھ دیر دیکھنے کے بعد ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا، زیان کی نگاہ جھکی جب بیٹے کی نگاہ جھکی تو ہاشم کے چہرے پر اک رنگ سا آ کے گزر گیا۔ یہ وہ زیان تو نہیں تھا جو باپ کے سامنے اپنی آوریگوں کا اظہار ہنس کر کر جاتا تھا۔ اس کا دل بیٹھا۔ بیٹا نادانی میں کسی آنچ کو چھو بیٹھا تھا۔

''آپ میری بات کو یوں رد کر کے آگے بڑھ جائیں گے۔'' ہاشم اس ادھورے جملے پر یکلخت پلٹا۔

''اگر میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا تو اس میں کوئی گہری مصلحت ہوگی۔''

وہ بیٹے کے مقابل آ کے یوں گویا ہوا، کہ وہ بے ساختہ سر جھکا گیا۔ وقت کے بدرنگ ہاتھوں سے ایک زنگ آلود صندوقچی گری تھی۔ جس میں سے جھانکتے دھاگے سچے تھے خوش رنگ تھے مگر الجھے ہوئے تھے۔

☆☆☆

وہ چند ضروری کام نمٹا کے گھر آیا تو ان کے لان میں وہ پھول پودوں کی ڈاکٹر، تارا کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے اس کی زخمی انگلی پر پٹی باندھ رہی تھی۔ وہ اس منظر پر دوسری نگاہ ڈالے بنا آگے بڑھ گیا۔ اندر آنے پر اس نے دیکھا۔ نادیہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے گم صم بیٹھی تھی۔ وہ اسے بے حد عزیز تھی۔

''مجھے محض محبت کے دعوے نہیں چاہئیں دعوے کرنے والوں کا ساتھ بھی چاہیے۔'' اس نے ہونٹ بھینچ کے سر جھٹکا۔ اگر باہر کھڑی اس لڑکی کی مسکراہٹ نے اسے متاثر نہیں کیا تھا تو یہ سامنے کا روتا دھوتا منظر بھی اس کے لیے متاثر کن نہیں تھا۔ وہ آج ہر رشتے ہر منظر کو نظر انداز کر کے جیسے گہری گھپ سرنگ سے گزر رہا تھا سوں، سوں کرتی نادیہ اسے زینہ طے کرتے دیکھتی رہی۔

''بابا اگر مونا کو چھوڑ دیں تو ٹھیک ہے ورنہ آپ میرے ساتھ چلیں۔''

زیان اس عجیب ضد پر اڑا ہوا تھا۔ اس نے نادیہ کو مشکل ترین امتحان میں ڈال دیا تھا۔ وہ شوہر اور بیٹے دونوں کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ اس کے دل کو ڈھارس سی تھی کہ جب آیت، زیان سے بات کرے گی تو ممکن ہے وہ اس کی بات مان جائے۔

☆☆☆

اس نے کمرے میں آتے ہی سامنے پڑے سامان کو دیکھا جو دو عدد بیگز تک محدود تھا پھر اس نے زیان کو دیکھا وہ ابھی واش روم سے نکلا تھا۔ اس کا چہرہ گیلا تھا۔

''بس تم اتنے سے سامان کے ساتھ مانچسٹر جا رہے ہو؟ وہ صبح سے روئے جا رہی ہے کہ وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔'' وہ ایک بچکانہ گفتگو کی بنیاد رکھتے ہوئے ایک عام سی بات لے کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ آیت کی اس بات پر ہنسا جا سکتا تھا۔ وہ بھی ہنسا۔

''ہاں مانچسٹر جیسے ویران شہر میں مجھے جہاز بھر کے سامان لے جانا چاہیے۔'' وہ اس کی بات کا جواب دے کر وارڈ روب کی طرف بڑھا۔

''پہلے تم ایک آدھ دن کے لیے آتے تھے۔ اب چار پانچ ماہ سے اس کے ساتھ ہو تو وہ تمہاری عادی ہو چکی ہے۔ تم اسے ساتھ لے جانے کی ضد چھوڑ دو اور صرف اتنا کہہ دو کہ میں پہلے کی طرح آتا

جاتا رہوں گا تو وہ ریلیکس ہو جائے گی۔'' وہ سنبھل کے بولی۔

''میں کسی کو کیوں ریلیکس کروں، میں کیوں جھوٹ بولوں۔''

اس نے بنا مڑے بنا دیکھے دوٹوک سا ہو کے کہا، آیت نے دم سادھا، تو نادیہ واقعی امتحان میں تھی۔

''تم وہاں سے سامان خرید سکتے ہو مگر ضرورت پڑنے پر رشتے نہیں خریدے جا سکتے۔'' وہ زور دے کر بولی۔ وہ اپنی دوست کو اس امتحان سے نکالنا چاہتی تھی۔

''کون سے رشتے؟'' وہ وارڈ روب کا پٹ بند کرتا ہوا پلٹا۔ تو منی پلانٹ کو تکتی آیت نے اسے خفگی سے دیکھا۔

''کیا بابا میری خاطر مونا کو چھوڑ سکتے ہیں؟ کیا ممی بابا کو چھوڑ کے میرے ساتھ جا سکتی ہیں؟'' اس نے آیت کی آنکھوں میں جھانکا، وہ سر جھٹکتے ہوئے ہنسا۔ ''میرے پاس کوئی رشتہ نہیں ہے۔'' وہ اس کے ہٹیلے پن پہ بے بس سی ہو رہی تھی۔

آخر مونا نے ایسا کیا کر دیا تھا کہ وہ باپ سے انتہائی فیصلہ چاہتا تھا۔'' نادیہ کی طرح زیان نے بھی اس کے سوال پر نگاہ چرا لی تھی۔ وہ اس معاملے میں اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''دیکھو تمہارے بابا کے لیے یہ آسان نہیں ہوگا وہ ان کی بیوی ہے۔ تمہاری یہ ضد احمقانہ ہے۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولی۔ اس سے بات کرتے ہوئے بھی آیت کی نگاہ پلانٹ کے زرد پڑتے پتے پر تھی۔

''میرڈ کپلز میں کیا ڈائیورس نہیں ہوتی؟'' وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا پوچھ رہا تھا۔ ہاشم اور مونا پیس منظر میں چلے گئے تھے جیسے وہ سوال صرف آیت کے لیے تھا۔ وہ اس تناؤ بھری خاموشی میں لب کاٹ کے رہ گئی۔ اس کا سوال بے وقعت رہ گیا۔

''جانتا ہوں کہ تم سب کے لیے مجھے چھوڑنا آسان ہوگا لیکن میرے لیے کوئی کسی کو نہیں چھوڑے گا۔'' وہ بھیگے چہرے کے ساتھ بولا۔

آیت کے دل پر ہاتھ پڑا۔ ''ایک شادی شدہ عورت کی مٹھی میں دریا نہیں صرف وضو کے جتنا پانی ہوتا ہے۔'' وہ اسے کالی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔ اب وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔

''پلیز زیان!'' وہ ایک ضد بھری التجا کے ساتھ دوبارہ سے اس کے سامنے آئی۔ اس نے چہرہ اٹھایا اور اس پر سلگتی نگاہ ڈالی۔

''کبھی تم نے میری کوئی التجا مانی؟'' اس کے لہجے میں گلہ تھا، خفگی تھی کیا کیا نہیں تھا۔

''اتنے سالوں میں تمہیں مجھ سے اک ذرا سی محبت نہیں ہو سکی۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر انگوٹھے اور انگشت شہادت کے بیچ ہوا برابر فاصلہ رکھا

وہ دشت کا بھولا بھٹکا ہے
وہ بادیہ پیمائی ہے
میں پلٹ پلٹ کے سمجھاؤں
اس دل کے چشمہ زم زم میں
اب وضو کے جتنا پانی ہے

''محبت نہیں ہو سکتی تھی زیان، اس ہوا برابر فاصلے جتنی بھی نہیں۔'' اس نے پلکیں جھپکا کے سبز پودے کو دیکھا جس کا ایک اور پتا زرد ہو چکا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو میں وہاں جا کے تمہیں یاد رکھوں گا۔'' اس نے آیت کے براؤن دوپٹے کو نخوت سے گھورا۔ ''میں وہاں جاتے ہی نانو کی وارڈ روب سے تمام براؤن ڈریسز نکال کے پھینک دوں گا تو تم کبھی یاد نہیں آؤ گی۔'' وہ اس کے سامنے سے ہٹا۔

اس نے بیڈ پر پڑی گھڑی اٹھا کے اپنی کلائی پر باندھی۔

''تم دیکھنا میں اب اسپرنگ فیسٹیول میں اس لڑکی سے ایک پرندہ بھی خرید کے نہیں اڑاؤں گا، نہ اسے مسکراتا ہوا دیکھوں گا، نہ تم مجھے یاد آؤ گی۔''

آیت کے حلق میں کچھ اٹکا وہ اسے کیوں یاد رکھتا تھا وہ کون تھا؟ وہ اپنی شرٹ کا کالر درست کرتا اب باہر جا رہا تھا اس کے کمرے میں موجود گرین پلانٹ

کے سارے پتے مرجھاتے جا رہے تھے۔

☆☆☆

اس کی شام کی فلائٹ تھی اور وہ آدھا دن سو کے گزار چکا تھا۔ بیدار ہونے کے بعد کسلمندی سے پڑا رہا۔ اس نے اپنی احساسات کو خود میں تلاشا جو کبھی مانچسٹر جانے سے قبل ہوتی تھیں مگر آج اندر تک خاموشی تھی۔ اس لیے تو اسے طویل قیام سے ڈر لگتا تھا کبھی تو اس کی زندگی سفر میں کٹ رہی تھی۔ یہ چھ ماہ کا قیام اس کی زندگی کی بدترین غلطی تھی۔ تیار ہو کے نیچے آیا تو گھر میں چھائی خاموشی پر چونکا، گویا ممی کمرے سے باہر ہی نہیں آئی تھیں۔ پھر کچن میں بھی سکوت محسوس کر کے اس کا دل ڈوبا، نادیہ کا بی پی ڈپریشن کی حالت میں لو ہو جاتا تھا۔ اس نے گھبرا کے تارا کو آواز دی۔

''رات کو ہائی وے پر اندھا دھند گاڑی بھگاتے ہوئے آیت بی بی کے شوہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ بے چارا اسپتال جاتے ہی فوت ہو گیا تو صبح سویرے سب لوگ میت کے ساتھ ہی ان کے گاؤں چلے گئے۔'' تارا کے چہرے پر بھی پریشانی تھی وہ یہ سب بتانے کے بعد اب اس سے ناشتے کا پوچھ رہی تھی۔

یہ ایک شاکنگ نیوز تھی۔ وہ خالی ذہن کے ساتھ خلا میں کچھ تکے جا رہا تھا۔ تارا نے خاصی تاخیر سے دوبارہ ناشتے کا پوچھا تو وہ اس کی آواز پر چونکا۔

''ناشتہ رہنے دو بس اسٹرونگ سی چائے لے آؤ۔'' اس نے کاؤچ کی پشت سے ٹیک لگائی، تو بند آنکھوں کے پیچھے آیت کا چہرہ ابھرا۔ وہ اس کی تکلیف محسوس کر سکتا تھا۔

☆☆☆

شاہنواز کی ماں اور اس کی بیوی نے آیت کو حویلی میں بس جنازے تک برداشت کیا۔ اس کی ماں نے روتے ہوئے بخش کو پناہ میں لیا تو اسے پوتے سے شاہنواز کی خوشبو آئی۔ وہ چونکی۔ اس کے ذہن نے آناً فاناً کچھ فیصلے کیے۔ ماریہ بیٹیوں کی ماں تھی۔ وہ کبھی نہیں چاہ سکتی تھی کہ آیت ایک بیٹے کی ماں بن کر دوبارہ اس حویلی میں آئے۔

شاہنواز کی ماں اس سارے معاملے سے الگ ہو کر ایک بار پھر برادری سے فیصلہ کروانا چاہتی تھی۔ آیت جب ساس کے حکم پر واپس آ رہی تھی تو شاہنواز کی ماں کی نگاہ پوتے کے بجائے بہو پر جمی تھی۔ انہوں نے صدر دروازہ پار کرتی آیت کو کسی ظالم بلا کی طرح دیکھا۔ وہ تو اس کی موت کی منتظر تھیں پھر جیسے موت نے آیت کی طرف آتے آتے راستہ بدل لیا تھا۔

☆☆☆

ان دنوں اگر بخش ہاؤس پر خاموشی اور سوگواریت طاری تھی تو زیان ولا کے مکین بھی اسی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ گر آیت کے شب و روز آنسوؤں میں ڈوبے تھے تو وہ بھی پچھلے ایک ہفتے سے بے سکون تھا۔ وہ اگر اس وقت بند گلی میں کھڑی تھی تو زیان نے بھی ہر سفر کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ وہ جس قدر خاموش تھا تو انداز بتاتے تھے کہ وہ مانچسٹر جانے کا پروگرام ملتوی کر چکا ہے۔ گزشتہ دنوں سے ہاشم اور نادیہ صرف بیٹے سے ہی نہیں ایک دوسرے سے بھی نگاہ ملانے سے کترا رہے تھے۔ وہ اس وقت صرف زیان کو جج کر رہے تھے۔ آج کل وہ ان کے درمیان آ کر بیٹھتا تو اس کی آنکھوں میں جیسے سال ڈیڑھ کے بچے جیسی کیفیت ہوتی جو بنا بولے اپنی خواہشات منوانا چاہتا ہو۔ ایسے میں وہ زیان کو نابینوں کی طرح دیکھتے۔ وہ روز مایوس ہو کے اٹھ جاتا۔

آیت نے بھی اس کا نمبر بلاک کر رکھا تھا۔ وہ ان نون نمبر سے بھی کال پک نہیں کر رہی تھی تو ایسی سچویشن میں اس کا صبر جواب دے گیا۔ وہ نادیہ کے پہلو میں اس سہیلی کی طرح آ بیٹھا جسے محبت کے اولین زمانوں میں راز چھپانا نہیں آتا۔ اس نے ماں کا ہاتھ تھاما، اس کے ہلتے لبوں سے لفظ ممی ادا ہوا۔ مگر اس کے ہاتھ کی بے چین حرارت نے ماں کو ساری کہانی سنا دی۔

''آیت عدت میں ہے اور عدت پوری ہونے

تک وہ نامحرموں سے نہیں مل سکتی۔'' وہ ماں کے اس جواب پر شل ہوا۔

گویا اس کے پیرنٹس اس کی خاموشی سمجھتے تھے۔ وہ ہرٹ ہوا۔ وہ مانتا تھا کہ اس کا کریکٹر ایک زنگ آلود صندوقچی جیسا تھا لیکن وہ محسوس تو کر سکتے تھے کہ آیت کے بارے میں اس کے احساسات ان سچے اور خوش رنگ دھاگوں جیسے تھے۔ وہ بے بس تھا مگر اس کے پیرنٹس صندوقچی سے جھانکتے ان الجھے دھاگوں کو سلجھا سکتے تھے۔

☆☆☆

اسے جس لمحے بھی وہ منظر یاد آتا وہ شوہر کا دکھ بھول جاتی۔ وہ وقار کی بے حسی بھی بھول جاتی۔ وہ منظر اس کی آنکھوں سے بہتا پانی شل کر دیتا تھا۔ جوان بیٹے کی میت کے سرہانے سر پیٹتی وہ عورت بخش کو دیکھتے ہی بین ڈالنا بھول گئی تھی۔ جیسے اس نے شاہنواز کو دیکھ لیا ہو۔

پھر بخش کا پورا دن دادی کی آغوش میں کٹا۔ دو بانہوں کے گھیرے میں جکڑا بچہ دور بیٹھی ماں کے آنسوؤں کو ۔۔۔ بے چارگی سے دیکھتا رہا۔ اس دن آیت نے جانا کہ جس کوٹھڑی کی پیشانی پر قید خانہ لکھا ہو۔ صرف اسے ہی قید خانہ نہیں کہتے۔

وہ اس دن سے بیٹے کا ہاتھ تھام کے بیٹھی تھی۔ جب نادیہ اس کے پاس آتی وہ بخش کو کچھ دیر کے لیے زیان کے پاس بھیج دیتی۔ اس کا الہام کہہ رہا تھا وقت کے جن نے کانچ کی جس بوتل سے اس کو آزاد کر دیا تھا تو جیسے اب وہ بوتل کسی اور قیدی کی منتظر تھی۔

☆☆☆

وہ گھنٹوں سے شاک کی حالت میں تھی مگر اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ ایک کرب تھا جو اسے اندر ہی اندر چھیل رہا تھا۔ اسے تو آج خوش ہونا چاہیے تھا کہ اسے آزاد کر دیا گیا تھا وہ اب اپنی مرضی کی مالک تھی۔ وہ دروازے ہی کی طرف دیکھ رہی تھی پھر بھی اس نے نادیہ کو نہیں دیکھا حتیٰ کہ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''کیسی طبیعت ہے؟'' نادیہ نے جب یہ جملہ تیسری بار دہرایا تو جواب نہ پا کر وہ چونکی۔

''مجھے لگتا ہے تمہارا حافظہ متاثر ہوتا جا رہا ہے۔''

اس نے ایک ترش سی آہ بھرتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔ اسے اب آیت کے شدید رونے تڑپنے سے کوفت ہونے لگی تھی۔ شاہنواز نے اسے کون سے سکھ دکھائے تھے۔ آیت کا سکتہ ٹوٹا سامنے ٹیبل پر پڑی تسبیح دیکھ کے اسے یاد آ گیا کہ وہ کیوں شاکڈ تھی۔ کچھ گھنٹے پہلے خاندان کے باریش بزرگ اسے برادری کے اجتماعی فیصلے سے آگاہ کرنے بعد اسے تنہا عورت کے مسائل اور زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتے رہے تھے۔ انہوں نے وقار کی کم ظرفی کا بھی رونا رویا اور باتوں باتوں میں اسے وہ وصیت نامہ بھی یاد دلایا جو اب شاہنواز کی ماں کے پاس تھا۔ انہوں نے وقت رخصت اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے اسے اتنی رعایت بھی دی کہ وہ شاہنواز کی بیوہ کی حیثیت سے بیٹے کے ساتھ حویلی بھی جا سکتی ہے ورنہ جب بخش اٹھارہ سال کا ہو جاتا تو اسے ماں سے ملنے کا اختیار تھا۔ پھر جب اس نے نادیہ کی آنکھوں میں جھانکا تو اس کی آنکھیں خشک نہیں تھیں۔

''آج میرے بزرگ مجھے میرے صبر کا انعام دے گئے ہیں کہ جس بیٹے کے لیے میں نے گیارہ سال سزا کاٹی اسے مجھ سے دور کیا جا رہا ہے۔ یہ کیسا فیصلہ ہے کہ شاہنواز کا اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے اب بخش کو حویلی ۔۔۔ واپس جانا ہوگا۔'' وہ بھیگی آواز کے ساتھ بولی۔

''اس فیصلے میں اللہ کی کوئی حکمت ہوگی آیت۔'' نادیہ نے اس کا ٹھنڈا ہاتھ تھاما۔

''میں کسی حکمت کو نہیں مانوں گی میں اپنے بیٹے سے دور نہیں رہ سکتی۔'' وہ نادیہ کے ہاتھ جھٹک کے بدکی، نادیہ کی آنکھیں پھٹیں۔

''تم حویلی جانا چاہتی ہو یعنی تم خودکشی کرنا چاہتی ہو۔'' وہ لٹھے جیسے چہرے کے ساتھ ہراساں سی بولی۔ ''تم ایسی کوئی حماقت نہیں کرو گی آیت۔ بخش

جب اٹھارہ سال کا ہو جائے گا تو۔"

"اور بیچ کے آٹھ سال؟"

وہ نادیہ کا جملہ کاٹ کے تڑپ کے گویا ہوئی۔ نادیہ کو بھول گیا تھا مگر اسے ایک مضبوط آغوش کا قیدی منظر ڈنک مارتا تھا تو وہ نیلی ہو جاتی۔

"مجھے تم سے ابھی سے کافور اور اگربتی کی خوشبو آرہی ہے آیت" وہ زرد چہرے کے ساتھ یوں وثوق سے بولی تھی کہ آیت کا سرمئی سوٹ ہولے ہولے سفید ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

وہ گھر آئی تو ان کا لاؤنج بھاں، بھاں کر رہا تھا زیان اس وقت عموماً لاؤنج میں ہوتا تھا۔ آج اس کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی۔ اسے چلنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔ وہ کمرے میں ہی آرام کر رہا تھا۔ وہ سیدھا اوپر چلی آئی۔

"اب کیا صورت حال ہے۔" وہ اس کے پاس جا کر فکر سے گویا ہوئی۔

وہ دکھ اور غصے کی جس حالت میں گھر آئی تھی تو خود کو سنبھالنے کے باوجود بکھری سی لگ رہی تھی۔ وہ ماں کو دھیان سے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اس کی پریشانی جانچ کے متفکر ہوا۔

"آیت کیسی ہے؟" اس کے محتاط سے انداز سے بھی بے قراری نمایاں تھی۔ نادیہ کے دل میں شگاف سا پڑا۔ اس کے بیٹے کا دل کس پتھر پر آ گیا تھا۔

"یہ بتاؤ درد میں کچھ افاقہ ہوا؟" اس نے نگاہ چرا کے بات آئی گئی کر دی۔

"درد تو بہت ہے۔" وہ مبہم سا مسکراتے ہوئے معنی خیزی سے جواب دہ ہوا۔

"مگر آپ نے میرا چھوٹا سا سوال ٹال دیا ہے" اس نے نادیہ کے جھکے چہرے کو الجھن سے دیکھا۔ ممی نگاہ کیوں جھکائے ہوئے تھیں۔

"مرنے والوں کا حال نہیں پوچھا جاتا۔ ان پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔" اس نے چہرہ اٹھایا تو بات ہی ختم کر دی۔ زیان کی آنکھیں پھیلیں اور چہرہ تاریک ہوا۔ وہ بیٹے کے قریب کھسکی۔ پھر اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا۔

"وہ جس جگہ کھڑی ہے وہاں شام سے پہلے اندھیرا چھا جاتا ہے وہاں چاند بھی نہیں نکلتا۔ اور میری جان ہمیں تو ابھی بہت سا سفر کرنا ہے کہیں راستوں میں ڈوبتے سورج کو بھی دیکھنا ہے۔ ہمیں کہیں چاند تلے قیام بھی کرنا ہے۔ تو اس تھوڑے سے درد کو یہیں ختم کرنا ہوگا۔ زیان!" نادیہ کے منہ سے ٹوٹ ٹوٹ کے ادا ہوئے لفظوں نے اسے بے طرح زخمی کیا کہ افاقے کے بجائے اس کا وہ تھوڑا سا درد بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

آج کئی ماہ بعد وہ کلینڈر کے سامنے کھڑا تھا۔ آج اس کے ہاتھ میں نیلا یا سرخ مارکر نہیں بلکہ آج اس کے ہاتھ میں ایک وائٹر تھا وہ ان تین تاریخوں کے گرد کھینچا گیا سرخ ہاشیہ مٹا نہیں سکتا تھا مگر چھپا تو سکتا تھا جن میں اس کی ماں کی دنیا سمٹ کے رہ گئی تھی۔ آج ان کے گھر اس کی دادی آئی بیٹھی تھیں۔ ان کی زندگی میں سب ٹھیک ہونے والا تھا۔ اب بابا نہیں رہے تھے۔ اب اس کی ممی کو اس سیدھی سپاٹ چوٹی اور ان سوگ زدہ ڈریسز سے نجات مل گئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ماں کے سامنے بیٹھی دادی کو دیکھا۔ آج دادی بابا کی ڈیتھ والے دن سے مختلف لگ رہی تھیں۔ وہ پوتے کو بار بار دیکھ رہی تھیں۔ وہ اسے دیکھ کے مسکرا رہی تھیں۔ وہ خوب صورت اور بارعب سی خاتون بخش کو اچھی لگ رہی تھیں۔

مگر اس کی ممی زیادہ خوب صورت تھیں۔ تب ہی تو اس کی دادی ممی کو دیکھے جا رہی تھیں۔ وہ مسکرایا۔

ابھی تو ممی نے سفید دوپٹہ لیا ہوا ہے لیکن جب وہ نیلے اور زرد ڈریس میں ہوتی ہیں تو اس سے زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ وہ دادی کو یہ بھی بتانا چاہتا تھا کہ جب ممی جوڑا بناتی ہے تو ان کے جھانکتے چھوٹے چھوٹے گھنگھرو ان کی گردن پر بہت سوٹ کرتے ہیں۔ اس

نے دادی کو بولتے سنا۔

''کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم نے غلط فیصلہ کیا ہے۔'' وہ کندھے پر سیاہ چادر درست کرتے ہوئے گردن اکڑا کے مسکرائیں۔ کیلنڈر کے سامنے کھڑے نجش نے ہاتھ روک کے آواز کی سمت دیکھا پھر اس نے ماں کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں..... میں نے یہ فیصلہ ذہنی و دلی آمادگی کے ساتھ کیا ہے۔ اعتماد کے ساتھ کیا ہے۔''

نجش کا چہرہ چمکا، اب سب ٹھیک ہونے والا تھا۔

''جانتی ہو نا کہ حویلی میں آج بھی میرا حکم چلتا ہے۔'' وہ آیت کو کینہ توز نگاہ سے گھور رہی تھیں۔ نجش کا چہرہ پھیکا پڑا۔

''جب تک میں ہوں تو اس گھر میں صرف میرا حکم چلے گا۔''

اس کے ذہن میں باپ کی آواز ابھری، اس کے ہاتھ سے واٹر چھوٹا، یہ حکم والی بات تو دادی نے کی تھی پھر ممی کی نگاہ پہلے کی طرح جھک کیوں گئی تھی۔

''تمہارے پاس اب بھی وقت ہے تم اپنی زندگی، اپنی جوانی سنبھالو میں اپنے پوتے کو سنبھال لوں گی۔'' وہ کروفر اور بے نیازی سے گویا ہوئیں۔

دادی نے کچھ تو غلط کہا تھا کہ آیت کے چہرے نے کئی رنگ بدلے۔ نجش کے چہرے نے بھی اتنے ہی رنگ بدلے، گویا بابا کے بعد ممی پہ اب دادی کا حکم چلے گا۔ ان کی زندگی میں کچھ بھی نہیں بدلا تھا صرف جگہ بدل رہی تھی۔ اس نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے آج کی تاریخ انڈر سرکل کی، اب وہ دادی کی باتوں پر بار بار چونک رہا تھا۔ وہ ان سے بہت دور رہتی تھیں وہ یہاں پہلی بار آئی تھیں۔ پھر وہ نادیہ آنٹی کو کیسے جانتی تھیں پھر وہ زیان انکل کی بات کیوں کر رہی تھیں یہ کیسا موضوع تھا کہ جواب میں اس کی ممی بھی بول رہی تھیں۔ وہ دادی کے ہر نئے جملے کے ساتھ ایک کے بعد ایک ہندسے کے اطراف حاشیہ بنا تا جا رہا تھا۔

''میں یہ الزام آئندہ برداشت نہیں کروں گی یاد رکھیے گا۔ آپ مجھے سڑک سے اٹھا کے نہیں لے جا رہی ہیں۔'' آیت سانس لینے کو رکی۔

''تم بھی یاد رکھنا کہ میں تمہارا یہ لب ولہجہ آئندہ برداشت نہیں کروں گی اور اگر یہ بات برادری میں پھیل جائے تو تمہاری اوقات سڑک پر بیٹھی ہوئی عورت کے جتنی بھی نہیں رہے گی۔''

نجش کے سارے اچھے خواب ٹوٹتے جا رہے تھے پھر اس کی دادی نے ایک سیاہ چادر ممی کی گود میں پھینک دی۔

''سوچ لینا یہ محض چادر نہیں آٹھ سال کی قید ہے۔ اب تم دوبارہ اس گھر میں اٹھارہ سالہ نجش کے ساتھ آؤ گی پھر سرخ دوپٹا اوڑھنے کی عمر گزر چکی ہوگی آیت مبشر خان۔''

وہ اسے کومے میں دیکھنے کی خواہاں تھیں۔ وہ اسے آباد ہوتا کیسے دیکھ سکتی تھیں۔ انہوں نے زیان کا تذکرہ آیت کو بیٹے اور ملازمہ کے سامنے ذلیل و رسوا کرنے کے لیے چھیڑا تھا۔ اب وہ کینہ پرور عورت رات کی طرح تاریک پڑتی آیت کے حلق میں زندگی اٹکا کے وہاں سے جا رہی تھی۔ ان کی بھاری سیاہ چادر کا چھوٹا پلو دروازہ پار کرنے تک کئی کال کوٹھڑیاں اگل چکا تھا وہ کوٹھڑیاں آیت کی طرف رینگ رہی تھیں۔ وہ بچہ جو ماں کو تین ہندسوں کے حصار سے نکالنے کے خواب دیکھتا تھا۔ اب وہ دیوار پر آویزاں کیلنڈر کو زخمی نظروں سے گھور رہا تھا جس پر تمام کے تمام ہندسے ـــ سرخ ہو چکے تھے۔

☆☆☆

وہ ہر رات ٹیبل لیمپ جلا کے سونے کی عادی تھی مگر آج کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ وہ کسی فیصلے سے چھپ رہی تھی، وہ خود سے بھی چھپ رہی تھی جیسے وہ بیٹے کو بھی نظر نہ آنا چاہتی ہو۔ اس کے پاس سوچنے کو بہت کچھ تھا مگر ذہن بھٹک کے ساس کی باتوں میں الجھتا تو وہ مجسم سلگ اٹھتی۔ اسے زیان سے بھی گلہ ہونے لگتا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس شخص کے جن جذبات کو وہ غیر سنجیدگی سے لیتی تھی وہ اس قدر سنجیدہ رخ اختیار کریں

گے کہ آیت کو نادیہ اور ہاشم یا اپنی ساس اور بیٹے سے نگاہ ملانے میں دشواری کا سامنا ہوگا۔

شاید وہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کی خبر رکھنے والے دوست یا دشمن اس بات کو یوں ہوا میں بکھیر دیں گے۔ اب اسے آیت کی رسوائی ناگوار گزر رہی تھی۔ وہ بدلے میں مونا کو سزا دینا چاہتا تھا۔ آج وہ سارا معاملہ سمجھی تو اسے اچھا بھی لگا کہ زیان کو اس کی عزت، بے عزتی کی پروا ہے لیکن اب پروا کرنے سے وہ ہوا کے ہاتھوں سے یہ راز واپس نہیں لے سکتا تھا۔ اب وہ کیا سوچتی کہ اس کا ہر معاملہ یا تو ہوا کے ہاتھوں میں معلق تھا یا پھر اندھیرے میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

''مجھے پتا ہے آپ جاگ رہی ہیں۔'' اس نے نجش کی آواز سنی پھر وہ ماں کے قریب کھسکا اور اس کے گیلے رخسار کو چھوا، وہ کچھ نہیں بولی۔ بس رخسار پر دھرے اس ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''ممی میں نے بہت سوچا ہے اور میں نے فیصلہ کرلیا ہے آپ میرے ساتھ حویلی نہیں جائیں گی۔''

وہ چونکی۔

''میں اب بڑا ہو گیا ہوں۔''

وہ اب زیادہ چونکی۔

''میں اکیلا بھی دادی کے پاس رہ سکتا ہوں۔''

وہ ایک دم سیدھی ہوئی۔

''آپ ماموں کے ساتھ رہیں، اس گھر میں رہیں یا نادیہ آنٹی کے ساتھ رہیں۔ میں آپ کو ہمیشہ محبت کے ساتھ یاد کروں گا۔'' وہ رات کا کون سا پہر تھا مگر اسے لگا کہ سورج نکل آیا ہے۔ اس نے زندگی میں اپنے ہر محرم رشتے کو خود غرض ہی پایا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ بیٹے نے جوان ہو کر اس کے لیے کس طرح کا مرد ثابت ہونا تھا۔

''اب وہ تین نہیں، بہت زیادہ ہند سے ہیں ممی تو میں آپ کو ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا۔''

پھر وہ اس سے یوں تڑپ کے لپٹا کہ ہوا میں معلق آیت کو پناہ مل گئی۔ اب اندھیرا چھٹ گیا تھا۔ وہ بیٹے کو خود میں سمیٹتے ہوئے کسی فیصلے پر پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆

''میں نے اس کے لیے زندگی بدل ڈالی۔ سب اچھا برا چھوڑ دیا اور اس نے میرے ساتھ یہ کیا کہ سب کچھ ختم کر کے جا رہی ہے۔''

وہ ماں سے شکوہ کناں تھا۔ اس کے لہجے میں صدمہ تھا، بے بسی تھی، تلخی تھی۔ وہ یہاں باپ کی موجودگی سے بے خبر تھا جو اس کی باتیں سننے کے بعد یوں تھک ہار کے اس کے مقابل ٹھہرا جیسے ڈریسنگ روم سے کمرے کے وسط تک کا سفر میلوں کا ہو۔

وہ بیٹے کا مرجھایا چہرہ دیکھتا رہا۔

''کچھ عرصے پہلے مجھ سے مونا نے کہا تھا کہ آیت میں ایسا کیا ہے ہاشم جو تم اس کے ذکر پر باادب ہو جاتے ہو اور چاہتے ہو کہ ایمل یا مونا کو اس کا نام باوضو ہو کر لینا چاہیے۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ اگر اس عورت کو زیان کو حاصل کرنے کا موقعہ مل جائے تو اس کی اکڑ اور بے نیازی کی اصلیت کھل جائے گی۔ اور تمہیں بتاؤں زیان کل وہ آیت کا فیصلہ جان کر مجھ سے نظر نہیں ملا سکی۔''

پھر وہ آگے بڑھا۔ اس نے سامنے کھڑے بیٹے کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''محبت کا رنگ ایک ہی ہوتا ہے پھر اس جذبے کے اسیر لوگوں کی خواہشات کی نوعیت اس محبت کو گلابی، سفید یا کالا کر دیتی ہے۔ تمام عورتیں قابل عزت ہوتی ہیں۔ ایک عورت سے دوسری عورت کا فرق ان کا کردار ظاہر کرتا ہے ان کی خواہشات کی نوعیت واضح کرتی ہے۔'' وہ بیٹے سے کچھ اور قریب ہوا۔

''لاریب ہمیں ملتی ہے پھر جدا ہو جاتی ہے۔ وہ تو ہم جیسے بھٹکے ہوئے کو بس روح کا راستہ دکھانے ہماری زندگی میں آتی ہے۔'' اب اس کی آواز ہی نہیں آنکھ بھی ڈبڈبا گئی تھی۔ ''پھر لاریب سے وفا کے انعام میں ہمیں نادیہ مل جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری طرح زیان نیازی میری غلطی سے سیکھتے ہوئے اپنی زندگی میں کسی مونا کو نہیں آنے دے گا۔''

اس نے بیٹے کو یوں بے قراری سے گلے لگایا کہ آج برسوں بعد ان باپ بیٹے کی آنکھوں سے لاریب کی جدائی آنسو بن گئی تھی۔

☆☆☆

اس نے کن اکھیوں سے فون کی طرف دیکھا۔ وہ نمبر کسی بھی نام سے محفوظ نہیں تھا مگر ہندسے اس کی یادداشت میں تھے۔ وہ مدھم سی کال ٹون صرف آیت کے ہی سکون میں مخل نہیں ہو رہی تھی بلکہ کمرے سے باہر پیڑ پر اس رہائشی پرندے کے آرام میں بھی خلل ڈال رہی تھی۔ جس نے اس شب بھر کی مہمان کو بے کل سا ہو کے سوچا جو کئی دنوں سے کھڑکیاں دروازے بھیڑ کے بیٹھی تھی اور وہ اسے دیکھنے کا عادی تھا پھر اس پرندے نے ایک مخصوص آواز نکالی۔ آیت چونکی وہ جانتی تھی کہ یہ ایک کرب بھرا شکوہ تھا۔ وہ اس کالنگ ٹون سے ملتی جلتی آواز تھی کہ کال کرنے والے کو بھی اس کی بند کھڑکیوں سے گہرے شکوے تھے۔

آیت نے اس شکوہ کناں شخص کو کال پر لیا تو اک ذرا توقف سے اس کے لب ہلے۔

''آیت۔'' اور آیت کے دل میں آج اپنا ہی نام شیشے کی طرح گڑا۔

''میرا ساتھ دینا نہ دینا تو ایک الگ بات تھی مجھ سے اک ذرا سی محبت بھی نہیں ہو سکی۔''

اس نے باقی ساری باتیں چھوڑ کے ایک آسان بات کی، کیا عجب شکوہ تھا۔ اس مشکل سوال نے آیت کا حلق خشک کیا۔

وہ دشت کا بھولا بھٹکا ہے
میں پلٹ، پلٹ کے سمجھاؤں
اس دل کے چشمہ زم زم میں
اب وضو کے جتنا پانی ہے

کیا وہ سو گئی تھی۔ یا اس نے کال ڈراپ کر دی تھی کہ اس کا نام گھبرا کے پکارا۔ وہ ٹھٹکی..... اب جواب دینا لازم تھا۔

''محبت نہیں ہو سکتی تھی زیان!'' یہ کیسا جواب تھا کہ وہ مچلا۔

''اک ذرا سی تو ہو سکتی تھی۔'' یہ کیسی کٹیلی ضد تھی جو آیت کی آنکھوں میں چبھی۔

اے دشت مسافر رمز سمجھ۔
تیرا تن سوکھا، تیرا من سوکھا
تو کبھی بھر اس پانی کو میری مٹھی میں ہی رہنے دو
گر مٹھی سے یہ چھلکا بھی تو وضو ہی کرا سکتے ہیں

''ایک بات پوچھوں؟''

زیان نے کئی ثانیے بعد اسے مخاطب کیا تو وہ جواب میں التجائیہ سی ہوئی۔

''پلیز زیان اب ایک لفظ بھی مت کہنا۔'' اس نے اسے نرم لہجے میں ٹوکا۔ پھر اسی انداز میں ہم کلام ہوئی۔

''ایک عورت کے پاس غلطی کی گنجائش ہوتی ہے ایک میرڈ عورت کے پاس بھی شاید غلطی کی گنجائش ہوتی ہو گی۔ مگر ایک ماں کے پاس غلطی کی گنجائش نہیں ہوتی۔''

اس نے بات ختم کر کے ساتھ ہی کال ڈراپ کر دی۔ اگلے منٹ وہ اپنی چبھتی آنکھوں میں پانی کے چھپاکے مار رہی تھی۔ وہ اس کٹیلی ضد کو آنکھ سے دھو رہی تھی۔ وہ اپنی غلطیوں کو آنکھ سے دھو رہی تھی۔

☆☆☆

یہ وسط نومبر کا ایک سست، سست سا دن تھا موسم میں بدلاؤ لاتی ہوا درختوں کی اندرونی شاخوں کو آج زیادہ جھنجھوڑ رہی تھی، سوکھی شاخوں پر آباد پرندے ہراساں ہو کر کئی گھڑیوں کو ٹنڈ منڈ شاخوں پر آ بیٹھے تھے۔ نادیہ اس سرپھری ہوا اور مجذوب قسم کے دن سے دامن بچا کر کمرے میں چلی آئی۔

اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ ان دنوں اپنی اسکن کی پروا بھی چھوڑ چکی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کے کمرے کا دروازہ بجا پھر زیان اندر آ گیا۔

''کہاں رہ گئے تھے۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' اس نے لحظہ بھر کو نگاہ اٹھائی پھر خواہ مخواہ ہی منہ ہینڈ بیگ کے کھلے دہانے میں گھسایا۔ وہ اس سے اپنی آنکھوں کی سرخی چھپانا چاہتی تھی، ورنہ بھید کھل جاتا

کہ وہ کس سے مل کر آرہی ہے۔ اب وہاں آیت کا ذکر چھڑتا تو وہ اس سے چند منٹ کو ہی ملنے کا اصرار کرتا۔

''اب مانچسٹر کی ساری بوڑھیاں میری دوست ہوں گی۔'' نادیہ نے دھیمے سے آنکھ جھپکی اور نمی کو جذب کیا۔ وہ دروازے کے پاس موجود سامان پر سرسری سی نگاہ ڈالتا بیڈ کے قریب آیا۔

''میں تو کب کا آ گیا تھا، آپ ہی غائب تھیں۔''

کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ الوداعی ملاقات کی رسم نبھا کر آرہی ہے۔ اس نے ایک مایوس کن آہ بھری۔

''آں، ہاں..... وہ پڑوس میں ذکیہ اماں گر گئی تھیں تو میں نے سوچا مانچسٹر جانے سے پہلے ان کی خیریت معلوم کر آؤں۔''

زیان نے آنکھیں سکوڑیں۔ یہ ایک انہونی بات تھی۔ وہ اس کے سامنے بیڈ پر ٹکا، نادیہ کے دل میں اتھل پتھل ہوئی۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اسے آیت سے دوستی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اصل سکون تو بزرگوں کی باتوں میں ہے جو اچھے برے حالات بتا کر، اپنا دکھ سکھ نچوڑ کر پرسکون زندگی جی رہے ہوتے ہیں۔ اس نے گال پر بہتے پانی کو چھوٹی انگلی سے صاف کرتے ہوئے زیان سے فلائٹ ٹائمنگ پوچھی۔ پر جواب نہ پا کر چہرہ اٹھایا۔ وہ یوں اسے چپ چاپ تکتا اس سے کیا چاہتا تھا۔ نادیہ نے تیزی سے نگاہ جھکائی۔

''اماں ذکیہ سچ کہتی ہیں۔ آج کل کی نوجوان نسل کی گفتگو میں ناشکرے پن کے علاوہ بس عشق محبت کی باتیں ہیں۔''

اس نے دوسرے گال پر بہتے پانی کو غصے سے پونچھا۔

''ممی!'' اس نے ہینڈ بیگ ہٹاتے ہوئے نادیہ کا ہاتھ تھاما۔ وہ شل ہوئی۔ اس یک لفظی سرگوشی میں ایک ہی تذکرہ تھا۔

''یہ ناممکن ہے۔'' وہ دوسرے ہاتھ میں اس کا ہاتھ لیتے ہوئے گڑگڑائی۔ ''اس الوداعی رسم سے محبت اکثر محروم رہ جاتی ہے زیان۔''

اب اس کے دونوں رخسار تواتر سے بھیگ رہے تھے۔ پھر زیان نے جیسے مدت بعد سانس لیا۔ گویا اس مجذوب قسم کے دن نے اس کی ہر دعا رد کر دی تھی۔

''میں آپ کا ٹکٹ کینسل کروا آیا ہوں آپ ایک ہفتے بعد بابا کے ساتھ ہی آجایئے گا۔''

بات ختم کرنے کے بعد یوں عجلت سے باہر نکلا کہ وہ اسے روک بھی نہ سکی۔ سوچتی ہی رہ گئی غلطی جس سے بھی ہوئی تھی مگر محبت میں درد کا بٹوارہ ہوا تھا تو وہ عورت سے زیادہ ایک مرد کے حصے میں آیا تھا۔ ورنہ تو یہ آوارہ مزاج درد عورت کا ہی قرب طلب کرتا ہے۔

☆☆☆

یہ ایک رہائشی علاقہ تھا۔ جہاں ایک شاندار گھر کے سامنے ایک بڑی سی گاڑی کھڑی تھی۔ اس گھر کے مستعد ملازم چھوٹے صاحب اور بیگم صاحبہ کا سامان کار میں رکھوا رہے تھے۔ وہ آگے بڑھتا ہوا عقب میں رہ جانے والی گاڑی کو پلٹ، پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کے چہرے پر یاسیت برس رہی تھی جیسے وہ کسی کو الوداع کہنے والا ہو۔ پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اور ہوا کی سی پھرتی کے ساتھ کمرے میں آیا۔ وہ اندر آ کر استہزا سے مسکراتا ہے۔

''اگر تم مجھے چھوڑ کے جا سکتی ہو تو مجھے بھی تمہاری ضرورت نہیں۔''

وہ اسٹوپڈ چلاتا ہے، وہ بزدل نہیں تھا مگر جھوٹا تھا۔ وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے بیڈ کی طرف بڑھا۔ جیسے وہ ان نرم تکیوں میں منہ گھسیڑے عمر بھر کے لیے سو جانا چاہتا ہو۔

''میں کم ہمت نہیں ہوں۔'' اب وہ کمرے سے اپنا سامان اٹھا رہا تھا۔ وہ نیچے آتا ہے۔ لاؤنج میں کھڑے ممی بابا سے مسکراتے ہوئے گلے ملتا ہے۔ وہ تینوں ایک ساتھ باہر آتے ہیں۔ اب وہ ان سے اجازت لے کر گیٹ سے گاڑی نکال رہا تھا۔ جب وہ گاڑی کو روڈ پر لے آیا تو اس نے بخش ولا کے گیٹ پر کھڑی لگژری کار کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ دو منٹ بعد اس کی گاڑی اس خالی پلاٹ کے ساتھ رواں تھی

جہاں اوڈ آباد تھے وہاں آج بھی رونق تھی، ڈھول بج رہا تھا گیت گائے جا رہے تھے پھر وہ گاڑی لکڑی کے ایک بوسیدہ بینچ کے قریب رک گئی۔

اب وہ شخص نیچے اترتا ہے۔ وہ قدرے حیران ہوا وہ نیچے کیوں اترا؟ وہ یہاں کیوں کھڑا تھا؟ وہ پلٹ کے دیکھتا ہے جہاں ایک عورت بھاری سیاہ چادر اوڑھے بچے کا ہاتھ تھامے گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ اب وہ کار بخش ولا کو پیچھے چھوڑتی ہوئی اس خالی پلاٹ کی جانب رینگ رہی تھی جہاں اوڈ اور اوڈنیاں ہاتھ لہرا، لہرا کے اونچے سروں میں گیت گا رہے تھے اور اگلے منظر نے گاڑی کے ساتھ چپکے اس شخص پر جانے کیا قیامت ڈھائی ہوگی جب وہ رینگتی ہوئی کار لکڑی کے اس بینچ کے قریب رک گئی۔

زیان کی نگاہ ساکن ہوئی۔ سیاہ چادر میں چھپی کیا وہ عورت جانتی تھی کہ کوئی وہاں سانس روک کے کھڑا تھا۔ پھر کار کا دروازہ کھلا۔ وہ کیا کرنے والی تھی۔ وہ کیا کر سکتی تھی۔

☆☆☆

کار کا عقبی دروازہ کھلا زیان نے بخش کو باہر آتے دیکھا۔

''انکل میں آپ کو مس کروں گا۔''

اس نے گلے ملتے ہوئے سرگوشی کی۔ زیان نے اسے خود میں بھینچ لیا۔ پھر بخش اس پر رونق ہجوم کی طرف بھاگ گیا وہ اپنے دوستوں کو الوداع کہنا چاہتا تھا۔

''جلدی آؤ صاحب دیر ہو رہی ہے۔''

ایک منٹ بعد ان کا ڈرائیور بخش کو آواز دیتا ہوا ہجوم کی طرف بڑھ رہا تھا اور عقبی سیٹ پر نگاہ جمائے زیان نے کھڑکی کے سیاہ شیشے کو گرتے دیکھا اس کا سانس تھما پھر اس نے سیاہ گھونگٹ کو سرکتے دیکھا۔ وہ اس سیاہ پڑتی شام میں سورج کے پیچھے بھاگ رہا تھا اور بامراد ٹھہرا تھا۔ وہ اس کے نزدیک کچھ تو تھا وہ اترانا چاہتا تھا کہ اگلے پل کچھ ہونے کی خوش فہمی ہوا ہوئی، جب چند عورتوں کا ہجوم کار کو گھیر لیتا ہے گویا وہ گھونگھٹ اس کے لیے نہیں سرکا تھا پھر ہجوم چھٹتا ہے۔ وہ اسے اک نظر دیکھتی ہے وہ نگاہ ریشمی تھی نہ کھردری تھی۔ وہ ایسی نگاہ تھی جیسے جان پہچان سے عاری اجنبی پر بے ارادہ پھسل جاتی ہو۔ پھر سیاہ شیشہ اوپر چڑھتا ہے گاڑی آگے بڑھ جاتی ہے۔ اب وہ اجنبی آگے جاتی ہوئی کار کو نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ اس کی سماعتیں اس گیت کی طرف متوجہ تھیں جو اوڈ عورتیں اودی نیلی چوڑیوں سے بھری کلائیاں لہرا لہرا کے اونچے سروں میں گا رہی تھیں۔ وہ گیت ان کے جامنی ہونٹوں پر سوٹ کر رہا تھا۔ محبت کوئی کاروبار نہیں کہ اس میں حاصل وصول کا سوال اٹھایا جائے۔ محبت بس محبت ہوتی ہے پیارے، کسی قلندر کے وضو کی طرح کیے جاؤ۔ کیے جاؤ آخری سانس تک۔

☆☆☆

اس نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندیں تو آنکھوں میں گھلی اجنبیت رخساروں پر بہنے لگی۔

''آئی ایم سوری زیان، جو ہوا سو ہوا۔ وہ میری نگاہ کی غلطی تھی مگر اس غلطی کے ریشمی پن نے تمہاری آنکھ میں محبت کی دیمک بو دی۔ لیکن اب میرے پاس غلطی کی گنجائش نہیں تھی۔ مگر مجھے اعتراف ہے کہ کسی الماری میں پڑی وہ پرانی ڈائری اب میرے لیے بے کشش ہے کہ اس میں تحریر وہ ادھوری نظم مکمل ہو چکی ہے۔ اس کی آنکھوں سے صرف وہ گزرے ماہ و سال ہی نہیں ایک اور اعتراف بھی ٹوٹ ٹوٹ کے بہہ رہا تھا۔

سنو میں یہ نہیں کہتی
مجھے تم سے محبت ہے
مگر میں بے یقینی کے
عجب عالم میں گم صم ہوں
میرے خاموش اور ٹھہرے ہوئے دل پر
یہ تازہ کہر ٹوٹا ہے
تیری دیوانگی نے اور تیرے جذبوں کی خوشبو
میرے دل کو ذرا سا چھو لیا ہے

☆☆

فریدہ گوہر

چاند رات

یہ پچھلے سال کی بات ہے۔ پتا نہیں کیا ہوا کہ رمضان شریف شروع ہونے سے پہلے مجھے یوں لگا جیسے گھر بھر کا کام مجھے ہی کرنا پڑے گا۔ میری نند شاہینہ کی شادی ہو گئی وہ سسرال چلی گئی۔ میری دیورانی چھلہ کرنے اپنے میکے چلی گئی اور گھر میں کام کرنے والی صرف میں رہ گئی۔

اللہ سارا رمضان شریف کیسے گزرے گا۔ میں روزے کیسے رکھوں گی؟ کچن میں جا کر اتنی گرمی میں افطاری تیار کرنا کسی جہاد سے کم نہیں تھا۔ اوپر سے سب کی الگ الگ پسند ناپسند۔

دو دیور، تین چھوٹی نندیں، اپنے چار بچے، ساس سسر مل ملا کر گھر کے تیرہ چودہ افراد بن جاتے ہیں۔ کام کرنے والا کوئی بھی نہیں۔ کوئی مدد کرنے کو تیار نہیں۔ اپنے بچے اتنے چھوٹے۔ انہیں الگ سنبھالو۔

روزے کے ساتھ یہ سارے کام کیسے ہوں گے۔ قرآن پاک بھی پڑھنا ہوگا۔ تراویح تو چلو چھوڑی جا سکتی تھی۔ پھر بھی کچن سمیٹتے سمیٹتے اتنا وقت گزر جاتا ہے اور پھر صبح سحری کے وقت بھی جلدی اٹھنا پڑے گا۔

میں پریشان پھر رہی تھی۔ امی سے بات کی انہوں نے بھی بات 'ہوں ہاں' کہہ کے ختم کر دی۔ اپنی ایک دو سہیلیوں کو اپنا یہ مسئلہ بتایا لیکن وہ بھی

اسی طرح کے حالات سے دو چار تھیں۔ سسرال والوں کی برائیاں کر کے فون بند کر دیا۔ اللہ یہ رشتے ناتے نبھانے کتنے مشکل ہیں۔ میں کیا کروں کوئی بس نہ چلا تو میں رو دی۔

رونے سے دل کی بھڑاس تو نکل گئی لیکن سوجی ہوئی آنکھیں میری پریشانی کی چغلی کھا رہی تھی۔ میاں نے دفتر جاتے جاتے ایک نظر مجھے دیکھا، کچھ ٹھٹکے اور اپنا بریف کیس اٹھا کر اماں کو سلام کرنے چلے گئے۔ میں انہیں دروازے تک چھوڑنے گئی مگر مجال ہے جو ہمدردی کا ایک لفظ بھی کہا ہو۔

''میاں بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' سہیلیوں کا کہا ہوا جملہ کانوں میں گونج کر رہ گیا۔ میں کچن میں جانے لگی تو اماں (ساس) نے آواز دی۔ میں ان کی طرف چلی گئی۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں پھر کہنے لگیں۔

''کل یا پرسوں رمضان شریف شروع ہو جائے گا۔ اس سال تو گھر میں بہت ہی مصروفیت ہے۔''

میں دل ہی دل میں جل کر رہ گئی۔

''آپ کو کیا مصروفیت ہوگی، کام تو سارا میں نے کرنا ہوگا آپ تو بس پلنگ پر بیٹھی حکم چلا رہی ہوں گی۔''

دل ہی دل میں کہہ کر رہ گئی۔

''بہو! ایسا کرنا کہ سارے کاموں کا ایک شیڈول بنا لینا۔ میرا مقصد ہے کہ گرمیوں کے روزے ہیں، افطاری کے پکوان کم سے کم رکھنا، تلی ہوئی چیزیں ضروری نہیں۔ افطار کے وقت تم سیدھا سالن پکاؤ اور روٹی یا چاول بنا لیا کرنا۔ کھجور سے افطاری کے بعد فروٹ کھا کر نماز پڑھتے ہی کھانا لگا دینا۔ ہر فرد کے لیے ایک پلیٹ اور ایک گلاس رکھنا اُسی ایک پلیٹ میں سب کچھ ڈال کر کھانے کی نصیحت کرو اور وہی پلیٹ اور گلاس بچے دھو کر رکھیں اس طرح تمہارے پاس برتن دھونے کا کام بھی کم ہو جائے گا۔''

انہوں نے اپنے خیال میں میرے کام کا بوجھ ہلکا کر دیا۔

''جی اماں۔'' میں نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا۔

''بھلا کون مانے گا میرا کہنا۔'' میں نے دل میں سوچا۔ ''یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔ افطاری کے بعد برتنوں کا ڈھیر اُف میرے خدا۔'' خیال سے ہی مجھے جھرجھری آ گئی۔

''اچھا تو سحری میں سارے ضرورت کے برتن رات کو ہی ڈائننگ ٹیبل پر لگوا کر سویا کرنا۔ رات کو آٹا گوندھ کر بل والے پراٹھوں کے پیڑے بنا کر فریج میں رکھ دیا کرنا، ہر فرد کو صرف ایک پراٹھا چاہیے ہوتا ہے۔ رات والے سالن اور دہی سے سحری کا اہتمام کر لینا۔ پھینیاں پیالیوں میں ڈال کر ڈھک کر رکھ لیا کرنا، سحری کے وقت صرف دودھ میں چینی ڈال کر گرم کیا اور پھینیوں پر ڈال دیا۔''

اماں نے گویا سحری باتوں ہی باتوں میں کروا بھی دی۔

''رخسانہ (نند) تمہاری مدد کر دیا کرے گی۔''

اماں نے تسلی والے انداز میں کہا۔

''اللہ اماں! رخسانہ تو سات سال کی ننھی سی بچی ہے، وہ کیسے کام میں مدد کرے گی؟'' حیرت سے میں چیخ اٹھی۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔'' انہوں نے اچھے سے کہا

اماں کی یہ باتیں سن کر۔۔۔ دل پر بوجھ لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ قربانی تو عورت کو ہی دینی پڑتی ہے۔ کیا مصیبت ہے۔ کاش میری شادی ہی نہ ہوئی ہوتی، مزے سے امی کے ہاتھ کی پکی ہوئی سحری اور افطاری کرتی۔ ہائے امی کے گھر کتنا مزہ آیا کرتا تھا۔ ایک تو روزے، یوں بھری گرمی کے نہ تھے۔ اور بہن بھائیوں کے ساتھ سحری اور افطاری کرنے کا اپنا لطف تھا۔ خیالوں میں ایسے گم ہوئی کہ مجھے پتا ہی نہ چلا کہ ننھا سو کر اُٹھ بھی گیا

☆☆☆

اگلے دن روزہ ہو گیا۔ میں نے اماں کے کہنے کے مطابق کام کیا۔ فریج کو صاف ستھرا کر کے ضرورت کی چیزیں منگوا کر رکھ دیں۔ پہلے دن کی سحری میں سب اٹھے تھے، پتا ہی نہیں کام ہاتھوں ہی ہاتھوں میں کیسے ختم ہو گیا۔ اماں اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھی سب کو سحری کھاتے دیکھ رہی تھیں۔ کس کو کس چیز کی ضرورت ہے اور وہ اسے کیسے خود لے سکتا ہے، بتاتی جاتی تھیں۔ انہوں نے خود روزہ نہیں رکھنا تھا کہ وہ بیمار تھیں اور ڈاکٹرز نے انہیں روزہ رکھنے سے منع کیا تھا۔ فجر کی نماز پڑھ کر میرے پاس اتنا وقت تھا کہ چھوٹے بچوں کے اُٹھنے سے پہلے میں ایک سیپارہ پڑھ سکتی تھی۔ ابھی تو پہلا دن ہے۔ میں نے احتیاطاً زیادہ قرآن پاک پڑھا۔ دن نارمل گزر گیا عصر کی نماز پڑھ کر میں نے ٹی وی لاؤنج میں ہی اماں کے پاس بیٹھ کر سبزی بنائی۔ پھل دھو کے رکھے۔ مشروب کا اہتمام کیا۔ صرف ایک گھنٹے پہلے کچن میں گئی۔ حیرت انگیز طور پر افطاری کے وقت سب کچھ تیار تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کھانا کھا کر جب سب گھر کے مرد تراویح پڑھنے گئے تو میں اپنے سارے کام نمٹا کر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔ نماز ادا کی اور سو گئی۔ سحری میں ہی آنکھ کھلی۔

☆☆☆

سارا رمضان شریف بہت سکھ سے گزر گیا۔ پتا بھی نہ چلا۔ چاند رات آ گئی۔ اماں بچوں کے کپڑے لیے بیٹھی تھیں، ان کے پاس بیٹھے ہوئے بچے چہک رہے تھے۔ کسی کے جوتے نہیں آئے تھے کسی کو مہندی کی ضرورت تھی۔ کسی کا دوپٹا میچ نہیں کر رہا تھا۔ ایک ہنگامہ مچایا ہوا تھا بچوں نے۔ میں اور اماں ان مسائل کو حل کرنے میں مصروف تھے۔ ساتھ ہی ساتھ گھر کی صفائی کی بھی فکر تھی۔ میں ڈائننگ ٹیبل پر عید کے لیے نئے برتن نکال کر رکھنے میں مصروف تھی۔ اماں شیر خورمہ بنانے کے لیے چھوہارے، بادام اور کشمش صاف کر رہی تھیں۔ ہائے اللہ ابھی تو شیر خورمہ میں ڈالنے کے لیے تھوڑے سے چاول بھی تو بھگونے تھے۔ ''سفید چنے بھی بھگو دینا، آلو چنے کی چاٹ بنے گی اور ہاں پکوڑے بنانے کے لیے بیسن ضرور بھگو کر رکھنا۔ میٹھا کھا کھا کر کچھ چٹ پٹا کھانے کو دل چاہتا ہے۔'' اماں نے یاد دلایا۔ پاس ہی بیٹھے ہوئے بچوں نے مہندی بھی لگانی شروع کر دی۔

''اماں! آپ نے بازار سے کچھ منگوانا ہے۔''

میں نے چادر اوڑھتے ہوئے اماں سے پوچھا۔ اماں نے ڈھیر ساری چیزیں بتا دیں۔ کسی کی چوڑیاں، کسی کا میچنگ دوپٹا، کسی کے جوتے اور یوں گھر کے بیشتر افراد نے گاڑی میں بھر کر بازار کا رخ کیا۔ بازار میں رش بھی بہت تھا۔ شاپنگ کے ساتھ ساتھ جب کوئی جاننے والی مل جاتی تو گپ شپ کا اور ہی مزہ آیا۔ بچوں نے آئس کریم کھائی۔ کافی دیر بعد گھر پہنچے تو سب گھر کے افراد سو چکے تھے۔ بچے بھی راستے میں سو گئے تھے، ہم نے بھی سونے کی جلدی کی۔

☆☆☆

اگلے دن عید تھی۔ صبح سویرے میری آنکھ کھل گئی۔ نماز پڑھ کے میں شیر خورمہ بنانے لگ گئی۔ بچے بھی جلدی جاگ گئے۔ چاند رات کی خوشی کا ایک نشہ تھا جو ان کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔ مسرت اور سرشاری چھلکی پڑ رہی تھی۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ رہے تھے۔ کسی کو اپنے نئے جوتے کی فکر تھی جو چاند رات کو ہی لیا تھا۔ اور سرہانے رکھ کر سوئے تھے۔ کوئی اپنی سوکھی مہندی اتار کر لال لال ہاتھ مجھے دکھا رہی تھی اور میں انہیں چوم رہی تھی۔ کوئی ہینگر میں سوٹ لٹکائے دوپٹے کی میچنگ چیک کر رہی تھی۔ اور تو اور چھ ماہ کا ننھا بیٹا بڑے ہی خوش گوار موڈ میں جاگا تھا جسے اس کا بڑا بھائی عید مبارک کہہ رہا تھا۔ میں بے اختیار نم آنکھوں کے ساتھ اماں کے گلے لگ گئی۔

''اتنی ساری خوشیوں کو منظم کرنے کا بہت بہت شکریہ اماں!''

اور اماں مسکرا دیں۔

☆☆

ناولٹ

بشریٰ احمد

معمولی باتیں

عبیر کو کب گمان تھا کہ بی اے کے فوراً بعد بیاہ والی مثال اس پر بھی فٹ آجائے گی۔ ارادہ تو اس کا یہ تھا کہ کیمسٹری میں بی ایس کرنے کے بعد وہ ایم ایس میں ایڈمیشن لے گی۔ اس کے بعد ایم فل اور پھر بالآخر لیکچررشپ جو اس کی دیرینہ آرزو تھی۔ ہوا کچھ یوں کہ فائنل سمسٹر کے رزلٹ سے بھی پہلے اس کا رشتہ آگیا۔ رشتہ لانے والی تھیں سائرہ باجی جو عبیر کی بھابھی کی بڑی بہن تھیں اور اپنے اکلوتے دیور کے لیے عبیر کا رشتہ لائی تھیں۔

عبیر کے لیے سعد کوئی انجان یا اجنبی شخص نہیں تھا۔ سائرہ جب بھی مائرہ سے ملنے عبیر وغیرہ کی طرف آتیں تو عموماً سعد کے ہمراہ ہی آتی تھیں۔ سعد انہیں یہاں چھوڑ کر اپنے کسی دوست کی طرف نکل جاتا۔ ڈیڑھ، دو گھنٹے بعد وہ سائرہ بھابھی کو لینے آجاتا۔ اگر مدثر بھائی یا مبشر میں سے کوئی گھر پر ہوتا تو سعد کو بھی روک لیا جاتا مبشر کی تو سعد سے اچھی خاصی دوستی تھی۔ عبیر سے تین برس بڑا مبشر جس کو عبیر نے کبھی بھائی کہنے کا تکلف نہ کیا تھا وہ تقریباً سعد کا ہم عمر تھا۔ دونوں کے مشاغل اور دلچسپیاں ایک سی تھیں دونوں کرکٹ کے شیدائی تھے اگر پاکستان کی کرکٹ ٹیم کسی سیریز میں مصروف ہوتی تو دونوں کے تبصرے، تجزیے اور پیش گوئیاں عروج پر ہوتیں۔

عبیر سے جب بھی اس کا آمنا سامنا ہوتا تو وہ اسے سلام کر کے اپنی راہ لیتی۔ سعد بھی اس پر سرسری سی نگاہ ڈال کر اس کے سلام کا جواب دے دیتا اور پھر مبشر سے باتوں میں مشغول ہو جاتا لیکن جب اس موصوف کا عبیر کے لیے رشتہ آیا تو عبیر کا ہکا بکا ہونا بنتا تھا۔ امی، ابا اس رشتے پر بے حد مطمئن تھے۔ سائرہ سے رسمی طور پر سوچنے کی مہلت ضرور مانگی گئی لیکن امید واثق تھی کہ انہیں مثبت جواب سے ہی نوازا جائے گا۔ مدثر بھیا کی تو خیر وہ سالی صاحبہ کا دیور تھا سو ان کا ووٹ خود بخود اس کی طرف تھا۔ مبشر کی رائے میں بھی وہ زبردست پسندیدہ تھا۔ بجو اور اپیا نے بھی اس رشتے کو عبیر کی خوش قسمتی گردانا تھا۔ دونوں بھرے

سسرالوں میں بیاہی تھیں۔ عبیر کے لیے سعد کا رشتہ انہیں ہر لحاظ سے موزوں لگا تھا۔

سعد کے والدین عرصہ دراز پہلے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ ایک بڑی بہن تھی جو شادی کے بعد کویت جا بسی تھی سسرال کے نام پر صرف ایک جیٹھ اور جیٹھانی تھے اور وہ مائرہ بھابھی کے بہن اور بہنوئی تھے۔ سعد پڑھا لکھا تھا۔

برسر روزگار اور ظاہری شخصیت بھی متاثر کن تھی سو ایسا رشتہ ٹھکرانا کفران نعمت نہیں تو اور کیا ہوتا۔ عبیر نے دبا دبا سا احتجاج بھی کیا کہ اسے اپنا تعلیمی سلسلہ مکمل کرنا ہے۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے سو اس کے احتجاج کو درخور اعتنا ہی نہ جانا گیا اور سائرہ بھابھی اور فہد بھائی کو رشتے کے لیے ہاں کر دی گئی۔ عبیر حقیقت پسند لڑکی تھی تعلیم کی قربانی دینے پر دل کا ایک گوشہ غیر مطمئن اور افسردہ تھا تو وہیں سعد جیسے شخص کا ساتھ ملنے پر اپنے رب کا شکر گزار بھی تھا۔ سلجھی ہوئی عادات والا وہ مہذب سا بندہ رشتے کی بات پکی ہوتے ہی اس کی سند دل پر براجمان ہو گیا تھا۔ عبیر کی خواہش پر اپیا نے سائرہ بھابھی کے سامنے یہ ذکر کر دیا تھا کہ وہ شادی کے بعد تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا چاہتی ہے۔

''بھئی یہ تو شادی کے بعد دونوں میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہوگا اگر عبیر، سعد کو منا لے تو ظاہر ہے مجھے یا فہد کو کیا اعتراض ہوگا۔ جتنا مرضی پڑھے۔'' سائرہ بھابھی مسکرا کر گویا ہوئی تھیں۔ ان کی بات معقول تھی اپیا نے بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

عبیر کا جی پھر بھی کچھ غیر مطمئن تھا۔ اس بار بہنوں کے بجائے اس نے ماں کے سامنے جی کا بوجھ ہلکا کیا۔

''امی! کیا آپ کو نہیں لگتا کہ ابھی ـــــ شادی کے لیے میری عمر ـــ نامناسب ہے۔ مجھے تو صحیح سے گھر داری بھی نہیں آتی۔ میں شادی کے بعد کی ذمہ داریاں کیسے نبھا پاؤں گی۔''

''ارے میرا بچہ فکر کیوں کرتی ہو جب سر پر پڑے گی تو سب آ جائے گا پھر کون سا لمبا چوڑا سسرال ہے تیرا۔ سائرہ، فہد، ان کے دو بچے اور سعد کتنا کام ہوگا اس گھر میں جو تو گھبرا رہی ہے۔''

''میں کام سے نہیں گھبرا رہی امی لیکن ابھی میں ذہنی طور پر شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میری پلاننگ کے مطابق تو میری شادی میں ابھی پانچ، چھ برس کا عرصہ پڑا تھا۔ یہ سب کچھ بہت اچانک ہو رہا ہے۔'' وہ بے چارگی سے بولی تھی۔

لو بھلا بتاؤ پانچ چھ سال ہم نے تمہیں بٹھائے رکھنا تھا۔ خدا کا شکر ہے مناسب عمر میں اتنا بہترین رشتہ مل گیا۔ میری خدا سے یہ ہی دعا تھی کہ کم از کم مجھے زندگی میں اتنی مہلت مل جائے کہ اپنی بچیوں کے فرض سے اپنی زندگی میں ہی سبکدوش ہو جاؤں۔ اللہ نے دعا سن لی میں تو ہر گھڑی اس کا شکر بجا لاتی ہوں۔''

''واہ جی واہ صرف بیٹیاں ہی سگی ہیں آپ کی۔ بیٹوں کو اس فہرست سے کیوں خارج کر دیا۔'' پاس سے گزرتا مبشر شرارت بھرے انداز میں ماں سے شکوہ کرنے لگے۔

''کیا مطلب۔'' امی مسکرا کر بیٹے کو دیکھنے لگیں۔

''مطلب یہ کہ چھٹنکی پورے تین برس چھوٹی ہے مجھ سے یہ خیر سے پیا دیس سدھار رہی ہے۔ مجھ مظلوم پر آپ کو ذرا ترس نہیں آتا۔ بات کریں اپنے بھائی سے۔ زویا اور میری شادی کی تاریخ بھی ساتھ طے کر دیں۔ ایک خرچے میں دو شادیاں نمٹ جائیں گی۔''

''منہ دھو رکھو۔ ابھی زویا کا فورتھ ایئر چل رہا ہے۔ ابھی فائنل ایئر اور ہاؤس جاب کا مرحلہ باقی ہے۔ بچی یکسوئی سے پڑھائی مکمل کر لے پھر شادی کی بات کروں گی۔ ڈاکٹر بننا آسان تھوڑی ہے۔'' امی نے ہری جھنڈی دکھائی۔

''مجھے پہلے ہی پتا تھا بیٹے کی نسبت آپ کو بھتیجی زیادہ عزیز ہے۔''

مبشر ٹھنڈی سانس بھرتا چلا گیا اور کچھ اسی قسم کا قلق تو عبیر کو بھی ستایا تھا۔

بھلے سے وہ ڈاکٹر نہیں بن رہی تھی لیکن کیمسٹری جیسے مضمون میں بی ایس کرنا بھی کوئی خالہ جی کا گھر تھوڑی

تھا۔ پورے چار برس کتنی جان توڑ محنت کی تھی اس نے کب سوچا تھا کہ ایم فل تو درکنار ایم ایس کرنے کی نوبت بھی نہیں آئے گی۔ ماں بہنوں سے دکھڑا روتی تو کفران نعمت نہ کرنے کا مشورہ ملتا۔ کوئی اس کا نقطہ نظر سمجھنے کو تیار ہی نہ تھا۔ تعلیمی سلسلہ مکمل نہ کرنے کا قلق ایک طرف، اتنی اچانک شادی ہونے پر فکر کی اصل وجہ تو یہ تھی کہ وہ گھر داری میں بھی تو طاق نہ تھی۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ امی اور بھابھی کا گھر کے کاموں میں ہاتھ تو ضرور بٹاتی تھی لیکن یہ ہاتھ بٹانا گھر کی صفائی ستھرائی اور کھانے کے بعد برتن دھونے تک محدود تھا۔ کبھی کبھار شام کو آٹا گوندھ دیتی۔ رات کے کھانے کے بعد چائے بنا کر سب کو سرو کرنا بھی اس کی ڈیوٹی تھی۔

اپنی دانست میں وہ مشکل پڑھائی کے ساتھ گھر کے کافی کام نمٹا لیتی تھی اس کی سہیلیاں تو اتنا کام بھی نہیں کرتی تھیں بلکہ پیپرز وغیرہ میں نمرہ اور عاشی کے کھانے کی ٹرے بھی سج کر ان کے کمرے میں جاتی اور جب عبیر انہیں بتاتی کہ وہ پیپرز میں بھی اپنے روٹین کے کام نمٹاتی ہے تو وہ عبیر کے بیان کی صداقت پر شکوک کا اظہار کرتیں وہ پڑھائی میں سب سے آگے تھی۔ بھلا پیپرز کے دوران گھر کی صفائی ستھرائی کا وقت کیسے مل سکتا تھا۔

''امی کے گھٹنوں میں درد رہتا اور بھابھی کچن کے کام نمٹاتی ہیں پھر ظاہر ہے صفائی تو مجھے ہی کرنی پڑے گی نا۔ امی کو ماسیوں کا کیا ہوا کام پسند ہی نہیں آتا۔ اور پھر میں تو ویسے بھی رات کو جاگ کر پڑھتی ہوں جو کام دن میں چار گھنٹوں میں نہیں ہوتا وہ رات کو ایک گھنٹے میں مکمل ہو جاتا ہے۔'' وہ سہیلیوں کو مسکرا کر بتاتی۔

''یہ بڑی سگھڑ بی بی ہے نمرہ۔ تمہارے اور میرے والا حال نہیں ہے ہمیں تو آٹھ، دس کپ چائے بنانی پڑ جائے تو چینی، پتی کے صحیح تناسب کا پتا نہیں چلتا۔'' عائشہ ہنس کر کہتی۔ نمرہ رشک سے عبیر کو دیکھتی اور عبیر کے لبوں پر تفاخر بھری مسکراہٹ پھیل جاتی اب احساس ہو رہا تھا کہ جس سگھڑاپے پر اس کی سہیلیاں رشک کرتی تھیں وہ شادی کے بعد کی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے کتنا ناکافی تھا۔

روٹی اس سے گول نہیں بنتی تھی پراٹھے ضرورت سے زیادہ خستہ بنتے اس دن بھی اس نے ناشتہ بنایا تو مبشر نے دہائی دینا شروع کر دی۔

''خدا کے واسطے عبیر! تمہاری شادی میں ایک مہینہ رہ گیا ہے یہ تجربے اپنے اگلے گھر جا کر کرنا۔ ایسے اکڑے ہوئے پراٹھے کھا کر میرے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگیں گے۔ کل دوپہر تم نے بیف پلاؤ کا حشر نشر کر دیا۔ رات کے کھانے میں پتھر جیسے سخت کوفتے کھانے پڑے اور اب یہ اکڑے ہوئے پراٹھے۔ نہ بابا بخشو ہمیں۔'' مبشر اسے چھیڑ رہا تھا لیکن اس کی موٹی موٹی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ کھانا پکانے میں اپنے اناڑی پن کی ٹینشن کوئی کم تھی جو مبشر نے بھی طعنے دینا شروع کر دیے اور مبشر اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بوکھلا گیا تھا۔

''میرا تمہارا تو ہمیشہ سے ہی چھیڑ چھاڑ کا رشتہ رہا ہے عابی، پھر یہ پل بھر میں نین کٹورے کیوں بھر گئے۔''

''مجھے کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہیں آتا مبشر۔ شادی کے بعد کیا کروں گی آخر؟'' ماں بہنوں کے بعد آج اس نے بھائی کے سامنے بھی جی کا بوجھ ہلکا کیا۔'' مبشر نے پیار سے اس کے آنسو پونچھے۔

''مانا تم ابھی کھانا پکانے میں ایکسپرٹ نہیں ہو لیکن میری بہن کوئی کند ذہن یا کم عقل لڑکی نہیں ہے۔ اس میں بہت جلد سیکھ لینے کی صلاحیت ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کا بخوبی احساس ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم بہت جلد کوکنگ سمیت گھر کے ہر کام میں ایکسپرٹ ہو جاؤ گی۔'' جو دلاسہ آج تک ماں، بہنوں نے نہ دیا تھا وہ بھائی سے ملا تھا۔

''ہے نا مبشر! میں بہت جلد سب کچھ سیکھ لوں گی نا۔''

عبیر نے کچھ ایسی معصومیت بھری امید سے پوچھا کہ مبشر کو بہن پر بے ساختہ پیار آیا۔

''کیوں نہیں تمہیں اپنی صلاحیتوں کا ٹھیک سے اندازہ ہی نہیں۔ اور اگر کھانا وغیرہ ٹھیک سے نہ بنا تو یقین کرو سعد ہرگز کوئی اعتراض نہ کرے گا وہ بڑا شریف سا بندہ ہے۔ جو پکاؤ گی چپ کر کے کھا لے

گا۔'' مبشر نے مسکرا کر کہا اور سعد کے ذکر پر اس کے گال گلابی ہو گئے۔ مبشر کی باتوں سے اس کی پریشانی خاصی کم ہو گئی تھی۔ چند دنوں میں وہ کوکنگ ایکسپرٹ تو بن نہیں سکتی تھی۔ شادی کے بعد آہستہ آہستہ سب سیکھ لے گی اور واقعی کون سا اس کا لمبا چوڑا سسرال تھا۔ نہ ساس نہ نندیں صرف جیٹھ جیٹھانی ہی تو تھے۔ وہ خوامخواہ پریشان ہو رہی تھی۔ سو ساری سوچیں ذہن سے جھٹک کر شادی کی تیاریوں کی طرف دھیان لگا لیا۔

وہ تو عید، تہوار کا سوٹ بھی بڑی ڈیزائننگ کر کے سلواتی تھی یہ تو جہیز کے ملبوسات کی تیاری کا معاملہ تھا۔ باقی خریداری ماں، بہنوں اور بھابھی کے سپرد کر کے کپڑوں کی خریداری کا ذمہ اس نے خود اٹھایا۔ مبشر جو عام دنوں میں بازار لے جانے پر سو سو نخرے کرتا تھا اب بلا چوں چراں ڈرائیوری کے فرائض سرانجام دیتا۔

☆☆☆

بالآخر وہ شام آن پہنچی جب نکاح نامے پر دستخط اور تین بار قبول ہے کہنے کے بعد ایک اجنبی اور پرایا شخص یک دم سب سے زیادہ اپنا بن گیا۔

ماں باپ کے سینے سے لگ کر روتی بلکتی عبیر کو ماں باپ اپنے گھر کی دہلیز پر روکنے کے مجاز نہ تھے۔ یہ ہی دنیا کا دستور ہے بیٹیاں ہرگز بھی بوجھ نہیں ہوتیں یہ تو ان کی جدائی کا جان گسل مرحلہ ہوتا ہے جس کے تصور سے ہی ماں باپ کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں آج امی، ابا اپنی آخری اور لاڈلی بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہوئے تھے۔ آنکھوں کے گوشے گیلے لیکن لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔ عبیر دیکھے بھالے لوگوں میں جا رہی تھی دل وسوسوں میں مبتلا نہ تھا لیکن عبیر کے دل کی حالت صرف وہ ہی جانتی تھی۔

اپنے گھر والوں سے بچھڑنا کوئی آسان کام تھا بھلا اب ابا کو ان کی دوا یاد سے کون کھلایا کرے گا۔ امی کی پنڈلیوں پر روز رات کو سونے سے پہلے مالش کون کرے گا۔ اپنے پیارے بھتیجوں کی وقت بے وقت فرمائش پر نوڈلز اور فرنچ فرائز کون بنا کر دے گا اور مبشر کی وارڈ روب جب اسے خود سیٹ کرنی پڑے گی تو بے چاری وارڈروب کا کیا حشر ہوگا۔ میکے سے سسرال تک کے آدھے گھنٹے کے سفر میں وہ اپنے میکے کے ہر فرد کو یاد کر کے آنسو بہائے جا رہی تھی۔ سائرہ بھابھی اسے بار بار تسلی دلاسہ دے رہی تھیں۔

''محترمہ! اگر آپ اسی رفتار سے روتی رہیں تو گاڑی میں چھوٹا موٹا سیلاب تو ضرور آ جائے گا۔ خود پر اور ہم پر رحم کریں۔ چپ ہو جائیں۔'' جب سائرہ بھابھی کے تسلی دلاسوں نے کام نہ کیا تو سعد کو ہی مداخلت کرنی پڑی تھی اور عبیر کی ہچکیوں کو گویا بریک لگ گیا تھا۔

سسرال پہنچ کر رسموں کے ایک طویل سلسلے کے بعد جب اسے حجلہ عروسی میں پہنچایا گیا تب اس کی پلکوں کی لرزش اور ہاتھوں کی کپکپاہٹ دیکھ کر سعد کے لبوں پر مدہم مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اتنا ٹینس کیوں ہو رہی ہو یار! میں چاہتا ہوں ہمارے درمیان سب سے پہلے دوستی کا رشتہ استوار ہو۔ پلیز ریلیکس ہو جاؤ۔''

''عبیر نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر نگاہیں جھکا لیں۔

☆☆☆

''اتنا خوف ناک نہیں ہوں میں نظر بھر کر دیکھ سکتی ہو۔ گارنٹی ہے اچھا ہی لگوں گا۔'' وہ شوخ ہوا۔ عبیر کی گردن مزید جھک گئی تھی۔ ''اور ہاں یہ تو بتاؤ آج رونے دھونے کا عالمی ریکارڈ کیوں قائم کرنے پر تلی تھیں۔'' وہ پوچھ رہا تھا۔ عبیر خاموش رہی۔

''میں مانتا ہوں ماں باپ کا گھر چھوڑنا کسی بھی لڑکی کے لیے آسان مرحلہ نہیں ہوتا لیکن جب وہ اس بری طرح روتی ہیں تو جو شخص انہیں اپنے ہمراہ رخصت کروا کر لے جا رہا ہوتا ہے وہ عجیب سے احساس جرم میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر جس سے آپ محبت کرتے ہوں اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنے سے مشکل کوئی اور کام نہیں۔'' سعد کے کہنے پر اس نے یکلخت گردن اٹھائی تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں چھپی حیرت بھانپ گیا تھا۔

''سچ کہہ رہا ہوں اتنا حیران مت ہو۔ آج میرے نام سے جڑ کر میرے بیڈروم میں موجود ہو تو

اس کی وجہ محبت ہی ہے۔ سائرہ بھابھی کے ساتھ جب تمہارے گھر جانے لگا تو پتا ہی نہیں چلا کہ کب اور کیسے تم اتنی بے تحاشا اچھی لگنے لگیں۔ محبت تو کر لی لیکن چونکہ بندہ شریف ہوں اس لیے اظہار کے بجائے رشتہ بھیجنا ہی مناسب جانا۔ سوچا تھا اگر ہاں ہوگئی تو شادی کے بعد روبرو بیٹھ کر ہی محبت کی واردات سے جناب کو آگاہ کروں گا۔''

وہ اس کا حنائی ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے وارفتگی سے بولا تھا۔ عبیر کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ ساری گھبراہٹ اور کپکپاہٹ رخصت ہوگئی تھی۔ چند ہی لمحوں میں وہ کتنا اپنا اپنا سے لگنے لگا تھا۔ شرمگیں مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ اپنے شوہر کی زبانی اس کی حکایت دل سے سننے لگی تھی۔

☆☆☆

یہ ایک نئی زندگی کا خوش گوار آغاز تھا۔ سعد کے دل میں اپنے مقام کا پتا چل چکا تھا اب وہ اس کے گھر میں بھی جگہ بنانا چاہتی تھی۔ ویسے کے بعد سائرہ بھابھی نے ہفتہ بھر اسے کسی کام کو ہاتھ نہ لگانے دیا۔

''سعد کے آفس جانے کے بعد میں سارا دن فارغ ہی تو ہوتی ہوں بھابھی مجھے کوئی کام کرنے کا تو موقع دیا کریں۔'' اس نے ان سے اصرار کیا تھا۔ اس بار انہوں نے منع نہیں کیا تھا۔

''ٹھیک ہے بھئی۔ ویسے بھی ہفتہ بھر ہوگیا ہے۔ ہماری مرحومہ ساس نے بھی شادی کے ایک ہفتے بعد مجھ سے میٹھا بنوالیا تھا۔ تم یوں کرو آج زردہ بنالو۔ کچن میں سارا سامان مل جائے گا تمہیں۔ میں سوچ رہی ہوں آج فہد کی شاکرہ ممانی کی عیادت کر آؤں۔ بہت دنوں سے بیمار ہیں۔ پہلے تو شادی کی مصروفیت کا بہانہ تھا۔ کہیں گی شادی نمٹ گئی پھر بھی سائرہ خیریت پوچھنے نہیں آئی سسرالی رشتہ داروں کو نبھانا پڑتا ہے بھئی ورنہ سو باتیں سننے کو ملتی ہیں۔'' سائرہ بھابھی رسانیت بھرے انداز میں مخاطب تھیں اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ تھوڑی دیر میں وہ ٹیکسی بلا کر چلی گئیں تب عبیر نے کچن کا رخ کیا۔

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اُگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1100 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

اس کا خیال تھا شادی کے بعد پہلی بار کھیر بنانے کا موقع ملے گا شادی سے پہلے اس نے اپنے گھر جو چیزیں بطور خاص بنانا سیکھی تھیں ان میں سے ایک کھیر بھی تھی۔ وہ سسرال میں اپنا پہلا تاثر اچھا قائم کرنا چاہتی تھی کیا خبر تھی کھیر کے بجائے زردے سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ بجو کو فون کر کے اس نے ترکیب تو پوچھ لی لیکن اگر سائرہ بھابھی گھر پر ہوتیں تو اسے ان کی بھی کسی قدر رہنمائی تو ملتی۔ ابھی تو کچن میں چیزوں کے صحیح ٹھکانوں کا بھی علم نہ تھا۔ بہر حال کیبنٹس کھنگال کر اس نے مطلوبہ سامان برآمد کر لیا۔ بجو نے زردہ بنانے کے دو طریقے بتائے تھے اسے چاشنی پکا کر زردہ بنانے والا طریقہ نسبتاً آسان لگا سو اسی طریقے سے زردہ بنایا لیکن جانے کیوں چاول اینٹھ گئے تھے۔

''اف خدایا کیا کروں اب۔ مبشر صبح کہتا تھا میرے ہاتھ کی بنی ساری چیزیں اینٹھی ہوئی اور اکڑی ہوئی بنتی ہیں۔'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

سائرہ بھابھی گھر پر موجود نہ تھیں اسے دوپہر کے کھانے کی تیاری بھی خود کرنی تھی۔ ان کے دونوں بچے بھی اسکول سے واپسی پر بھوک لگی ہے کا نعرہ لگاتے گھر میں داخل ہوتے تھے۔ فریزر میں چکن موجود تھا۔ وہ پہلی بار کچھ پکا رہی تھی تو کوئی اچھی سی چیز ہی پکانی چاہیے تھی یہ سوچ کر چکن کڑاہی بنالی۔ شکر ہے سالن مزے کا بنا تھا۔ اگلا مرحلہ روٹی بنانے کا تھا۔ جیسے تیسے وہ مرحلہ بھی سر ہوا۔ سائرہ بھابھی اور بچے آگے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوئے اس وقت تک کھانا تو تیار تھا لیکن کچن کی اور اس کی اپنی حالت ابتر ہو رہی تھی۔

''اف خدایا! یہاں کون سا دنگل لڑ گیا ہے بھئی۔'' سائرہ بھابھی بھی کچن میں آئیں تو بے ساختہ بول اٹھیں۔

''بس بھابھی سمیٹ رہی ہوں سب۔'' عبیر بری طرح سٹ پٹا گئی تھی۔ جلدی جلدی ہاتھ چلا کر اس نے پھیلاوہ سمیٹنا شروع کر دیا۔

''کل کا آلو قیمہ رکھا تھا فریج میں تم نے خوامخواہ تردد کیا۔ میں شام کو خود بنا لیتی کھانا۔'' سائرہ بھابھی نے کڑاہی کا ڈھکن اٹھا کر چکن کڑاہی کا جائزہ لینے کے بعد کہا تھا۔ عبیر جواباً خاموش رہی تھی۔

''اچھا چھوڑو یہ سب کچن میں سمیٹ لوں گی تم فریش ہو جاؤ۔'' انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

''آپ چلیں بھابھی میں بس کچن سمیٹ کر آتی ہوں پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں۔'' اس نے کہا تو وہ سر ہلاتی پلٹ گئی تھیں۔

''چاچی! مزہ آ گیا۔ بہت مزے کا کھانا بنایا ہے آپ نے۔'' کھانے کی میز پر دس سالہ اریج نے بے ساختہ تعریف کر کے عبیر کا جی خوش کر دیا تھا۔ اریج سے چھوٹے ریان نے بھی بہن کی ہاں میں ہاں ملائی تھی ابھی عبیر بچوں کی تعریف پر جی بھر کر خوش بھی نہ ہوئی تھی کہ سائرہ بھابھی نے زردے کی شان میں قصیدہ پڑھا تھا۔

''زردے کے چاول بہت سخت ہو گئے ہیں اور تم نے پتیلا بھر کر زردہ بنالیا کیا بنے گا اتنے سارے زردے کا۔''

''وہ بھابھی! میرا خیال تھا آس پڑوس اور جان پہچان کے چند گھروں میں بھی میٹھا بھجوا دیں گے۔'' وہ منمنا کر بولی۔ سائرہ بھابھی کے چہرے پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ پھیلی تھی گویا کہنا چاہ رہی ہوں کہ کیا یہ زردہ اس قابل ہے کہ کہیں بھجوایا جائے؟

ان کے انداز پر عبیر کا سارا اعتماد اور اطمینان پل بھر میں رخصت ہوا تھا۔

''ویسے تم خوش قسمت ہو عبیر تمہارے سسرال میں کوئی باتیں بنانے والا یا تنقید کرنے والا نہیں۔'' سائرہ بھابھی کے کہنے پر عبیر جی ہی جی میں حیران ہوئی۔ کیا جو باتیں سائرہ بھابھی کر رہی تھیں۔ وہ تنقید کے زمرے میں نہیں آتی تھیں۔

''ہماری مائرہ جب بیاہ کر تمہارے گھر آئی تو دس پندرہ دن بعد تمہاری امی نے میٹھے میں اس سے کھیر بنوائی اور ساتھ ہی خاندان بھر کی دعوت بھی کر ڈالی اب مائرہ ہمارے گھر میں سب سے چھوٹی تھی اسے تو چائے بنانے یا انڈا فرائی کرنے کے سوا کوئی تیسرا کام نہیں آتا تھا۔ تمہاری اپیا اور بجو سے پوچھ پوچھ کر کھیر بنا تو لی لیکن تھوڑی بہت کھیر پیندے سے

لگ گئی اب نہ پوچھو تمہارے خاندان والوں نے کیا کیا باتیں بنائیں خصوصاً تمہاری بڑی مامی اور تمہاری شائستہ پھوپھو نے ہنسی مذاق میں کیا کچھ نہ کہہ سنایا یہ تک نہ سوچا کہ نئی دلہن کے دل پر کیا گزرے گی۔''

سائرہ بھابھی اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھیں یہ سوچے بنا کہ عبیر بھی ایک نئی نویلی دلہن ہے اور ان کی اس قسم کی باتوں سے اس کے پر بھی کچھ نہ کچھ تو گزر رہی ہوگی اسے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ یہ تو صرف شروعات تھی اور اسے آئندہ آنے والے دنوں میں اس طرح کی بہت سی باتیں سننا پڑیں گی۔ سائرہ بھابھی کی زیادہ تر باتیں اس کے اور مائرہ بھابھی کے تقابلی موازنے پر مشتمل ہوتی تھیں۔

مائرہ بھابھی بے شک اس کی بڑی بھابھی کے رتبے پر فائز تھیں لیکن ان کے ساتھ ماضی میں جو کچھ بھی بیتا تھا کم از کم اس میں عبیر کا کوئی دوش نہ تھا۔ جب مدثر بھیا اور مائرہ بھابھی کی شادی ہوئی تو عبیر میٹرک کی سٹوڈنٹ تھی اسے یاد تھا کہ اس نے بڑے بھائی کی شادی کے لیے خوب زرق برق ملبوسات سلوائے تھے اور شادی کے ہر فنکشن میں بہت جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا۔ گانے گا گا کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا۔ سہیلیوں کے ساتھ مل کر خوب ڈھول بھی پیٹا تھا لیکن جب مائرہ بھابھی دلہن بن کر ان کے گھر آ گئیں اور شادی کے ہنگامے سرد پڑ گئے تو وہ پھر سے اپنی کتابوں میں گم ہو گئی۔ بورڈ کے امتحانات سر پر تھے اور شادی کی وجہ سے پڑھائی کا پہلے ہی بہت حرج ہو گیا تھا۔

اب مائرہ بھابھی کو شادی کے اولین دنوں میں جس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا عبیر کو اس کا کیسے علم ہو سکتا تھا۔ بیتے برسوں کی باتیں دوہرانے کا فریضہ اب سائرہ بھابھی سرانجام دے رہی تھیں۔

☆☆☆

اس روز سعد کا آفس سے آف تھا۔ وہ دونوں صبح دیر سے سو کر اٹھے۔ سعد ناشتے کے بعد کسی دوست سے ملنے چلا گیا تھا۔ وہ اپنے اور سعد کے ناشتے کے برتن دھو رہی تھی جب سائرہ بھابھی کچن میں داخل ہوئیں۔

''خوش قسمت ہو بھئی۔ اتنی دیر تک سونے کی آزادی صرف اس گھر میں ہی میسر ہے۔'' سائرہ بھابھی نے بات کی تمہید باندھی ایسی بات کا آغاز وہ اس کی خوش قسمتی سے ہی کرتی تھیں۔

عبیر کا دل زور سے دھڑکا جانے آج دن کے آغاز میں ہی کیا سننے کو ملے گا۔''

''اسکول، کالج کے دنوں کی بات اور تھی۔ اس کے بعد کے عرصے میں مائرہ کبھی دس بجے سے پہلے بستر نہ چھوڑتی تھی اور شادی کے بعد بے چاری کو کبھی سات بجے کے بعد بستر پر لیٹنے کا موقع نہیں ملا۔ دو چار مہینے بعد جب حیدرآباد (میکے) جاتی تھی تب سارا سارا دن سو کر نیند پوری کرتی تھی۔ خیر پھر امی، ابو کے بعد تو میکے میں بھی وہ بات نہ رہی۔ بھابھیوں کے راج کے بعد بیاہی بیٹی کب اتنی آزادی سے میکے جا کر رہ سکتی ہے۔'' سائرہ بھابھی کے لہجے میں تاسف در آیا تھا۔ عبیر آگے سے کیا بولتی خاموش ہی رہی۔

''ویسے یہ دستور تمہارے گھر میں ہی دیکھا ہے۔ بیٹیاں دن چڑھے تک سوتی رہیں اور بہو مرغ کی پہلی بانگ کے ساتھ بستر چھوڑ دے۔'' سائرہ بھابھی نے مبالغہ آرائی کی حد کر دی تھی۔ عبیر نے بہت مشکل سے ضبط کیا۔

بجو اور اپیا کی شادی مدثر بھائی کی شادی سے پہلے ہو چکی تھی۔ جب مائرہ بھابھی بیاہ کر گھر آئیں تو صرف عبیر ہی گھر کی بن بیاہی بیٹی تھی۔ وہ جب بمشکل سولہ سال کی تھی۔ ماں کی ہدایت پر پھر بھی گھر کے چھوٹے موٹے کام نمٹاتی تھی۔ گھٹنوں کے درد کے باوجود امی بھی گھر کے کاموں میں بھرپور حصہ لیتی تھیں۔ مائرہ بھابھی پر ہرگز بھی کاموں کا اتنا بوجھ نہ تھا لیکن اگر وہ اپنے گھر کی چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھیں اور انہیں کام کی بالکل عادت ہی نہ تھی تو پھر یقیناً انہیں چھوٹی موٹی ذمہ داریاں بھی بہت بڑی لگتی ہوں گی۔

عبیر کو اس بات کا احساس سائرہ بھابھی کی باتوں سے ہوتا تھا ورنہ مائرہ بھی نے اپنے قول و فعل سے یہ کبھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ انہیں سسرال میں

ایڈجسٹ ہونے میں کوئی دشواری ہوئی ہے ان کے گھر میں ہمیشہ دامن و محبت کی فضا برقرار رہی تھی اور عبیر فراخدلی سے اس کا کریڈیٹ مائرہ بھابھی کو دیتی تھی لیکن اب ان کی بڑی بہن کی باتوں کی وجہ سے وہ مائرہ بھابھی سے بھی بدگمان ہوتی جارہی تھی۔ جانے انہوں نے اپنے گھر والوں کو خود پر بیتے ظلم و ستم کی کیا جھوٹی سچی داستانیں سنائی ہوئی تھیں جو اتنے برس گزرنے کے بعد بھی سائرہ بھابھی ان باتوں کے حوالے سے عبیر کو شرمندہ کرنے کی اپنی سی کوشش کرتی رہتی تھیں۔

عبیر کی طبیعت میں مروت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا وہ کبھی سائرہ بھابھی کو پلٹ کر جواب نہ دے سکی۔ بحث کا مواد اس کے پاس بھی کم نہ تھا۔ وہ سائرہ بھابھی سے کہنا چاہتی تو کہہ سکتی تھی کہ مائرہ بھابھی کو سسرال میں سحر خیزی اپنانی پڑی تو وجہ سسرال کا جبر نہیں بلکہ ان کے شوہر کا مزاج و عادات ہی ایسی تھیں۔ مدثر بھیا واقعی بہت سویرے اٹھتے تھے۔

نماز کے بعد مارننگ واک ان کا معمول تھی اس کے فوراً بعد انہیں ناشتہ چاہیے ہوتا تھا۔ شادی سے پہلے یہ ڈیوٹی امی کی تھی تو ظاہر ہے شادی کے بعد یہ ذمہ داری مائرہ بھابھی کو ہی نبھانی تھی۔

عبیر اگر رات کو دیر تک جاگ کر پڑھنے کی وجہ سے صبح نسبتاً دیر سے اٹھتی تھی تو اس کا موازنہ مائرہ بھابھی سے کرنا جائز نہ تھا پھر خود سائرہ بھابھی یہ اعتراف کر چکی تھیں کہ مائرہ میکے میں بہت دیر سے سو کر اٹھتی تھی حالانکہ ان کی تو زمانہ طالب علمی گزارنے کے بھی خاصے عرصے بعد شادی ہوئی تھی۔ عبیر کی تو پڑھائی کے دوران ہی شادی ہوگئی تھی پھر بھی جانے کیوں۔ سائرہ بھابھی ان دونوں کا تقابلی موازنہ کرتی رہتی تھیں۔ کبھی کبھار عبیر کو گمان ہوتا یہ وٹے سٹے کی شادی ہے اسے ہر بات کا طعنہ تو ایسے ہی ملتا تھا۔

''تم خوش قسمت ہو بھئی! جو سعد تمہارے ہاتھ کی یہ کچی پکی اور جلی ہوئی روٹیاں ہنسی خوشی کھالیتا ہے ایک ہماری مائرہ تھی مدثر نے تمہاری امی سے صاف کہہ دیا تھا کہ مائرہ بھلے سے گھر بھر کی روٹیاں بنالے اس کی روٹی تمہاری امی ہی بنائیں گی۔ بے چاری مائرہ کو اتنی سبکی کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر جب میکے گئی ا ہفتہ دس دن روٹیاں پکانے کی پریکٹس ہی کرتی رہی پھر کہیں جا کر روٹیاں پکانے میں ایکسپرٹ ہوئی۔''

سائرہ بھابھی نے آج پھر بہت پرانی بات کا حوالہ دیا تھا۔

عبیر پلٹ کر کہہ نہیں پائی کہ آپ بھی تو فہد بھائی کی دو روٹیاں خود ڈالتی ہیں اور جب میں باقی سب کی روٹیاں بنا کر آپ کے لیے جگہ چھوڑتی ہوں تو مجھے بھی ایسی ہی خفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن پلکیں جھپک کر آنسو روکنے کے سوا وہ آج بھی کچھ نہ کہہ پائی تھی۔

سعد بلاشبہ بہت محبت کرنے والا شوہر ثابت ہوا تھا لیکن وہ سائرہ بھابھی کی باتیں اسے بھی نہ بتاتی تھی سعد کیا سوچتا کہ وہ بھی عام سی لڑکی ہے جو سسرالی رشتہ داروں سے بنا کر رکھنے کے بجائے ان کے خلاف شوہر کے کان بھرتی ہے لیکن اب سائرہ بھابھی کی باتیں برداشت سے باہر ہوتی جارہی تھیں۔ اس روز وہ بہت دن بعد میکے جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔

''رات کے کھانے سے پہلے آجانا۔ مائرہ بے چاری کی ایسی کنڈیشن کہاں کہ وہ دعوتی کھانے کا اہتمام کرے۔ تم تینوں بہنیں خیر سے اسی شہر میں بیاہی ہو دس پندرہ دن بعد کسی نہ کسی کا چکر لگتا رہتا ہے مائرہ بے چاری خاطر داری میں ہی الجھی رہتی ہے۔ اس حالت میں اسے زیادہ سے زیادہ آرام کرنا چاہیے۔'' سائرہ بھابھی کہہ رہی تھیں۔ عبیر کو جی ہی جی میں رونا آگیا یعنی اب اسے میکے جانے کے لیے بھی سائرہ بھابھی کی اجازت درکار تھی۔

مائرہ بھابھی امید سے تھیں۔ اس حالت میں امی خود ان کا خاصا خیال رکھتی تھیں لیکن سائرہ بھابھی ہمیشہ یوں ظاہر کرتی تھیں کہ ان کی بہن پر کاموں کا بہت بوجھ ہے۔ آج بھی ان کی باتوں کی وجہ سے میکے جانے کی ساری خوشی غارت ہوگئی۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میکے میں گزار کر اس نے سعد کو واپسی کا سگنل دے دیا۔ سعد، مبشر سے گپیں لگا رہا تھا وہ بھی

واپسی کا سن کر تھوڑا حیران ہوا۔

''ارے اتنے دن بعد چکر لگایا ہے ابھی سے جانے کی کیا جلدی پڑ گئی۔ بیٹھو آرام سے کھانا کھا کر جانا۔'' امی نے خفگی سے ٹوکا۔

''ہاں عبیر کھانا کھائے بغیر تو ہم تمہیں ہرگز نہ جانے دیں گے۔'' میں نے فریزر سے چکن نکال لیا ہے۔ چکن کڑاہی بنانے کا ارادہ ہے کچھ اور کھانے کا موڈ ہے تو وہ بتا دو۔''

''نہیں بھابھی کچھ موڈ نہیں ہے۔ کھانا ہم گھر جا کر کھائیں گے۔'' اس نے پھر رسانیت بھرے لہجے میں انکار کیا تھا۔

''پھر وہ ہی رٹ، سعد یار! کیا تم سکھا کر لاتے ہو کہ کھانے کا انکار کر دینا۔ یار کہیں تم آفٹر آل والے داماد بننے کی کوشش تو نہیں کر رہے۔ مبشر نے سعد کو مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

قسم لے لو میرے بھائی میں کچھ سکھا پڑھا کر نہیں لاتا بلکہ میں تو عبیر کو کہتا ہوں کہ اگر دو چار دن یہاں رکنا بھی چاہے تو شوق سے رکے۔ یہ ہامی ہی نہیں بھرتی۔'' سعد نے فوراً اپنی جانب سے صفائی پیش کی تھی۔

''وہ دراصل آج ہمارا باہر ڈنر کا موڈ تھا۔'' عبیر نے سعد کی نگاہوں میں دیکھے بغیر پھر بودا سا بہانہ بنایا تھا۔ صد شکر کہ سعد نے حیران ہونے کے باوجود اس کی بات کی مخالفت نہیں کی تھی۔

''تو ٹھیک ہے آج کا ڈنر میری طرف سے میں ابھی عبیر کی فیورٹ ڈشز آرڈر کر دیتا ہوں۔ ڈنر ہم گھر پر ہی کریں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم ایک دو دن کے لیے یہیں رکو گی۔ کیوں سعد ٹھیک ہے نا یار لگے ہاتھوں تمہارے بیان کی صداقت بھی جانچ لیں دو دن کے لیے عبیر کو یہاں روک لیں تمہیں اعتراض نہیں۔'' مبشر نے فوری پروگرام ترتیب دیتے ہوئے سعد کی رائے چاہی۔

''ہرگز نہیں۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ عبیر جب تک چاہے رہ سکتی ہے۔'' سعد مسکرا کر بولا تھا۔ عبیر بھی اس بار کوئی نقطہ اعتراض بلند نہ کر پائی۔ سچ یہ ہی تھا کہ وہ ذہنی طور پر خاصی الجھی ہوئی تھی۔ شاید میکے میں ایک دو دن گزار کر ذہن پر دھرا بوجھ کم ہو جاتا۔

کھانے کے بعد سعد واپس چلا گیا تھا۔ عبیر نے کھانے کے برتن سمیٹے اور مائرہ بھابھی کے لاکھ منع کرنے کے باوجود برتن بھی دھوئے تھے۔ امی، ابا کی چائے بنا کر انہیں دے آئی۔ امی کی دیر تک ٹانگیں دباتی رہی۔ امی دعائیں دیتی دیتی نیند کی وادی میں کھو گئیں تو وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ یہ کمرہ اب اس کے دونوں بھتیجوں کو مل گیا تھا لیکن آج وہ اپنے مما بابا کے پاس ہی سو رہے تھے۔ عبیر نے کمرے میں بکھرے ان کے کھلونے سمیٹے۔ اسٹوری بک ریک میں رکھیں۔ اتنے میں ہی دروازے پر دستک دے کر مبشر چلا آیا۔ اس کے ہاتھ میں کافی کے دو مگ تھے۔

''کافی کا موڈ تھا تو مجھ سے کہہ دیتے۔'' عبیر نے بھائی کو محبت سے مسکرا کر دیکھا۔

''تم سے صرف یہ کہنا ہے کہ فٹافٹ یہ کافی پیو اور جھوٹ پٹ بتاؤ کہ مسئلہ کیا ہے کیوں اتنی الجھی الجھی اور پریشان ہو۔''

''وہم ہے تمہارا ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ پھیکی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولی۔

''دیکھو لڑکی! جھوٹ نہیں چلے گا۔ میں نے آج تمہیں روکا ہی اس مقصد کے لیے ہے کہ تم سے تمہارا مسئلہ پوچھوں کیونکہ کم از کم میں سوچ کے گھوڑے دوڑا دوڑ کر تھک چکا ہوں۔ سعد بہت اچھا بندہ ہے تم دونوں کے درمیان محبت بھرا رشتہ استوار ہے۔ اس کا ثبوت وہ نگاہیں ہیں جن سے تم ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہو۔ ساس، نندوں کا ٹنٹا تمہارے سسرال میں نہیں پھر آخر کیا پریشانی ہے جو تمہیں کھل کر خوش نہیں ہونے دے رہی۔''

مبشر پوچھ رہا تھا اور وہ بس بھائی کو دیکھ کر رہ گئی۔ وہ ہمیشہ سے ہی اس کا چہرہ شناس تھا اس کے سارے چھوٹے بڑے مسئلے بنا کہے جان بھی جاتا اور انہیں سلجھا کر دم لیتا لیکن اسے گمان بھی نہ تھا کہ وہ آج بھی اس کی نادیدہ پریشانی کو کھوج لے گا۔ بھائی کی محبت پر اس کی آنکھیں بے ساختہ ڈبڈبا گئیں۔ اب

مبشر کو مزید ٹالنا کسی طور پر ممکن نہ تھا۔

اس نے اسے سب کچھ کہہ سنایا سائرہ بھابھی کی فطرت، کس طرح وہ ہر گھڑی اس پر طنز کے تیر چلاتی ہیں۔ چالاک اتنی کہ سب کے سامنے بہت محبت سے بات کرتی ہیں۔ گھر داری میں عبیر کی ناتجربہ کاری کو بھانپ کر وہ کوشش کرتی ہیں کہ کسی ایسے مرحلے پر جب عبیر کو ان کی رہنمائی درکار ہو تو وہ سرے سے منظر سے ہی غائب ہو جائیں۔ پھر ہر گھڑی اسے اس کے میکے کے حوالے سے جتلانا کہ مائرہ بھابھی نے یہاں کس مشکل سے ایڈجسٹ کیا ہے۔ عبیر نے مبشر کو سب کچھ کہہ سنایا تھا۔ وہ بالکل خاموشی سے اس کی ساری بات سنتا رہا۔ جب وہ چپ ہوئی تو مبشر نے گہرا سانس اندر کھینچا۔

''تو یہ تھی بات لڑکی! میں تو جانے کیا سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا اسے کہتے ہیں کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔

''کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔'' عبیر نے آنکھیں پھاڑ کر اسے گھورا۔

''ہاں نکلا تو چوہا ہی ہے بس ذرا بڑے سائز کا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ عبیر نے اسے خفگی بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''اچھا یوں ناراض مت ہو۔ ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو ہوتا ہی ہے نا۔ اس مسئلے کا بھی حل نکال لیتے ہیں۔'' وہ اب چھوٹی بہن کو تسلی دے رہا تھا۔

''میرے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ میں دوہری اذیت کا شکار ہوں اپنی ماں تک سے اپنے دل کی بات شیئر نہیں کر سکتی کہ کہیں وہ مائرہ بھابھی کو قصوروار جان کر ان سے بدگمان ہوں۔ میں ہرگز نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے میرے میکے کا ماحول خراب ہو۔ شوہر کے سامنے اس لیے کہہ نہیں سکتی کہ وہ مجھے روایتی سوچ رکھنے والی عورت سمجھیں گے جو بلاوجہ سسرال والوں کے دکھڑے روتی ہے۔ کیونکہ سعد کے سامنے تو سائرہ بھابھی میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتی ہیں۔ اگر سعد یہ اعتراف نہ کر چکے ہوتے کہ انہوں نے مجھے پسند کر کے میرا رشتہ بھیجا تھا تو میں تو یہ ہی سمجھتی کہ سائرہ بھابھی نے یہ شادی اس لیے کروائی ہے کہ وہ مائرہ بھابھی پر ہونے والی زیادتیوں کا مجھ سے بدلہ لے سکیں۔'' عبیر سوں سوں کرتے ہوئے بولی۔

''اب تم ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو رہی ہو عبیر لڑکیوں کو بہت ٹیڑھے سسرالوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ انہیں بہت ظلم و ستم سہنا پڑتا ہے۔ اتنی معمولی باتوں کو ہوا بنا کر بلاوجہ کی ٹینشن مت لو۔''

''یہ معمولی باتیں ہیں۔'' عبیر دکھ سے بولی۔

''دیکھو بہنا! تم جیسے لوگ جو زندگی کے ہر معاملے میں فیئر ہوتے ہیں اور انہوں نے زندگی کے کسی مرحلے پر نہ تو کسی کے ساتھ برا کیا ہوتا نہ کسی کا برا سوچا ہوتا ہے انہیں کسی کا ناروا سلوک سہنا پڑے تو یہ ان کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے لیکن اگر ٹھنڈے دل سے سوچو تو یہ اس قدر بڑا مسئلہ نہیں۔ سعد محبت کرنے والا شوہر ہے۔ سسرال میں مالی آسودگی ہے۔ فہد بھائی بھی تم سے شفقت بھرا برتاؤ کرتے ہیں۔ صرف ایک سائرہ بھابھی کی باتوں کو لے کر اتنا ٹینس کیوں ہوتی ہو۔ ٹھیک ہے تم انہیں جواب نہیں دیتیں ان سے بحث نہیں کرتی۔ یہ تمہاری مروت بھری طبیعت بھی ہے اور تربیت بھی۔ تم ان کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال کیوں نہیں دیتیں۔''

''کیونکہ میرے دنوں کانوں کے بیچ میں دماغ بھی ہے۔ اتنا آسان نہیں ہوتا ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینا۔'' مبشر کے نزدیک اس کا مسئلہ مسئلہ ہی نہیں تھا عبیر ٹھیک ٹھاک خفا ہو گئی۔ اس کے پھولے ہوئے منہ کو دیکھ کر مبشر کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا مبشر کہ مائرہ بھابھی کو ہم گھر والوں سے اتنی شکایتیں ہوں گی۔ ہمارے سامنے وہ کتنی اچھی بنی رہتی ہیں۔ امی ابا کا ادب کرتی ہیں۔ ہم بہنوں سے بھی محبت، مروت اور لحاظ والا رشتہ ہے لیکن وہ اس قدر دوغلی ہوں گی مجھے کبھی پتا ہی نہ چلا۔ وہ بھاوج سے بھی شدید بدگمان ہو رہی تھی۔

''مائرہ بھابھی سے بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں عبیر۔ ضروری تو نہیں وہ اپنی بڑی بہن کے رویے کی

ذمہ دار ہوں۔ دیکھو یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ شادی کے بعد مائرہ بھابھی کو یہاں ایڈجسٹ ہونے میں واقعی مشکل ہوئی ہو۔ وہ اپنے گھر کی چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھیں۔ کام کاج میں قطعی اناڑی اور یہاں بڑی بہو کے رتبے پر فائز ہوگئیں۔ انہیں اپنی نئی ذمہ داریوں کے ساتھ ایڈجسٹ ہونے میں کچھ مشکل تو پیش آئی ہوگی نا اپنی مشکلات کا ذکر وہ ظاہر ہے اپنی ماں بہنوں سے کرتی ہوں گی۔ اب یہ انسانی فطرت ہے کہ جو شخص آپ کو جتنا عزیز ہوتا ہے اس کی مشکلات آپ کو بہت پریشان کردیتی ہیں۔ مائرہ بھابھی کو تو شاید بیتے برسوں کی باتیں یاد بھی نہ ہوں اور تمہاری سائرہ بھابھی کو تمہاری مشکل دیکھ کر بہن کا ماضی جزئیات سمیت یاد آجاتا ہو۔

اب دیکھو ہوسکتا ہے تمہاری جیٹھانی سے تمہارے تعلقات آگے چل کر مثالی ہوجائیں لیکن مجھے یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ ان خاتون کی وجہ سے میری بہن اپنی شادی کے ابتدائی دنوں میں کتنی پریشان رہی تھی۔ میں سائرہ بھابھی سے سامنا ہونے پر انہیں ادب سے سلام کرلوں گا لیکن وہ ہمیشہ کے لیے میرے ناپسندیدہ افراد کی فہرست میں شامل ہوجائیں گی۔ تم ان کے رویے کو بھی اسی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرو ناں یار۔'' مبشر اسے سمجھا رہا تھا۔

''میں بھی مائرہ بھابھی کی طرح گھر داری میں اناڑی ہوں مبشر لیکن میں نے تو کبھی گھر آکر کوئی دکھڑا نہیں رویا کیونکہ مجھے شادی کے اول روز سے ہی احساس ہے کہ شادی کی بعد کی زندگی کے تقاضے کیا ہیں اور نئی ذمہ داریوں سے کیسے نبرد آزما ہونا ہے۔ میں ان ذمہ داریوں کو بوجھ نہیں سمجھتی کیونکہ جہاں شادی کے بعد ذمہ داریوں کا طوق گلے میں پڑتا ہے وہاں اس بندھن میں ایک حسن اور رعنائی بھی تو ہوتی ہے۔

محبت کرنے والا جیون ساتھی بھی تو اللہ کی نعمت ہے۔ مدثر بھیا، بھابھی کو کتنا چاہتے ہیں ان کے گھر والوں کو اس بات کا تو احساس ہونا چاہیے چلو مان لیا ہم سسرال والے بہت برے تھے۔'' عبیر حد درجہ آزردہ تھی اس کی کوئی بات غلط نہ تھی لیکن اس وقت اس کی ہاں میں ہاں ملانا مبشر کو مناسب نہ لگا۔

''یار دیکھو، بے چاری مائرہ بھابھی کے والدین اللہ کو پیارے ہوچکے۔ ماں باپ کے بعد لڑکیاں کتنا زود رنج اور حساس ہوجاتی ہیں، کم از کم ان بہنوں کو اس بات کا ہی مارجن دے دو۔'' مبشر کے کہنے پر وہ چپ ہوگئی۔

''مائرہ بھابھی، ہماری بھابھی ہیں یار اور بقول تمہارے انہوں نے ہمیشہ ہم سے محبت اور مروت کا رشتہ رکھا ہے۔ ان کے اس روپ کو ہی اصل جانو زیادہ بار یکیوں میں مت پڑو اور جہاں تک تمہاری جیٹھانی صاحبہ کا تعلق ہے تو یقین رکھو ایک نہ ایک دن انہیں اپنے رویے کی بدسلوکی کا احساس ہوجائے گا وہ فلموں، ڈراموں والی ولن تو ہیں نہیں عام انسان ہی ہیں نا۔ ہمارے ڈراموں میں کیسی سازشی خواتین ہوتی ہیں شکر کرو ویسی کسی خاتون سے پالا نہیں پڑا۔ تم اپنے حسن سلوک سے ان کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کرو انہیں اخلاق کی مار مارو۔'' مبشر سمجھا رہا تھا اور وہ بھائی سے یہ نہ کہہ پائی کہ یہ سب کتابی باتیں ہیں۔ حسن سلوک سے دل میں جگہ بنانا اور اخلاق کی مار سے کسی کو زیر کرنا اتنا آسان ہوتا تو ہر کوئی یہی نسخہ نہ اپنا لیتا لیکن مبشر کے سامنے دل کا حال سنانے کے بعد جی کا بوجھ کافی ہلکا ہوگیا تھا۔ اس لیے مزید بحث میں پڑنے کے بجائے اس نے اس کی باتوں کے جواب میں سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

☆☆☆

عید قربان کی آمد، آمد تھی۔ سعد نے عبیر اور اپنے نام کی قربانی کی غرض سے بڑے جانور میں دو حصے لیے تھے۔ اجمل اس کا دوست تھا قریب ہی رہتا تھا۔ پانچ حصے ان لوگوں کے تھے قربانی بھی ان ہی کے گھر ہونا قرار پائی تھی۔ فہد بھائی نے عید کے پہلے روز قربانی کے بجائے عید کے دوسرے دن ایک بکرے اور ایک دنبے کی قربانی کرنا تھی۔ عبیر کو اندازہ تھا کہ عید کے پہلے روز اسے گوشت کے ڈھیر سے خود ہی نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ سائرہ بھابھی سے کسی قسم کے تعاون کی امید نہ تھی۔

عبیر اس معاملے میں اناڑی ضرور تھی لیکن عید سے پہلے اس نے اپنا ہوم ورک مکمل کرلیا تھا۔ کچھ مدد

نیٹ سے ملی۔ ابیا اور بجو کو فون کر کے ان سے بھی رہنمائی لی۔

''تم کیوں فکر کرتی ہو۔ تمہاری جیٹھانی تجربہ کار ہیں وہ ہر سال قربانی کرتی تو ہیں۔ اس بار ان کی ہیلپ کروا دینا ساتھ ساتھ کام سیکھ لینا۔ اگلے برس خود ہی تجربہ ہو گیا ہو گا۔'' ابیا کی بات پر اس نے فقط جی ابیا کہنے پر اکتفا کیا۔ مبشر کے علاوہ اس نے اپنے گھر کے کسی فرد کے سامنے سائرہ بھابھی کے مزاج کا رونا نہ رویا تھا۔ عید والے دن وہ بہت دل لگا کر تیار ہوئی۔ سعد نماز پڑھ کر گھر لوٹا تو محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے عید مبارک کہا۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو تفصیلی تعریف ادھار رہی۔ قصائی انتظار کر رہا ہے۔ میرا ٹراؤزر شرٹ نکال دو۔''

اس نے سعد کو کپڑے نکال کر دیے۔ گھر والوں کو فون کر کے عید کی مبارک دی۔ پھر خود بھی کپڑے بدل کر سادہ سا سوٹ پہن لیا۔ ان کا بیل تگڑا تھا۔ دو حصوں کا بھی اتنا ہیر سارا گوشت ہو گیا کہ عبیر جی ہی جی میں پریشان ہو گئی۔

''ماشاء اللہ اچھا جانور تھا۔ خوب تگڑا لیکن اتنے گوشت کی پھر بھی توقع نہ تھی۔ سعد خوش ہو رہا تھا۔

''ہائے اللہ کاش جانور اتنا تگڑا نہ ہی ہوتا۔'' اس نے بے ساختہ سوچا تھا لیکن پھر دل ہی دل میں خود کو ڈپٹ بھی ڈالا۔

''سائرہ بھابھی کہاں ہیں یار، تم ان کے ساتھ مل کر گوشت کے پیکٹ وغیرہ بنواؤ۔ میں ذرا صادق کے ہاں جا رہا ہوں۔ ان کا قصائی جانور ذبح کرنے کے بعد صرف کھال اتار کر کہیں رفو چکر ہو گیا ہے۔ وہ بے چارے دونوں بھائی ہلکان ہو رہے ہیں۔ میں ذرا جا کر ان کی مدد کروا دوں۔'' سعد کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ وہ اب ایک اور دوست کے گھر جانے کا ارادہ باندھ رہا تھا۔

''آپ تو پروفیشنل قصائی ہیں نا۔ صادق کے بعد یاسر اور اجمل کا گوشت بھی بنوا آیئے گا۔'' وہ کچھ خفگی سے بولی۔

''ارے واہ تمہیں تو میرے دوستوں کے نام بھی یاد ہو گئے۔ زبردست بھئی۔'' وہ ہنستا ہوا واپس پلٹ گیا۔ عبیر نے گوشت کے ڈھیر سے نبرد آزما ہونے کے لیے کمر کس لی۔ فہد بھائی عید کی نماز پڑھ کر سو گئے تھے۔ سائرہ بھابھی نے فقط کلیجی پکانے کا فریضہ سرانجام دیا۔ عبیر کو ان کا یہ احسان بھی بہت لگا تھا۔

''بھئی ذرا احتیاط سے کام کرنا۔ ابھی اناڑی ہو تم کہیں ہاتھ واتھ پر کٹ مت لگوا لینا۔'' وہ نسبتاً بڑی بوٹیوں کو چھوٹے سائز میں کاٹ رہی تھی جب سائرہ بھابھی نے مفت مشورے سے نوازا۔

''احتیاط سے ہی کر رہی ہوں بھابھی آگے اللہ مالک ہے۔'' اس نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''بڑے جانور میں یہ ہی مسئلہ ہوتا ہے۔ ہڈیاں، چربی، گوشت کا ڈھیر سب کو برابر حصوں میں بانٹو۔ دنبہ یا بکرے کا گوشت سمیٹنا پھر بھی آسان ہوتا ہے۔ میں تو اسی لیے بکرے کی قربانی کو ترجیح دیتی ہوں۔''

''بس بھابھی اللہ کا شکر ہے اس مہنگائی کے دور میں اس نے قربانی کی توفیق تو دی۔ اللہ ہماری قربانیاں قبول فرمائے۔'' وہ رسانیت سے بولی۔

''ہاں صحیح کہہ رہی ہو۔'' سائرہ بھابھی نے اتفاق کیا تھا۔ عبیر نے گوشت پہلے تو تین برابر حصوں میں تقسیم کیا پھر اپنے حصے میں سے بھی اچھا خاصا گوشت غریبوں والے حصے میں شامل کر دیا جب سعد گھر لوٹا تو عبیر رشتہ داروں اور غریبوں والے گوشت کے پیکٹ بنا چکی تھی اور اب اپنے حصے میں سے قیمے کا گوشت الگ کر رہی تھی۔

''ارے تم ابھی تک گوشت میں ہی لگی ہو۔'' وہ حیران ہوا تھا۔

''بس سمٹ گیا کام، شکر ہے۔''

''سائرہ بھابھی کہاں ہیں؟''

''مما تو کمرے میں ہیں چاچو۔'' پاس سے گزرتی اریج نے بتایا تھا۔

''ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' اس نے اریج اور عبیر دونوں سے پوچھا۔

''جی چاچو! مما کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے کہہ رہی ہیں آج بہت گرمی ہے اے سی سے نکلنا آسان

نہیں لگ رہا۔ ہمیں بھی صبح سے کمرے میں بند کر رکھا تھا۔'' ارتج نے منہ بسور کر بتایا تھا۔ سعد چند لمحوں کے لیے چپ سا ہو گیا۔

''آپ کے لیے کھانا لے آؤں۔ پہلے بھی بنا کھائے نکل گئے تھے۔''

''نہیں یار! صادق کے ہاں کلیجی کھائی ہے۔ بھوک نہیں اب۔ تم بتاؤ تمہیں کھانا کھانے کی فرصت ملی ہے یا ابھی تک بھوکی ہو۔'' سعد نے کیا درست اندازہ لگایا تھا۔

''بس یہ کام نمٹ جائے پھر کھالوں گی۔'' عبیر نے کہا سعد جب تو کچھ نہ بولا لیکن رات کو جب اپنے بیڈروم میں تنہائی میسر آئی تب کہے بنا رہ پایا۔

''یار! یہ سائرہ بھابھی تو تم سے بالکل تعاون نہیں کرتیں۔ میں نے یہ بات پہلے بھی بہت بار نوٹ کی تھی۔ لیکن آج تو ان کے طرز عمل نے مجھے واقعی مایوس کیا۔ صرف کلیجی بھون کر اپنے کمرے میں بند ہو گئیں تم نے یقیناً پہلی بار گوشت وغیرہ سنبھالنے کا کام کیا ہوگا۔ چلو وہ مدد نہ کرتیں تمہاری تھوڑی سی رہنمائی ہی کر دیتیں۔'' سعد کے کہنے پر عبیر کو واقعی حیرت ہوئی اسے تو لگتا تھا سعد کو سائرہ بھابھی کی فطرت کا اندازہ ہی نہ ہوگا۔

''یہ میرے لیے اچھا ہی ہے سعد! جب مجھے ہر کام خود کرنا پڑتا ہے تو میرے اعتماد میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور کام کرنے میں ایکسپرٹ بھی ہوتی جا رہی ہوں۔ وہ مسکرا کر بولی تھی۔

''مجھے تمہارا یہ روپ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ شادی سے پہلے تمہیں جب بھی دیکھا ہاتھ میں کتاب ہی ہوتی تھی اندازہ ہی نہ تھا کہ اتنی جلدی سگھڑ خاتون خانہ کا روپ دھار لوگی۔'' سعد نے اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھا تھا۔ عبیر کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

عبیر کو اناڑی پن کا طعنہ دینے والی سائرہ بھابھی خود اگلے روز ہتھیلی پر کٹ لگوا بیٹھی تھیں۔ ان کا دنبہ اور بکرا ذبح ہو چکا تھا لیکن ابھی گوشت سمیٹنے کا مرحلہ باقی تھا۔

''اتنا گہرا کٹ لگوالیا تم نے۔ اب یہ کام کون سمیٹے گا۔'' فہد بھائی ان کے زخم کی ڈریسنگ کرتے ہوئے خفا ہو رہے تھے۔

''بس پتا ہی نہ چلا کیسے چھری لگ گئی۔'' سائرہ بھابھی خود خاصی پریشان تھیں۔

''آپ ٹینشن کیوں لیتی ہیں بھابھی، میں ہوں نا۔ مجھے بتائی رہیں کیسے کرنا ہے میں کرلوں گی سب کچھ۔'' عبیر نے انہیں تسلی دی تھی۔

''ارے نہیں تم کیسے کرو گی۔ شدت کی گرمی پڑ رہی ہے اور تم نے آج اپنے گھر بھی تو جانا ہے۔''

''گھر میں کل چلی جاؤں گی۔ اور گرمی تو روز ہی پڑتی ہے اس کا کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ رسانیت بھرے لہجے میں بولی۔

''عبیر بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے بھابھی! آپ کے ہاتھ پر اتنا بڑا زخم آیا ہے آپ کام کی ٹینشن نہ لیں۔ کل تو میں بزی تھا آج میں بھی عبیر کی ہیلپ کروادوں گا۔ ہم دونوں مل کر اس گوشت کے حصے کرلیں گے۔ فہد بھائی گوشت تقسیم کر آئیں گے۔ آپ بس ہماری نگرانی کا فریضہ سرانجام دے دیں۔'' سعد بھی شگفتگی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ سائرہ بھابھی کے چہرے پر شرمندہ شرمندہ سی مسکراہٹ تھی۔ عبیر نے ماتھے پر کوئی شکن لائے بغیر بہت مستعدی سے سارا کام سمیٹا تھا۔ اس کی مدد کروانے کے لیے سعد بھی موجود تھا۔ کچھ گزشتہ دن کا تجربہ کام آیا آج کام میں کوئی خاص دشواری نہ ہوئی۔ سعد نے مغز فرائی کیا تو عبیر نے سائرہ بھابھی سے ترکیب پوچھ کر کچے قیمے کے کباب بنائے۔ بہت خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔

''اس عید قربان پر ہماری قربانی کو بھی بارہ برس پورے ہو گئے بھئی۔'' کھانے کے دوران فہد بھائی نے مسکرا کر سب کو آگاہ کیا۔ ایک لمحے کے لیے تو عبیر کو سمجھ میں نہ آیا۔

''بھیا اور بھابھی کی شادی بقرعید کے چاند میں ہوئی تھی یار۔'' سعد نے مسکرا کر بتایا۔

''اوہ اب سمجھ میں آیا۔'' عبیر ہنس پڑی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر اس کی آنکھیں چمکی تھیں۔

اکیلے میں سعد سے مشورہ کیا۔ اسے کیا اعتراض ہونا تھا۔ اسی کے تعاون سے اس نے فہد بھائی اور سائرہ بھائی کی سرپرائز ویڈنگ اینورسری سیلیبریٹ کرنے کا پروگرام بنایا۔ مائرہ بھابھی کو بطور خاص مدعو کیا۔ اس تاکید کے ساتھ کہ وہ فون پر بہن کو اس بارے میں آگاہ کر کے ان کا سرپرائز غارت نہ کریں۔ مائرہ بھابھی خود اس تجویز پر بہت خوش تھیں۔ ماں باپ کے گزرنے کے بعد بڑی بہن کے دم سے ہی میکے کا احساس ہوتا تھا۔

جب مائرہ بھابھی اور مدثر بھائی تحفے کے ہمراہ یہاں پہنچے تو ان کی ساری تیاری مکمل تھی۔ فہد بھائی اور سائرہ بھابھی کے بچے پلان میں جوش و فروش سے شامل تھے۔ انہوں نے ہی ماں باپ کو بیڈروم تک محدود رکھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا۔ سعد اور عبیر نے لاؤنج میں ساری تیاری کی تھی۔ مائرہ بھابھی اور مدثر بھائی کے آمد پر سائرہ بھابھی اور فہد بھائی کو بھی لاؤنج میں بلایا گیا۔ اور پھر سب نے پرجوش طریقے سے انہیں شادی کی سالگرہ کی مبارکباد دی تھی۔

''یہ سب چاچی کا آئیڈیا تھا مما۔'' اریج نے کھلکھلاتے ہوئے ماں کو آگاہ کیا۔

''اور چاچو کا کوئی کردار نہیں یہ اتنا بڑا سا کیک یہ ساری سجاوٹ اور یہ اتنا بڑا سا گفٹ پیک یہ ساری بھاگ دوڑ کس نے کی جناب۔'' سعد مسکراتے ہوئے بھتیجی سے مخاطب تھا۔

''میرے چاچو اور چاچی دونوں ہی گریٹ ہیں۔'' اریج کھلکھلائی تھی۔

''تمہارے چاچو گریٹ تو ہیں بیٹا جی پر بہت لکی بھی ہیں جو انہیں ہماری عبیر جیسی بیوی ملی۔'' ماہرہ بھابھی نے بہت محبت سے نند کو دیکھا۔

''نہ صرف سعد لکی ہے بلکہ ہم سب ہی بہت خوش قسمت ہیں جو اس گھر میں عبیر جیسی پیاری لڑکی کا اضافہ ہوا۔ میرے لیے تو یہ بہنوں سے بڑھ کر ثابت ہوئی ہے۔''

عبیر کی سماعتوں کو یقین نہ آیا۔ اس نے حیرت سے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔ یہ الفاظ سائرہ بھابھی کے لبوں سے ہی برآمد ہوئے تھے۔ آج ان کی آنکھوں میں بھی اس کے لیے محبت اور اپنائیت کے سب رنگ موجود تھے۔

''چلیں بھئی میری زوجہ محترمہ کی تعریفیں بعد کے لیے اٹھا کر رکھیں بلکہ یہ کام زیادہ بہتر طریقے سے میں خود انجام دے سکتا ہوں۔ اب آپ دونوں کیک کاٹیں۔'' سعد شوخ ہوا تھا۔ عبیر نے اسے ذرا سا گھورا۔ فہد اور مدثر بھائی کے سامنے شوخی کے اس مظاہرے پر اسے شرم سی آئی تھی۔

فہد بھائی اور سائرہ بھابھی نے مل کر کیک کاٹا تھا۔ سب نے تحفوں کے ساتھ نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔

محبت اور اپنائیت کے جذبوں سے سجی یہ محفل اختتام پذیر ہوئی تو مدثر بھائی اور مائرہ بھابھی نے بھی واپسی کی راہ لی۔

''گھر کا چکر کب لگاؤ گی گڑیا! ہم تو عید کے دونوں دن تمہاری راہ دیکھتے رہے۔'' جاتے سمے مدثر بھائی نے پوچھا تھا۔

''ان شاء اللہ ہم کل آئیں گے بھیا۔'' اس نے یقین دلایا۔

''کل میں بریانی بناؤں گی اور مبشر کا باربی کیو کا پروگرام ہے۔ کل کا پروگرام پکا رکھو۔ ہم انتظار کریں گے۔'' مائرہ بھابھی نے بھی تاکید کی۔ اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

کل میکے جانے کا پروگرام واقعی پکا تھا۔ ماں باپ سے ملنے کی بے قراری اپنی جگہ اس پر مبشر کا شکریہ بھی تو ادھار تھا۔

اپنائیت اور حسن سلوک سے کسی دوسرے کے دل میں جگہ بنانا کتابی بات سہی لیکن اللہ کا کرم شامل حال ہو تو کبھی کبھار کتابی باتیں عملی زندگی میں سچ ثابت ہو جاتی ہیں۔ شاید اس کے لیے نیک نیتی کے ساتھ ساتھ خوش قسمتی کا عنصر شامل ہونا بھی ضروری ہے۔ جو بھی تھا عبیر کا خلوص رائیگاں نہیں گیا۔ مسرور انداز میں مسکراتی بھائی، بھاوج کو الوداع کہہ کر وہ واپس پلٹ آئی تھی۔

☆☆

شازیہ الطاف ہاشمی

دھوپ

''وریشہ کیا کررہی ہو۔'' زرینہ گرم کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔

''مما وہ چپس کا دل چاہ رہا تھا میرا اور ارمان بھائی کا۔'' بہت سارے دھلے آلو گول شپ میں کٹے رکھے تھے۔ ''ارمان بھائی کیچپ لینے گئے ہیں سو روپے ان کے پاس تھے اور پچاس میری پاکٹ منی ۔آپ کھائیں گی۔''

''نہیں بیٹا! تم لوگ کھاؤ۔ میرا دل نہیں چاہ رہا۔''

زرینہ کی نظریں وریشہ کے پرانے دوپٹے اور پرانی ٹوٹی چپل پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک وقت تھا ایسی چپلیں وہ اٹھا کر ردی والے کو دے کر کچے امرود لے لیا کرتی تھی۔ کالے نمک اور سرخ مرچ کے ذائقے کے درمیان اس نے زندگی کو خوب انجوائے کیا تھا۔ ٹھیک ہے کہ اس کے پاس کوئی جمع جتھا نہیں تھا مگر زندگی اچھی گزر رہی تھی۔ بچوں کے نئے نئے جوتے نت نئے کپڑے بھی، اسے جہاں سے جو چیز پسند آتی اسے خرید لیا کرتی۔

ربن لگے دوپٹے لیسیں، پونیاں اور ہر خوب صورت شے۔

اب وریشہ اور ارمان کو کیچپ خریدتے دیکھا تو بی پی لو ہونے لگا۔

یا اللہ یہ دن پھیر دے اے مالک اگر کوئی غلطی ہوگئی ہے تو۔

معاف فرمادے۔ میں تھک گئی، اللہ میں عاجز ناتواں تیری دی ہوئی آزمائش جھیل نہیں پارہی۔''

چائے کا کپ لبوں سے لگاتے، روٹی کھاتے زرینہ کا دل اب ڈوبا ہی رہتا۔ اللہ جانے کیا ہوگا۔ کہیں وہ اس حال میں مر ہی نہ جائے۔ بچے ابھی تو بچے ہی ہیں۔ وریشہ پندرہ سال کی اور ارمان جسے اس نے ہمیشہ اپنا ارمان ہی قرار دیا تھا۔ فقط اٹھارہ سال کا تھا دو ہی بچے تھے اور ان کے کیا کیا ناز نہ اٹھائے گئے تھے اور اب دل کو کیا کچھ نہیں سہنا پڑ رہا تھا۔

زرینہ کے دل سے چین رخصت ہوئے بڑا عرصہ ہو چکا تھا۔ بیٹھی رہتی تو پھر بیٹھی ہی رہ جاتی۔ وریشہ اور ارمان مل کر گھر کے کام کاج میں ماسی کا ہاتھ بٹادیا کرتے۔ اسے خبر نہیں ہوتی کہ اردگرد کیا ہو رہا ہے۔

''مما! آپ اداس ہیں۔'' وریشہ اب آہستہ آہستہ عادی ہوتی جارہی تھی۔

اس کی چپ کے اسباب، چہرے کے زاویے سب اس کی سمجھ میں آچکا تھا۔ دونوں بہن بھائی چپس کھانے میں مگن تھے اور وہ وریشہ کی بنائی گرم چائے کے گھونٹ آہستہ آہستہ اپنے اندر انڈیل رہی تھی۔ یہ حالات کی گرمی سردی۔ ''آہ'' اچھا وقت ایسے ہی بدل جاتا ہے جیسے کبھی آیا ہی نہ تھا۔ تتلی کے چمکیلے پر کی طرح وہ سنہرے دن وہ کہاں سے ڈھونڈ کر لائے۔ کھوئی ہوئی چیزیں مشکل سے ملا کرتی ہیں اگر مل جائیں تو قدر کرنی چاہیے۔ اس نے تو کی تھی مگر..... ''یہ وقت ہی ہے ہمارے پاس زرینہ اگر اس کو گنوا بیٹھے تو پھر یہ سنہرا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں تو کہتا ہوں کہ میں قریشی صاحب سے کہہ کر وہ پلاٹ خرید لیتا ہوں اور برسوں پے منٹ ہو جائے گی۔ پوش ایریا ہے نہیں ہے مگر بنتے دیر کہاں لگتی ہے۔ ہماری وریشہ اور ارمان کے سکھ کی خاطر۔''

فیصل فیصلہ کرنے سے پہلے زرینہ سے مشورہ ضرور کرتے کسی بھی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے بات چیت ضروری ہوتی۔

''آپ اللہ کا نام لے کر کام شروع کردیں۔ پھر دیکھی جائے گی۔''

انہوں نے فیصلہ کیا اور تھوڑا بہت جمع تھا جو فیصل کے پاس تو وہ اور باقی کاروبار کے ہیر پھیر کے درمیان سے نکالی گئی رقم ادا ہوگئی۔ اس شان دار گھر کے اندر کھڑے ہو کر ارمان وریشہ اور خود زرینہ نے بھی اپنے آپ کو بڑا مضبوط خیال کیا تھا۔ آخر بچوں

کے والدین تھے، وہ اتنا تو کر ہی لینا چاہیے انہیں آنے والے وقت کے لیے اپنا سکھ تو دیکھا ہی ہے، کچھ ان کے لیے بھی سکھ کا سامان اور اپنی آنے والی پریشانی کا بھی۔ زرینہ اور فیصل مطمئن تھے اور یہیں سے وقت نے کروٹ بدلی تھی سب کچھ الٹ پلٹ کر رہ گیا۔

کاروبار میں سرمایہ کم تھا تو پھر آمدن بھی کم ہوگئی اور خرچ تھے کہ منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ دودھ، آٹا، چینی، گوشت، کپڑا، علاج اور دکھ سکھ وہ جنہیں سکھ کا ہی پتا تھا دکھ دیکھنے لگے تھے۔ کوئی حل نہیں سوجھ رہا تھا۔ اولاد اچھی تھی، اچھا کھانا تو ان کا حق ہے ناں اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہیے۔ اس نے بچوں کو کمی نہ کرنے کا سوچ لیا تھا راشن کی لمبی لسٹ میں کہیں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔

''یہ اتنے سارے چاول بچ گئے ہیں۔'' اس نے گرم پتیلے کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا تھا۔ پاپا تو ہمیشہ تازہ ہی بریانی کھاتے ہیں تو ان کا۔''

وریشہ کا مطلب تھا کہ ان کا کیا کرے۔ وہ مٹن بریانی ہی بنایا کرتی۔'' مرغی میں آج کل رکھا ہی کیا ہے۔'' یہ اس کا قول تھا۔ اور سچ ہے ناں، مرغی سے اچھا ہے کہ بندہ گوشت کھائے ہی ناں۔

سنک میں برتنوں کے ڈھیر سے نبرد آزما نصیبہ کی نظریں ادھر ہی لگی تھیں۔

''نصیبہ یہ تم ہی لے جانا اور ہاں پتیلا اچھی طرح دھو کر رکھتی جانا کل پہ نہ ڈال دینا۔''

''جی جی۔ دھو مانجھ کے رکھ کے ہی جاؤں گی میں۔'' وہ جلدی جلدی چاول چمچے سے بڑے سے شاپر میں ڈال رہی تھی۔

''چائے پئیں گی مما؟''

''ہاں دو کپ لے آؤ، ساتھ بسکٹ لیتی آنا۔''

چھوٹے سے لان میں بہت سارے پودے مرجھائے ہوئے تھے۔ سردی کی آمد آمد تھی۔ نرسری میں نت نئے پودوں کی بہار عروج پر تھی۔ کتنے سارے پودے اس نے خریدے تھے۔ کبھی ہر سیزن کا نیا پلانٹ سب سے پہلے اسی کے لان میں سجا کرتا۔ وہ گل داؤدی جیسے کھلے تر و تازہ دن نہ جانے کدھر نکل گئے۔ اور آج نئے پودوں کی کتنی ضرورت ہے مگر اور اس مگر کے آگے کتنے بند بندھے تھے۔ وہ جانتی تھی۔ فیصل بخوبی واقف تھا۔ اور اس سے زیادہ وہ خود حالات کو سمجھ چکی تھی اب۔ یہی مقدر ہے تو پتا نہیں لوگ کیسے بچت کرتے ہیں پیسہ جوڑ کر رکھتے ہیں کیا ایسے ہی.....''

''مما آپ کی چائے۔'' دودھ پتی میں اپنا پسندیدہ بڑا سا بسکٹ ڈبو کر لبوں تک لے جاتے وہ سوچنے لگی تھی۔ ہاں شاید ایسے ہی۔

''مما! پکوڑے نہ بنالیں آج۔ بھائی سے کہہ کر پودینہ اور دہی بازار سے منگوالیں گے۔''

وریشہ فرائیڈ کھانوں کی شوقین تھی اور اچھی خاصی موٹی ہو رہی تھی۔

''ٹھیک ہے میری جان بنالو مگر اپنی طرف بھی دھیان دو ذرا سا کم کر دو یہ پکوڑے چپس۔''

پتا نہیں کیا جی میں آئی ٹوک دیا۔ اچھے وقت میں تو وہ اپنی بیٹی بیٹے کی خوراک پر خاص دھیان دیا کرتی تھی۔

بھئی یہ ہی تو دن ہیں میری بیٹی کے من پسند کھانے اور خوش رہنے کے، آگے جا کے کون جانے کیسی ساس ملے۔ شروع کی جو ٹوکا ٹاکی ہوتی ہے ناں ساری زندگی درد بن کے زندہ رہتی ہے دل میں تو سارے چاؤ سارے ارمان پورے کر کے رخصت کروں گی اور ارمان وہ تو میری جان ہے اور اپنی جان سے کون نظریں چراتا ہے جان ہے تو جہان ہے ناں۔''

ڈھیروں ڈھیر فروٹ، نئے فیشن کے کپڑے جوتے، پیزا، برگر شوارمے ہوٹلنگ کبھی ان بازاروں میں وہ بھی خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی تھکن کیسی۔ زندگی تو زندہ دلی کا نام ہے مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں۔ اب صرف زندہ دلی رہ گئی تھی یا شاید آہستہ آہستہ وہ بھی مرتی جا رہی تھی۔ اچھے وقت کی نشانیاں رہ گئیں۔ بس پتا نہیں خود کہاں چلا گیا۔ ہمیں

چھوڑ کر۔الماریوں میں بہت سارے کپڑوں کی یادیں ہی رہ گئی تھیں مسائل اسے نگلنے والے تھے۔

سکھی آ گئی تھی اور آتے ہی اس نے مشین کھینچ کے اس میں لب پانی بھر دیا تھا اور پھر مہنگے مشہور سرف کا آدھا پیکٹ بلا تکلف پانی میں ڈال دیا تھا اور باقی سرف مٹھیاں بھر بھر کے فرش پر ڈالا اور فرش دھونے لگی تھی۔پوری مشین میں صرف بیڈ شیٹ گھوم رہی تھی۔اسے جانے کی بہت جلدی ہوتی تھی کام ستھرا کرتی تھی مگر اس جلدی جلدی میں زرینہ اور وریشہ نے کبھی دخل نہیں دیا تھا۔ڈھیروں کپڑے دھل دھلا کے استری ہو کے پہنچ جاتے تھے آج کل دونوں ماں بیٹی بھی ہر شے کو بڑے غور سے دیکھنے لگی تھیں یا شاید دیکھنے کے لیے رہ گئے تھے وہ لوگ۔

نصیبہ برتنوں کو چمکانے کے لیے بہت زیادہ پانی اور وم بار ضائع کرتی تھی تو سکھی بھی اپنے کام سے مطلب رکھا کرتی تھی یا پھر جلدی کام نپٹا جانے سے سروکار تھا اسے۔باقی سرف ایک منٹ میں نالی میں بہہ کر پتا نہیں کہاں چلا گیا۔رزق،روپیہ کسی بھی شکل میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

زرینہ نے کبھی حساب کتاب نہیں رکھا تھا تو ماسیاں کیوں رکھتیں کل ہی سرف کے پیکٹ آئے تھے اور.....

''مما!سکھی سرف بہت استعمال کرتی ہے۔''

وریشہ نے دھیان دلایا تھا۔وہ تو پہلے ہی بہت دل گرفتہ ہو رہی تھی۔اسے اپنا آپ مجرم سا لگنے لگا تھا۔

☆☆☆

وریشہ نے سوچا تھا کہ وہ آدھے سے بھی کم سرف میں سارے کپڑے دھو سکتی ہے۔اور مشین لگا کر کپڑے دھو بھی لیے تھے اور زرینہ نے کچن کے سارے برتن ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ہاتھ کے ہاتھ دھو ڈالے تھے۔سکھی بھی اسی کی ہم عمر تھی جو سارا دن نجانے کتنے گھروں کا کام منٹوں میں ختم کر کے یہ جا وہ جا اور وہ صرف کڑھنے میں لگی رہتی تھی۔آج اس نے کڑھنے کے بجائے گھر کی طرف توجہ دی تھی۔

ہماری طرح بھی ہمارا گھر کوئی سنبھال سکتا ہے بھلا۔وریشہ گھر سنبھال سکتی ہے اور اس کے ہاتھ میں سلیقہ بھی ہے۔آج اس پر انکشاف ہوا تھا۔

''وریشہ بیٹا گوشت کا ایک ہی پیکٹ نکالو اور حساب سے بریانی بنالو۔اتنی بنانا جتنی ایک وقت میں ختم ہو جائے۔''

''صبح ناشتہ تازہ بنالیں گے فریج میں انڈے پڑے ہیں انڈوں کا خاگینہ بنالیں گے۔''کچھ اس کی رہنمائی اور کچھ وریشہ کی سیکھنے کی لگن،بریانی بہت اچھی بنی تھی،وہ اچھی کوکنگ کر سکتی تھی۔

دنوں پر دن گزرتے چلے گئے تھے۔آہستہ آہستہ گھر میں سلیقہ آ رہا تھا سرف صابن،چاول اور دوسرے سامان لسٹ بنا کے طریقے سے استعمال کرنے لگی تھی۔زرینہ حیران ہو رہی تھی اور وریشہ خوش ہوا کرتی۔مما ان سے اچھا کام تو ہم خود کر سکتے ہیں۔

گیٹ تک وریشہ نے پائپ لگا کر فریش دھویا اور سوکھے پتے جمع کر کے شاپروں میں ڈالے تھے۔اب سارے پودوں کو پانی دیتے ہیں۔وریشہ پائپ لیے پودوں کو نہلا رہی تھی،جب اچھے وقت نے اس کے دل پر دستک دی تھی۔پانی کی ٹھنڈی،موٹی دھار نے بے اختیار اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔کاہلی اور سستی دور بھاگ گئی تھی۔

''اس مہینے ہم نے بہت سی بچت کر لی مما۔''وریشہ چہکی تھی۔

''اور تمہارا وزن بھی کم ہو گیا ہے میری جان۔''زرینہ کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''بس یہی رقم ہے میرے پاس باقی اللہ حافظ ہے ہمارا۔''

فیصل بہت مایوس دکھائی دے رہے تھے۔خرچے بڑھتے چلے جا رہے تھے اور آمدن سکڑتی جاتی تھی۔

''آپ فکر نہ کریں ان ہی میں اچھا گزارا ہو جائے گا۔ارمان اور وریشہ کے کپڑے بھی آ جائیں گے۔''

اس نے تسلی دی تھی پاس بیٹھی وریشہ کاپی پنسل لے کر زرینہ کے کمرے میں پہنچ گئی تھی۔

''مما! مل کر لسٹ بناتے ہیں یہ دیکھیں تھوڑی سی میں نے بنا بھی لی ہے۔''

''چار بندوں کے حساب سے گھی دال چینی وغیرہ وغیرہ۔'' اس نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ اٹھا کر علیحدہ کر لیے تھے۔

''یہ ہماری بچت، پہلے ان ہی روپوں کے جانے کا پتا بھی نہیں چلتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا تو پہلے ہی حکم ہے۔ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔ اور فضول خرچ بے چارے بھی تو اپنی جان پر ظلم ہی کرتے ہیں جیسا کہ شیطان نے کیا تھا۔ چائے کا کپ لبوں سے لگاتے اس نے سوچا تھا۔

''سکھی اور نصیبہ — نظر نہیں آرہیں آج کل؟''

''شگفتہ بھابھی کے ہاں کام کرتی ہیں اب۔'' زرینہ نے سکون سے جواب دیا تھا۔

''ہمارے گھر کا کام کون کرتا ہے؟'' فیصل سمجھے تھے کہ کوئی نئی کام والی رکھ لی ہے۔

''میں خود کرتی ہوں، میں اور وریشہ مل کر کر لیتے ہیں۔ صبح ہی صبح گھر کے کام میں لگ جاؤ تو دس بجے سے پہلے پہلے فارغ۔''

''پہلے تو تم۔'' فیصل نے اس کی سابقہ دلیلیں پیش کرنا چاہیں۔

''اپنے ہاتھ سے کام کرنا تو سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے تو اس میں کیسی شرم ہے۔'' وہ تو اللہ کے بھی قریب ہو گئی تھی یا اس نے متوجہ کر دیا تھا اسے۔

وہ پرسکون تھی تو فیصل کو کیا پریشانی تھی۔

وہ بھی پراٹھے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ گھر کے بنے تازہ خستہ پراٹھے کی طرف جس کا ناک نقشہ بتاتا تھا کہ وریشہ نے گول بنانے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ وہ مسکرا کر کھانے لگے تھے۔

''وریشہ بیٹے! بازار جانے سے پہلے کھانا کھا لینا چاہیے۔ بھرے پیٹ کے ساتھ انسان الا بلا چیزیں اٹھا کر اپنی ٹرالی میں نہیں ڈالتا۔ آزما کر دیکھیں۔''

وریشہ اور زرینہ پراٹھے اور آملیٹ سے خوب انصاف کر رہی تھیں۔ ساتھ دہی کا تازہ کٹورا بھی پڑا تھا۔

''آجاؤ ارمان یہیں! آجاؤ تم بھی۔'' وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ وریشہ ناشتہ کر کے چائے بنانے چلی گئی تھی۔

پھر سب نے مل کر چائے پی اور ارمان کو ساتھ لیے باہر نکل گئیں۔ یہ طے تھا کہ کوئی بھی فضول شے نہیں خریدیں گے۔ اور اپنی چادر کو پھاڑنے کے بجائے اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائیں گے۔ زرینہ کا موڈ خوش گوار تھا تو ہر کوئی خوش تھا۔

''یہ دیکھیں مما پورے دس ہزار وریشہ نے نوٹ گن کر اس کے سامنے لا رکھے تھے۔ ہائے مما اتنے سارے اور صرف ہمارے۔'' وریشہ پُرجوش تھی۔

اس کے پاؤں میں نئی چپل اور نئے پیارے سے کپڑے تھے اب فرق یہی تھا کہ رزق ضائع نہیں کیا جاتا تھا اور ضرورت کو پورا کیا جاتا تھا۔

''وریشہ چند اتیا یاد رکھنا بچت ہمیں شرمندگی سے بچاتی ہے اور وقت پڑنے پر ہماری دوست بن جاتی ہے۔ ان میں سے پانچ ہزار ہم اللہ کے راستے میں خرچ کریں گے۔ اگر کوئی چاہے تو ہزار میں سے صرف دو سو کی بھی بچت کر سکتا ہے لازمی نہیں کہ ہزاروں روپے ہی میں بچت ہو وہ دس روپے کی بھی ہو سکتی ہے۔'' ان چند دنوں نے وریشہ کو بھی بدل دیا تھا۔ وہ بہت اچھا سبق سیکھ رہی تھی۔ مندی بھی آہستہ آہستہ ہی جائے گی۔ فیصل پریشان تھے۔

''آپ فکر نہ کیا کریں اللہ سب ٹھیک کر دے گا۔'' اصل میں فکر اب اسے بھی نہ رہی تھی جاتے جاتے وقت کی سخت دھوپ اسے بہت کچھ سکھا کر گئی تھی۔ وقت کا کیا ہے وہ تو گزر ہی جاتا ہے۔

☆☆

عفت سحر طاہر

رنگ دے تیرے

ہائی وے پر ٹرالر اور کار کا شدید ایکسیڈنٹ ہوتا ہے ٹرالر کا ڈرائیور بھاگ جاتا ہے، کار بری طرح پچک جاتی ہے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مرد اور اگلی نشست پر ہی بیٹھی عورت خون میں لت پت ہیں۔ ریسکیو عملے کا انتظار ہے کہ وہ آئے تو گاڑی کی باڈی کاٹ کر لاشیں نکالی جائیں اسی وقت گاڑی سے ایک بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔

ہاسپٹل میں چار لوگ آئی سی یو کے باہر بیٹھے ہیں نرس باہر آ کر کہتی ہے آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

سرخ پھولوں سے سجی گاڑی پوش ایریا کے ایک بنگلے کے آگے رکتی ہے تو۔ دولہا کی ماں ملازمہ سے کہتی ہے کہ دلہن کو لے کر اندر آؤ۔ ملازمہ دلہن کو بیڈ روم میں بٹھا کر جانے لگتی ہے تو دلہن اس سے سر درد کی گولی مانگتی ہے۔ ملازمہ کہتی ہے کہ چائے بھی لے آؤں۔

دولہا کمرے میں آتا ہے۔ تو وہ اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ وہ ایک بچی کو لے کر آتا ہے کہ اس کے لیے میں نے تم سے شادی کی ہے۔

نرمین کو ہواؤں میں اڑنے اور اونچے خواب دیکھنے کا شوق ہے حریم اس کی چھوٹی بہن اسے سمجھاتی ہے۔

نرمین کی سہیلی سجل کہتی ہے کہ تمہیں عباد وسیم پوچھ رہا تھا۔

نرمین اپنی دوست صوما کی سالگرہ میں جانے کی ضد کرتی ہے لیکن اس کی اماں کو اعتراض ہوتا ہے کہ جوان جہان لڑکی آدھی رات کو سالگرہ میں سے واپس آئے گی تو محلے والے کیا کہیں گے۔ اس کے اصرار پر ابا سے جانے کی اجازت

دے دیتے ہیں لیکن اس کی اماں ناراض ہی رہتی ہیں۔
نرمین صوما کی سالگرہ کی تقریب میں (جو کہ تھیم پر تھی) گھر سے تیار ہو کے نہیں جاتی بلکہ سجل کے گھر سے تیار ہو کر جاتی ہے۔ راستے میں سجل رانا سعید سے عباد وسیم کے متعلق بات کرتی ہے کہ رانا سعید عباد کا دوست ہے وہ عباد سے نرمین کی دوستی کرا دے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنی دوست کو بربادی کے راستے پر مت ڈالو۔ پارٹی میں نرمین کی عباد سے ملاقات ہوتی ہے لیکن وہ یمنی الطاف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگلی ملاقات میں سجل بتاتی ہے کہ عباد وسیم، رانا سعید سے تمہارا پوچھ رہا تھا۔ نرمین بے یقین ہوتی ہے۔
وہ اپنے حواس میں نہیں تھی فیملی ڈاکٹر فریحہ کی ولیمے کی صبح اس کا چیک کرنے آیا تو اس نے کہا کہ شاکڈ اور ڈپریسڈ ہیں۔ میڈیسن دیں آرام کرائیں شام تک بہتر ہو جائیں گی۔
سجل نرمین کو آفس کے بعد لے کر کلب آ جاتی ہے نرمین کا موڈ آف ہے۔ وہاں ان کی ملاقات عباد وسیم سے ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان رکھائی سے بات چیت ہوتی ہے۔ عباد وسیم ان کے جوس کا بل ادا کر دیتا ہے۔ نرمین کو برا لگتا ہے۔
نصرت زلفی کو کہتی ہیں کہ اٹھ کر دکان پر چلا جا لیکن وہ نہیں سنتا۔ وہ نرمین کی ہم راہی کا خواب دیکھتا ہے نصرت کہتی ہیں کہ وہ پڑھی لکھی لڑکی تجھ سے شادی سے انکار کر دے گی۔ زلفی کہتا ہے کہ وہ میرے بچپن کی منگ ہے۔
نرمین کے پاس چھٹی والے دن عباد کا فون آتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ دن گزارنا چاہتا ہے۔ نرمین، سجل کے گھر کا بہانہ کر کے اس کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ میں اس کا انتظار کرتی ہے۔
عباد وسیم کے ساتھ ایک بھرپور دن گزار کر نرمین خوشی خوشی گھر لوٹ آتی ہے۔ نرمین کو اس کی کھوجتی چمکتی آنکھوں کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا۔
نرمین کی غیر موجودگی میں اماں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ حریم ابا کے گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے نرمین کو فون کرتی ہے، فون بند ہونے کی صورت میں وہ تھک ہار کر سجل کے نمبر پہ کال کرتی ہے، اسے مبارک باد دیتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہے کہ کس چیز کی مبارک باد اور اپنے گھر میں صبح سے کپڑے دھونے کی مظلومیت کا رونا روتی ہے۔ حریم پریشان ہو جاتی ہے۔ ابا آ جاتے ہیں وہ اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔
نرمین کے آنے پر حریم اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کہاں تھی، نرمین سچ اسے بتا دیتی ہے۔
عباد وسیم، رانا سے ملتا ہے تو نرمین کی بات ہوتی ہے، رانا کہتا ہے کہ وہ شریف گھرانے کی ہے اس کو بخش دے۔ عباد ہنسنے لگتا ہے۔
مائرہ صبح صبح پھپھو کے گھر پہنچتی ہے جہاں عباد وسیم اور نزہت ناشتہ کر رہے ہیں۔ مائرہ اور نزہت کی معنی خیز باتوں سے انجان بنتا عباد وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا ہے۔
حریم بے ساختہ میرب کو پیار کرتی ہے، وہ گھبرا جاتی ہے۔
نزہت گھر واپسی پر حریم کو کہتی ہیں کہ وہ میرب کے سلسلے میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کریں گی۔
حریم عباد وسیم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اس کے شوروم تک آ جاتی ہے عباد اسے دھمکاتا ہے وہ اس سے کہتی ہے کہ تم خراب کیریکٹر کے ہو۔ میری بہن کا پیچھا چھوڑ دو۔ نرمین پتا چلنے پر ناراض ہوتی ہے اور عباد سے معذرت کرتی ہے وہ معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔
مارک ڈینیئل کو بتاتا ہے کہ اس کی مسلمان لڑکے سے دوستی ہے۔ نصرت پھپھو تاریخ طے کرنے کے لیے مٹھائی اور شادی شدہ بیٹی کو لے کر آتی ہیں۔ نرمین گھر میں نہیں ہوتی۔
حریم کو وہ اس کے گھر لے کر آتا ہے اماں اور طوبیٰ بہت خوش ہوتی ہیں لیکن ابا کے آنے سے پہلے اسے جانے کا کہتی ہیں۔
عباد کی برتھ ڈے کے موقع پر عباد نرمین کو اپنے فلیٹ پر تنہا بلاتا ہے، وہاں جانے کے بعد نرمین کو باپ کی بات یاد آتی ہے کہ دو نامحرموں کے بیچ تیسرا ہمیشہ شیطان ہوتا ہے۔
عباد نرمین کو اپنے فلیٹ پر بلاتا ہے۔ اس کے فریب آنے پر وہ وہاں سے واپس آ جاتی ہے۔ عبد کی پرکھ کہ وہ پورا اترتی ہے۔ ادھر نصرت پھپھو تاریخ لینے آ جاتی ہیں۔ اماں اور حریم کے پوچھنے پر نرمین شادی کی ہامی بھر لیتی

ہے۔نصرت پھپھو اور زلفی خوش ہو جاتے ہیں۔سجل فون کر کے نرمین کو لاتی ہے۔وہاں عباد وسیم موجود ہوتا ہے اور اسے پروپوز کرتا ہے۔نرمین خوشی خوشی گھر آتی ہے۔

رات میں حریم نریم سے کہتی ہے کہ شادی کا کارڈ پسند کرلو۔وہ کہتی ہے پہلے لڑکا تو پسند کرلوں۔پھر اسے بتاتی ہے کہ عباد وسیم نے اسے پروپوز کیا ہے۔دروازے میں کھڑی اماں یہ سن کر بے سدھ ہو کر گر پڑتی ہیں۔

دسویں قسط

حریم کی زلفی کے ساتھ بات کیا پکی ہوئی نصرت کو تو گویا طنز کے کھلے وار کرنے کا موقع مل گیا۔

"ہم تو دودھ کے جلے ہیں بی بی! تم بھی دھیان سے پھونک کے قدم رکھنا... میرا بھائی اتنے بوجھ نہیں سنبھال سکے گا بے عزتی کے اور نہ میں جوتے کھا سکتی ہوں شوہر اور خاندان والوں کے۔" وہ اکثر آتیں تو کام کرتی ہوئی حریم کو نظر میں رکھتیں۔

"تھوک کے چاٹا ہے بھائی ہم نے.....لاج رکھنا بس ہماری۔" حریم ان کی آمد اور نظروں سے گھٹن کا شکار ہونے لگی تو کوشش کرتی کہ پھپھو کے آنے پر کچن ہی میں مصروف رہا کرے لیکن مجبوری.....رشتہ ایسا تھا کہ اب وہ یہ "بے ادبی" نہیں کر سکتی تھی۔پھپھو کا بھی ابھی زیادہ پڑھی لکھی ملازمت پیشہ بہو لا کر بیٹے کو عیاشی کروانے والا شوق ماند نہیں پڑا تھا۔بھائی کے علاوہ اور کون تھا جس کی بیٹی خوب صورت پڑھی لکھی اور کماؤ بھی ہوتی اور وہ زلفی جیسے نکمے کے لیے رشتہ دے دیتا۔یہ تو مصطفیٰ احمد ہی تھے جن کے سر پر بہن کی محبت کا بھوت سوار تھا۔ایسے کہ ان کے پیروں میں بیٹھنے والے آج ان کے سر پہ چڑھ کر بیٹھ گئے تھے۔آج تو حد ہی ہو گئی۔

اتوار کی چھٹی کا فائدہ اٹھا کر نصرت کے ساتھ زلفی بھی چلا آیا۔دروازہ حریم نے ہی کھولا،سلام دعا کر کے زلفی کی پرشوق نظروں سے جز بز ہوتی حریم کچن میں چلی گئی۔طوبیٰ کو ویسے ہی زلفی پسند نہیں تھا۔

"میں پیپر کی تیاری کرلوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ بہانے سے اٹھ گئی تھی۔ابا ابھی گھر نہیں لوٹے تھے۔اب زلفی کس بہانے سے اٹھ کر کچن میں آیا یہ حریم کو نہیں پتا تھا۔وہ تو ہانڈی میں ہر ادھنیا ڈال کر اپنے دھیان میں پلٹی تو زلفی کو دروازے کے فریم میں ایستادہ پرشوق نظروں سے خود کو دیکھتے پا کر ٹھٹک گئی،ناگواری کی تیز لہر حریم کے دل و دماغ میں دوڑ اٹھی۔

"کیا چاہیے؟"

"کچھ نہیں.....ایسے ہی.....پانی پینے اٹھا تھا۔"

"تم جا کر بیٹھو،میں لا دیتی ہوں۔" حریم نے ناگواری دباتے ہوئے رخ موڑا،اس کے لیے بڑا مسئلہ وہ شخص نہیں بلکہ اس کی حریص اور اندر تک اترنے والی غلیظ نظریں تھیں۔

"اررے.....واہ.....اتنی محبت اور فرماں برداری؟" زلفی چہکا۔حریم نے فریج میں سے پانی کی بوتل نکالی اور زور سے فریج کا دروازہ بند کر کے گویا اپنی ناپسندیدگی جتائی وہ کاؤنٹر پہ گلاس رکھ کر اس میں پانی انڈیلنے لگی۔زلفی اسے بڑی پسندیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

"سچ بتاؤں تو شاید اب مجھے نرمین کے گھر سے بھاگنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" زلفی کے ہونٹوں پہ بڑی خبیث مسکراہٹ تھی،اس کی طرف پانی کا گلاس بڑھاتی حریم کا ہاتھ لرزا۔

"اونہوں.....دھیان سے۔" زلفی نے زیر لب مسکراتے ہوئے گلاس ایسے تھاما کہ سائڈ سے حریم کی دو انگلیاں اس کے ہاتھ سے اچھی خاصی چھو گئیں۔حریم نے کرنٹ کھا کر سفید پڑتے چہرے کے ساتھ ہاتھ کھینچا۔

"اب تم..... جاؤ یہاں سے..... مجھے کام کرنے دو۔"
حریم نے بامشکل خود کو "دفع ہو" کہنے سے روکا۔ مگر اس نے یونہی کھڑے کھڑے پانی کے گھونٹ بھر کے گلاس خالی کیا اور گلاس آگے بڑھ کر کاؤنٹر پہ رکھ دیا۔ حریم چھوٹے سے کچن میں سمٹ کر چولہے کے بالکل قریب کھڑی تھی۔
"مجھے اس لیے فرق نہیں پڑتا کیونکہ میرے ماموں کی تینوں لڑکیاں ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔" وہ خباثت سے کہتا حریم کو سن کر گیا۔ اسی وقت ابا کی موٹر سائیکل کی آواز آئی تو وہ جلدی سے مزید کوئی بکواس کیے بنا باہر نکل گیا۔
"یا اللہ۔" بے حس و حرکت کھڑی حریم نے اپنے دل کو تھاما۔ اس کی آنکھیں بے اختیار ہی بھر آئیں۔
"اس قدر بے غیرت شخص۔"
جس کے لیے دنیاوی رشتے ہوس کی آنکھ سے دیکھے جاتے تھے حرمت کے رشتے بنانے اور سمجھنے کا جو عادی ہی نہیں تھا۔ اسے خود سے چھوٹی طوبیٰ کی باتیں شدت سے یاد آئیں، وہ بھی زلفی کی بدنظری سے اچھی طرح واقف تھی گویا۔
"کاش..... بیٹیوں کے والدین کو بھی یہ "حس" اور "اندرونی آنکھ" نصیب ہو جایا کرے جو بیٹیوں کے اندر جوان ہوتے ہی "آگ" آیا کرتی ہے۔" وہ آنکھیں پونچھتے ہوئے چولہا بند کرنے لگی۔

☆☆☆

"تم اماں سے بات کرو حریم! میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔"
"میں.....؟ میں کیا بات کروں؟ اور بات کرنے کو ہے کیا میرے پاس؟"
آج اس کا آخری پیریڈ فری تھا۔ وہ موقع کا فائدہ اٹھا کر آدھے پونے گھنٹے کے لیے زمین کی طرف چلی آئی۔ حالانکہ اس نے خود سے کئی بار وعدہ کیا تھا کہ وہ اب کبھی زمین سے رابطہ نہیں رکھے گی لیکن کبھی میرب میں جانے کیسی کشش تھی کہ وہ خود سے کیے اس بودے وعدے پر قائم نہیں رہ سکی۔ اور کچھ زلفی کی خبیث حرکتوں کی وجہ سے زمین کا اٹھایا قدم اسے صحیح لگنے لگا تھا۔ ہاں بے شک اس کے اپنی ضد منوانے کے انداز سے حریم کو اختلاف تھا۔
"میرب کو لے جاتی ہوں ساتھ..... اماں تو اس کی پیاری شکل دیکھتے ہی پگھل جائیں گی۔" زمین کو زیادہ ہی خوش فہمیاں تھیں۔ "اور ابا تو ویسے ہی اب تک بھول چکے ہوں گے۔ یاد ہے نا..... میری ہر غلطی اگلی صبح تک ابا بھول جایا کرتے تھے۔"
"لیکن اس رات جو غلطی تم نے کی تھی نا زمین! اس رات کی صبح کبھی اس گھر میں اتری ہی نہیں۔ ابا کیسے معاف کرتے تمہیں..... پوری برادری میں ناک کٹی ہماری۔ پھپھو نے ہمارے گھر کے صحن میں کھڑے ہو کر سب کو گالیاں دیں۔ ایک ایک بندے کو پکڑ کر تمہارے عشق اور گھر سے بھاگنے کی کہانی سنائی۔ اماں ابا اس کے بعد بھی زندہ ہیں تو غنیمت سمجھو۔" حریم کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔ زمین سناٹے میں آ گئی۔
"پھپھو کی اتنی جرأت؟"
"جب بیٹیاں باپ کا شملہ رول جائیں تو اس کے بعد وہ شملہ کتنے پیروں تلے روندا جاتا ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ باپ کو صرف اپنی بیٹی کے اٹھائے قدم یاد رہتے ہیں مینو!"
حریم نے بات ختم کرتے ہوئے ہلکا سا مسکرانے کی کوشش کی اور اپنا ہاتھ الٹا کر زمین کے سامنے کیا۔ زمین نے دیکھا اس میں نصرت پھپھو کا مشہور زمانہ بدوضع سا باریک چھلا موجود تھا۔ زمین نے بے یقینی کا جھٹکا کھا کر

حریم کو دیکھا۔

''یہ..... یہ..... کیا ہے؟'' نرمین سمجھتے ہوئے بھی گویا سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔

''یہ.....'' حریم نے ہاتھ پیچھے کھینچتے ہوئے یاسیت سے کہا۔

''یہ انگوٹھی خاندان والوں کے سامنے ابا کا سر اونچا کرنے کی..... پھپھو کی زبان بندی کی..... خود پر لگا بے اعتباری کا ٹھپہ اتارنے کی..... اور طوبیٰ کے لیے آگے بڑھنے کے تمام بند راستے کھولنے کی ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔''

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ اس بے غیرت شخص کے لیے مان کیسے گئیں تم؟ ویلا نکما..... بے غیرت شخص..... جس کا ایک ہی خواب ہے..... گھر بیٹھ کر بیوی کی کمائی کھانا۔''

نرمین کی سانس چڑھ گئی۔ درحقیقت اس کے اعصاب کو شدید جھٹکا لگا تھا وہ تو یہی سوچ رہی تھی کہ اسے اپنی زندگی میں خوش اور ضرورت سے زیادہ مطمئن دیکھ کر اماں ابا اس کی خطا معاف کر دیں گے لیکن اسے نہیں پتا تھا کہ اس کی خطا کے بدلے پھانسی کا پھندا اس کی پیاری بہن کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ حریم نے کبھی بھی زلفی کے معاملے میں نرمین کا ساتھ نہیں دیا تھا لیکن نرمین کو بہن سے محبت تھی۔

''تم ٹھیک کہتی ہو..... لیکن تمہارے جانے کے بعد ابا کو اب اپنی باقی بیٹیوں سے نفرت ہو گئی ہے۔ اس گزرے وقت میں ہم نے جو کچھ برداشت کیا ہے نا نرمین! وہ ہم ہی جانتی ہیں۔ ابا کو ہم دونوں بہنوں کے ہر اٹھتے قدم میں تم دکھائی دیتی ہو۔ ہماری چھوٹی سی خواہش بھی تمہاری ضد لگتی ہے انہیں۔ طعنے تشنے اور کڑوے لہجے کے بنا بات ہی نہیں کر پاتے ہم دونوں بہنوں سے وہ..... کچھ نہ کرتے ہوئے بھی تمہارا چھوڑا ہوا بدکرداری کا دھبہ ہمارے کرداروں پہ لگا دیا گیا ہے۔ طوبیٰ کا کالج میں داخلہ منع..... میری جاب جس پہ مٹھائی خود لا کر بانٹی تھی انہوں نے..... میری عیاشی لگنے لگی تھی ان کو۔''

حریم نے سانس اندر کھینچتے ہوئے دانستہ مسکرا کر اسے دیکھا۔ نرمین کی رنگت پیلی پڑ گئی تھی۔

''اس بدوضع چھلے کو پہننے کے بعد اب کچھ کچھ چیزیں بہتر ہونا شروع ہو گئی ہیں۔ طوبیٰ کالج جانے لگی ہے۔ میری جاب کے چند ماہ تک اب شاید مجھے کوئی طعنہ نہ ملے۔ پھپھو کے خوش ہونے سے ابا بھی راضی ہو گئے ہیں ہم سے۔''

"اور تم.....؟'' نرمین کے لب پھڑپھڑائے۔ تو حریم کی آنکھ نم ہو گئی۔

''لڑکیوں کا کیا ہے مینو! ان کے ماں باپ خوش ہوں۔ سر اٹھا کر چلتے ہوں بس۔ چاہے اس کے لیے بیٹیوں کو نکاح میں حق مہر کے بدلے ساری عمر کی خوشیاں رہن رکھنی پڑیں۔'' نرمین تڑپ اٹھی۔

''تم نے کیوں یہ بے وقوفانہ قدم اٹھایا حری؟ چند مہینے یا سال لگتے..... سب ٹھیک ہو جاتا۔'' نرمین اس سے لپٹ گئی۔ درحقیقت اسے بہت دکھ ہو رہا تھا۔ وہ کمینہ زلفی جسے وہ اپنی جوتی کی نوک پہ رکھتی تھی اب اس کی شہزادیوں جیسی بہن کے سر کا تاج بننے کو تھا۔

''اس ''سب ٹھیک ہو جاتا'' کے درمیانی عرصے میں جو قیامت ہم پہ ٹوٹ رہی تھی اس کا تم بس تصور ہی کر سکتی ہو نرمین! خیر..... چھوڑو، دفع کرو۔ کالج سے چھٹی کا وقت ہو رہا ہے۔ میں چلتی ہوں اماں پریشان ہو جاتی ہیں ایک منٹ بھی اوپر نیچے ہو جائے تو۔'' حریم اداسی سے کہتے ہوئے ایک دم گھڑی پہ نظر ڈالتے ہوئے بات بدل گئی۔

''تمہارا گھر ماشاء اللہ بہت خوب صورت ہے۔ بالکل تمہارے خوابوں جیسا..... اور تمہاری بیٹی تو بالکل لٹل پرنسس ہے۔''

''تم پر گئی ہے۔ عباد کو بھی لگتا ہے۔'' نزمین نم آنکھوں سے کہتے ہوئے ایک دم حریم کے گلے لگ گئی۔
''آئم سوری حری! مجھے بہت دکھ ہو رہا ہے ابا کے اس فیصلے سے۔'' اس کی آواز رندھ گئی۔
''زندگی جب ایک جگہ رک جائے تو اس میں ہلچل مچانے یا اسے آگے دھکیلنے کے لیے کچھ اہم فیصلے لینے ہی پڑتے ہیں۔'' حریم نے مسکرا کر اس کی پشت پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور ہٹ کر میرب کو پیار کرنے لگی جو بے بی کاٹ میں بے خبر سو رہی تھی۔
''اللہ پاک تمہاری بیٹی کے نصیب بہت اچھے کرے نزمین!'' حریم نے دل سے دعا دی تھی۔
''آمین۔'' نزمین نم آنکھوں کے ساتھ اپنی دوست نما پیاری بہن کو دیکھ کر جذب سے بولی تھی۔
لیکن بعض دعاؤں کے نصیب میں شاید قبولیت لکھی ہی نہیں ہوتی۔ وہ آسمانوں پر جانے کے بجائے زمین پر ہی چکرائی رہتی ہیں۔

☆☆☆

وہ کل ہی پاکستان پہنچا تھا۔
''سیٹھی ہاؤس'' میں بہت دنوں بعد کچھ خوشنما سی ہلچل مچ گئی۔ نزہت اتنے عرصے بعد بیٹے کو سامنے دیکھتے ہی آبدیدہ ہو گئیں۔ عباد سے اس کی ملاقات اگلے روز ہوئی تھی۔
''ہے مین..... لکنگ ہینڈسم۔'' وہ چھوٹے بھائی کے گلے لگ گیا جو بھائی کم اس کا ہم راز دوست زیادہ تھا۔
''بتایا کیوں نہیں..... میں لینے آتا تمہیں۔'' عباد خفا ہوا۔
''ایسے ہی سرپرائز دینے کو دل کر رہا تھا۔'' وہ کھل کر مسکرایا۔
''تمہیں کہاں فرصت ملتی ہے۔ آفس سے واپسی پر پہلے ماں کے گھر پھر بیوی کے گھر۔'' نزہت نے طنز کا کڑوا وار کیا جسے عباد نے مسکرا کر نظر انداز کر دیا۔ کھانے کے بعد وہ سب لاؤنج میں آ بیٹھے۔
''یہ سب کیا ہے برو؟ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم یوں کسی بھی لڑکی کے لیے اپنا گھر چھوڑ دو گے۔''
وہ ابھی تک بے یقین تھا۔ عباد اس سے نزمین کے متعلق ایک ایک بات ڈسکس کرتا رہا تھا لیکن اس قدر بڑا قدم اس نے چھوٹے بھائی سے بھی مخفی رکھا تھا۔ اس کے بعد کے حالات اتنی جلدی بدلے کہ زیاد کو اپنی واپسی بے معنی لگی۔
''تم فائنل سمسٹر کی تیاری کرو..... جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا۔ تم اپنا فیوچر تباہ مت کرو۔'' وسیم صاحب نے اسے آنے سے روک دیا تھا..... لیکن اب نزہت کا ڈپریشن اس قدر بڑھ گیا تھا کہ زیاد کو فوراً پاکستان آنا پڑا۔
''مجھے مجبور کیا گیا ہے اس سب کے لیے۔'' عباد خود خفا تھا۔
''افہام و تفہیم کے ساتھ بھی فیصلے کیے جا سکتے تھے بھائی!''
''اور جہاں افہام و تفہیم کی گنجائش ہی نہ چھوڑی جائے وہاں؟'' وہ چڑا۔ ''لیوا ٹ..... تم کون سا سارے حالات سے واقف نہیں ہو..... جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ پلوں کے نیچے سے ہی نہیں اوپر سے بھی بہت سا پانی گزر چکا ہے۔''
''میرا سارا خاندان تو باتیں بناتا ہے نا..... کبھی مائرہ کی حالت دیکھو۔ پاگل ہو رہی ہے وہ..... اور میرے بھائی، بھابی اسے دیکھ دیکھ کے مر رہے ہیں۔''
نزہت اتنے عرصے بعد بھی وہیں کی وہیں کھڑی تھیں جہاں ان کا بھائی ان سے چھوٹ گیا تھا..... اور اس سارے قصے میں ہر ماں کی طرح قابل نفرت انہیں بہو ہی لگتی تھی جس نے ان کے بیٹے کو پھنسا لیا تھا۔
''بے وقوف ہے وہ۔ دنیا میں ایک میں ہی تو آدمی نہیں تھا شادی کے لیے۔''

''اس کے لیے تم ہی تھے عباد!'' نزہت سرد مہری سے بولیں۔
''چلو.....اب یہ ٹاپک چھوڑ دو۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے اور واپس نہیں آ سکتا۔''
وسیم صاحب نے عباد کے چہرے پہ چھایا تناؤ دیکھتے ہوئے قطعیت سے کہا۔ بہر حال وہ اپنے گھر میں سال ڈیڑھ سال بعد آیا سکون اور خوشی کی لہر کو ختم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ عباد سکون کی سانس لے کر مسکراتے ہوئے بھائی کی طرف متوجہ ہو گیا جبکہ نزہت کے چہرے پر دکھ کے تاثرات ٹھہر سے گئے تھے۔ آج بھی یہ موضوع انہیں اول روز جیسی تکلیف ہی دیتا تھا۔

☆☆☆

''واؤ..... ماشاء اللہ۔ بہت پیارا بے بی ہے بھئی یہ تو۔'' وہ عباد کے ساتھ فلیٹ پر آیا تو میرب کو دیکھ کر فدا ہی ہو گیا۔ نرمین عباد کو دیکھ کر مسکرا دی۔
''اوئے شونا بے بی۔ دیکھو چاچو ملنے آئے ہیں آپ سے۔'' وہ بے بی کاٹ میں سوئی ہوئی میرب پر جھک کر کہہ رہا تھا۔
''اور اپنی بھابی کو تو تم پہچان ہی گئے ہو گے۔'' عباد اس کے گلے میں بازو ڈال کر شرارت سے کہتا اسے لیے اوپن کچن کی طرف آیا جہاں نرمین تینوں کے لیے کافی بنا رہی تھی۔
''غاصبوں کو پہچاننے میں میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔'' وہ رکھائی سے کہتا نرمین کو خفیف کر گیا۔
''چھوٹے.....'' عباد نے تنبیہی انداز میں اسے پکارا تو وہ جھنجھلا کر لاؤنج کی طرف آ گیا اور ناراض سا صوفے میں دھنس گیا۔
''کیا یار.....تم بھی باقی سب کی طرح ری ایکٹ کرو گے تو کیا فائدہ اتنی دوستی کا۔ جب ایک دوسرے کو سمجھ ہی نہ پائیں۔'' عباد اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے شکوہ کناں انداز میں بولا۔
''مام بہت ہرٹ ہوئی ہیں تمہارے اس عمل سے۔ ماموں جان سے سلام دعا سے بھی گئے۔ مائرہ سے ان کی محبت سے ہم سب واقف تھے۔'' وہ آزردہ تھا۔
''میں ایک ان چاہے ریلیشن کو کاندھے پہ لاد کر گھسٹ گھسٹ کر زندگی گزارنے سے بہتر سمجھتا ہوں کہ انسان "من چاہے" ریلیشن کو لے کر چلے تاکہ زندگی کی خوب صورتی کو انجوائے کیا جا سکے۔''
عباد نے صوفے کی پشت پر بازو پھیلاتے ہوئے مسکرا کر کہا اس کے ہر انداز سے سکون اور ٹھہراؤ کی سی کیفیت جھلکتی تھی۔ جو پہلے اس میں کبھی دکھائی نہیں دی تھی وہ نا چاہتے ہوئے بھی متاثر ہوا۔
"مائرہ اچھی لڑکی ہے۔ تم کیوں نہیں ٹرائی کرتے۔ مما بھی خوش ہو جائیں گی۔'' عباد نے اسے مشورہ دیا تو وہ اسے گھورنے لگا۔
''اووو.....مطلب تم اس کیتھی کے لیے واقعی سیریس تو نہیں ہو گئے؟'' عباد بے اختیار ہونٹ سکیڑتا آگے جھک کر بیٹھا، زیاد کے لبوں پہ مسکراہٹ پھیلی۔
''مما بہت ماریں گی۔'' عباد کچھ اس انداز میں بولا کہ وہ قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا۔
''سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ میری وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہیں اب تمہیں بلوایا ہے افراتفری میں تو یقیناً مائرہ کا ہی سوچ رہی ہوں گی، بہتر یہی ہے کہ تم کوئی نیا شگوفہ کھلنے سے پہلے خود ہی بات کر لو کیتھی کے متعلق۔'' عباد نے اسے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔
''میں آتے ہی ان کو مزید ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ کچھ دن ٹھہر کر پھر دیکھتے ہیں۔'' وہ مبہم سا مسکرایا۔ نرمین کافی کے مگ ٹرے میں رکھ کر لے آئی تھی۔ زیاد نے دیکھا وہ واقعتاً اتنی ہی خوب صورت تھی جتنی عباد فون کال پہ

بیان کیا کرتا تھا۔ لیکن عباد کی محبت اپنی جگہ۔ نرمین نے گھر سے بھاگ کر شادی کرنے کا جو قدم اٹھایا تھا وہ زیاد کو بھی بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ وہ جتنی بھی دیر بیٹھا نرمین کو اگنور کیے رہا۔ جسے نرمین نے شدت سے محسوس کیا تھا۔ البتہ میرب سو کر اٹھی تو اسے گود میں لے کر اس کے ساتھ لایعنی گفتگو اور ڈھیر سارا پیار کر کے اس نے خوب ہی اچھا وقت گزارا۔

''مجھے تو ٹینشن ہونے لگی ہے اب۔ تمہارے گھر ــــ سے جو بھی آئے گا اس کے لیے تم اور میرب تو رشتہ دار ہو..... اور میں اچھوت۔'' زیاد کھانا کھا کر گیا تھا رات۔ میرب کو سلا کر نرمین نے عباد سے شکوہ کیا۔

''وہ واقعی تمہارے ساتھ روڈ تھا..... اور میں نے اسے ٹوکا بھی تھا۔ کہہ رہا تھا آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' عباد نے اس کے شکوے کی تائید کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''اب لائٹ آف کر دو، نیند آ رہی ہے بہت۔'' نرمین لائٹ آف کر کے ڈم لائٹ جلاتی بستر پہ آ گئی۔

''مجھے تو تمہارے گھر والوں کی یہ لاجک سمجھ میں نہیں آتی۔ تم نے بھی تو مجھ سے پسند کی شادی کی ہے، پھر تم قابل معافی اور صرف میں مجرم کیوں؟'' نرمین کھسک کر اس کے بازو پر سر رکھتے ہوئے قدرے جھنجھلا کر بولی تو وہ ہنسا پھر شرارت سے بولا۔

''بھئی میں گھر سے بھاگا نہیں ہوں۔ اس لیے میری تھوڑی بہت عزت کر لیتے ہیں وہ۔''

''عباد.....'' نرمین سناٹے میں آئی۔ اسے عباد کا مذاق میں کہا جملہ کوڑے کی طرح لگا تھا۔

''مذاق کر رہا ہوں یار۔'' عباد نے فوراً اسے قریب کرتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

''یہ مذاق نہیں ہے عباد! یہ وہ ٹیگ ہے جو ساری عمر کے لیے تمہارے گھر والے مجھے دینے کی کوشش کر رہے ہیں..... اور اب تم بھی.....'' نرمین کو غصہ آیا تھا۔

''اچھا اچھا..... سوری یار..... شرارت میں دھیان نہیں رہا..... اور ویسے بھی تمہارا بھاگنا میری خاطر تھا..... مجھے تو پراؤڈ ہی لگتا ہے اپنے لیے..... تمہیں نجانے کیوں شرمندگی ہوتی ہے یا غصہ آتا ہے سن کر۔''

وہ لاابالی تھا مزے سے بولا تو مزید بحث کو عبث جان کر نرمین نے لب بھینچ لیے۔ لیکن ''گھر سے بھاگی لڑکی'' کے الفاظ مسلسل اس کے دماغ پہ ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

☆☆☆

کچھ بھی تو نہیں ویسا
جیسا تجھے سوچا تھا
محسوس یہ ہوتا ہے
دکھ جھیلے تھے جواب تک
بے نام مسافت میں
بے سود ریاضت تھی
بے فیض عبادت تھی
جو خواب بھی دیکھے تھے
ان جاگتی آنکھوں نے
سب خام خیالی تھی
لیکن تجھے پا کر بھی
اور خود کو گنوا کر بھی

اس حبس کے موسم کی کھڑکی سے ہوا آئی
نہ پھول سے خوشبو کی کوئی بھی صدا آئی
رات کے ساتھ زمین کی آنکھ بھی بھیگ رہی تھی۔

☆☆☆

''میں کہہ رہا ہوں زلفی کی ماں! بہت ہو گیا۔ اب اگر اس گھر میں کسی نے اپنی من مانی کی کوشش کی تو دھکے دے کر باہر نکال دوں گا۔'' پھپھا نے بیوی کو گھرکا۔

''لو..... ایسی کیا من مانی کر لی ہم نے۔ بچے کی شادی کی تاریخ ہی تو طے کرنی ہے کون سا غوری میزائل چلانا ہے۔'' نصرت نے بھونڈا مذاق کیا۔

''بکواس بند کرو..... یہ..... یہ اس قابل ہوتا تو پہلے والی چھوڑ کر نہ بھاگتی۔ اب اسے سنجیدگی سے اسٹور سنبھالنے دے۔ مال لانے اتروانے اور اسٹور میں سیٹ کروانے کی عقل تک نہیں ہے اسے۔ صرف تجوری پہ بیٹھنا آتا ہے نواب صاحب کو۔'' پھپھا اکلوتی اولاد نرینہ سے ناکوں ناک تنگ اور شاید مایوس بھی تھے۔

''بعض لڑکے شادی کے بعد ٹھیک ہو جاتے ہیں زلفی کے ابا! فکر مت کرو۔'' وہ رازداری سے بولیں۔ پھر اطمینان سے اضافہ کیا۔ ''اور ویسے بھی کماؤ بہو ہے۔ کالج میں پڑھا رہی ہے..... دس پندرہ ہزار تنخواہ والے اسکول میں نہیں۔'' ان کی بات سن کر پھپھا کو مزید طرارہ آیا۔

''خبردااار..... ٹانگیں توڑ دوں گا جو کسی نے اس سے نوکری کروانے کا سوچا بھی تو۔'' انہوں نے آنکھیں دکھائیں۔ ''پہلی والی کو بھی مصطفیٰ نے یہی پر لگائے تھے۔ ایسے پھر سے اڑی کہ گرد بھی دکھائی نہیں دی اس کی۔ دیگ کا ایک دانہ پوری دیگ کا حال بتا دیتا ہے زلفی کی ماں! اس بے غیرت بیٹے سے کہو کہ یہ کمائے اور بیوی کو سات پردوں میں بٹھا کر کھلائے۔ اس گھر کی لڑکیوں کے لچھن کوئی خاص قابل بھروسا نہیں ہیں۔''

ان کی کھری کھری باتیں سن کر نصرت کلستی ہوئی بڑبڑانے لگیں۔

''منگنی کر لی تم نے..... شوق پورا ہو گیا۔ میں محض تمہارے بھائی کی عزت کی خاطر چپ کر گیا ہوں ورنہ جو کالک ایک بیٹی گھر والوں کے منہ پہ مل کے نکلی ہے نا۔ اس کے بعد تمہارا بھائی کوئی بیٹی بیاہ نہ پاتا کبھی۔'' وہ تلخ ہوئے۔ پھر سختی سے کہا۔

''سال بھر نام بھی مت لینا زلفی کی شادی کا۔ اسے کام سنبھالنے دے پہلے..... اتنی دیر اگر تمہاری بھتیجی کے لچھن ٹھیک رہے اور وہ گھر پہ ٹکی تو شادی کر دیں گے ورنہ کوئی اور بہو ڈھونڈ لینا۔''

ہماری ساری عمر کی نیک نامی کے بعد ہماری محض ایک غلطی پر ہمارے گن گانے والا زمانہ بہت کھٹور اور سخت گو بن جاتا ہے۔ مصطفیٰ احمد بھی اسی چھیڑے میں تھے۔ نصرت کے دل کو ان کی باتیں لگیں تو اگلے روز پھپھا اور زلفی کے اسٹور پہ جاتے ہی وہ بھائی کے گھر روانہ ہو گئیں۔

''میں نے تو پورا زور لگا لیا۔ پر زلفی کے ابا زلفی کی شادی کا نہیں مانے۔'' نصرت مایوسی سے کہہ رہی تھیں اماں کا دل ہول گیا۔

''خیر تو ہے نا نصرت!''

''ہاں۔ خیر ہی ہے..... بس ان کا خیال ہے کہ زلفی پورا کاروبار سنبھال لے تو سال بھر بعد شادی کا سوچیں گے۔ خیر سے شادی کی ذمہ داری اٹھانی ہے اب زلفی نے۔'' نصرت نے ایسے منہ بھر کر کاروبار کہا جیسے چھوٹے سے اسٹور کے بجائے زلفی اور اس کے ابا کسی شاپنگ مال کے مالک ہوں۔

''چلو۔ خیر..... دیر سے ہو مگر بھلی ہو۔'' اماں نے سکون کی سانس لی۔

''ہاں بھئی۔ اب کیا کروں۔ نرمین دغا دے کر سب کو بے اعتبار کر گئی۔ تو زلفی کے ابا کی ماننی پڑ رہی ہے..... ورنہ میں تو اگلے مہینے ہی رخصت کروا کر بہو لے گئی ہوتی۔'' نصرت آہ بھر کر بولیں ان کا انداز طنزیہ نہیں تھا لیکن پھر بھی ان کی بات اماں کا دل چیر گئی۔ نرمین کو اب اسی انداز میں یاد کیا جاتا تھا۔

حریم نے شادی لیٹ ہونے کا سنا تو اس کی فق پڑی رنگت شاداب ہو گئی۔

''اللہ تیرا شکر۔'' اس کی آنکھیں نم ہو گئیں، پھانسی کا پھندا گردن سے چند فٹ دور ہو گیا تھا۔

☆☆☆

سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں ابھی اس کو شناسائے محبت نہ کروں
روح کو اس کی اسیر غم الفت نہ کروں
اس کو رسوا نہ کروں، وقف مصیبت نہ کروں
سوچتا ہوں کہ ابھی رنج سے آزاد ہے وہ
واقف درد نہیں خوگر ایام نہیں
سحر عیش میں اس کی اثر شام نہیں
زندگی اس کے لیے زہر بھرا جام نہیں
سوچتا ہوں کہ محبت ہے جوانی کی خزاں
اس نے دیکھا نہیں دنیا میں بہاروں کے سوا
سوچتا ہوں کہ غم دل نہ سناؤں اس کو
سامنے بھی اس کے راز کو عریاں نہ کروں
(ن م راشد)

''کب آ رہے ہو واپس زیڈ! بہت مس کر رہی ہوں تمہیں۔'' کیتھی سے واٹس اپ پہ تقریباً روزانہ ہی بات ہو جاتی تھی اور تقریباً روز ہی اسے یہ جملہ سننے کو ملتا تھا۔

''ابھی تو دو ہفتے پڑے ہیں واپسی کے۔'' وہ ہنسا۔ کوئی آپ کے لیے بے چین ہے یہ خیال ہی شاد کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

''کم آن زیڈ!'' وہ اس کے ہنسنے پر برا مان گئی۔

''زیاد..... زے آاااد..... نام تو ٹھیک لیا کرو یار۔'' اس کا دھیان بٹانے کے لیے زیاد نے اپنا نام کھینچ کے ادا کر کے دکھایا۔

''جب زیڈ کہنے سے کام چل جاتا ہے تو اتنا مشکل نام بندہ کیوں لے۔'' وہ کھلکھلائی پھر کچھ یاد آنے پر اسے بتانے لگی۔

''اچھا سنو۔ کل عائشہ آئی تھی۔ میں اس کے ساتھ مسلم کمیونٹی سینٹر گئی تھی۔'' اس نے سرگوشی میں بتایا۔

''گڈ.....'' زیاد مسکرایا۔

''بہت اچھی باتیں سنیں وہاں ہم نے..... مطلب..... سیدھی دل میں اترنے والی۔ کبھی نہ سنی ہوئی۔ بہت انوکھی۔'' وہ بہت خوش تھی۔ زیاد کا دل طمانیت سے بھر گیا۔ اس کے نصیب میں لکھی جانے والی لڑکی کا دل ایمان کی روشنی کو از خود اپنانے اور روشن ہونے کو تیار تھا۔ مگر یہاں عباد کی وجہ سے جیسے حالات جا رہے تھے ان کو دیکھتے ہوئے وہ کم از کم اس بارنزہت کے سامنے کیتھی کا نام نہیں لے سکتا تھا۔

''احتیاط مائی لو! اگر تمہاری فیملی میں سے کسی کو پتا چل گیا تو تمہارے لیے مشکل ہو جائے گی۔'' زیاد نے اسے سمجھایا۔

''جو آسانی مجھے مل رہی ہے نا اپنے ''اصل'' اور اپنی روح کے بارے میں جان کر زیڈ! اس کے لیے تو شاید میں کوئی بھی مشکل سہہ سکتی ہوں۔''

وہ طمانیت سے مسکرائی۔ زیاد اس کے چہرے کی چمک اور دلفریب مسکراہٹ کو دیکھ کر مسحور سا ہوا پھر ہلکا سا کھنکھار کر اس طلسم کو گویا توڑتے ہوئے بات بدل گیا۔

''اور مارک..... اس کی طرف سے تو کچھ پیش رفت نہیں ہوئی؟'' مارک کے ذکر پر کیتھی کے تاثرات فوراً بدلے۔

''دفع کرو اسے۔ شکر ہے کہ جان چھوٹی۔ اب تو گھر میں بھی میرے سامنے اس کا ذکر نہیں کیا جاتا۔''

''چلو..... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''

''تم بتاؤ۔ واپس کب آ رہے ہو۔ میرا دل بہت اداس ہے۔ سچ میں۔'' وہ پھر سے اسی لائن پہ آ گئی تو زیاد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ جانتا تھا اگلا آدھا گھنٹہ اسے کیتھی کو بہلانے میں لگنے والا تھا۔

☆☆☆

''خود کو سنبھالو ماؤ! زندگی عباد وسیم پر ہی ختم نہیں ہو جاتی... وہ خوش ہے تو تمہیں خوش ترین لگنا چاہیے۔''

زیاد مائرہ کو لے کر ریسٹورنٹ آیا ہوا تھا، اس کا ارادہ مائرہ کی مینٹل تھراپی کا تھا جو عباد ہی کو اپنی زندگی مان کر زندگی کو ایک جگہ روک چکی تھی بمشکل اس کے ساتھ آئی۔

''وہ خوش ہے کیونکہ اس نے زندگی سے کچھ من چاہا پا لیا ہے۔ میں کیسے خوش رہوں۔ اسے کھو کر؟'' وہ تلخ ہوئی۔ سفید رنگ کے ٹراؤزر اور ٹاپ میں وہ اداس مرجھایا ہوا پھول لگ رہی تھی۔

''دیکھو..... سادہ سی بات ہے، تم بس یہ سوچو کہ اس نے آج تک تم سے لوریلیشن رکھا ہی نہیں تھا تو دھوکا کیسا؟''

''میرا ریلیشن تو تھا نا..... اور وہ جانتا بھی تھا.. پھر بھی اس نے میری فیلنگز کی ریسپیکٹ نہیں کی۔''

''محبت بھیک میں دی جانے والی شے نہیں ہوتی ماؤ۔'' وہ بچپن سے اسے ایسے ہی پکارتا آیا تھا لیکن اب مائرہ کو اس کا دیا یہ نک نیم بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''زیاد پلیز! اگر تو تم مجھے اس بے وفا اور ظالم شخص کے لیے کنوینس کرنے آئے ہو تو سوری۔ ایم ناٹ انٹرسٹڈ..... اور اگر کھانا کھلانا ہے تو آرڈر کر دو۔'' وہ رکھائی سے بولی۔

''میں حالات کو ٹھیک کرنا چاہتا ہوں مائرہ! سب ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے بالکل بھی اچھے نہیں لگتے۔''

''تو یہ سب اپنے جان سے پیارے بھائی کو سمجھاتے نا..... تم سے تو وہ اپنا کھایا ہوا ایک نوالہ تک نہیں چھپاتا۔ تب کیوں نہیں تم نے حالات ٹھیک کیے؟'' وہ تلخی و سرد مہری سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ وقت تو گزر چکا..... جو ہاتھ میں ہے، اسے تو اپنے مطابق کر سکتا ہے انسان۔''

''ڈونٹ یو وری۔ وہ مجھے اچھی طرح کرنا آتا ہے۔ تم لوگ پریشان مت ہو۔''

وہ رکھائی سے بولتی زیاد کو زمانے بھر سے خفا لگی۔ اسے محبت کو کھو کر سروائیو کرتی لڑکی پر ترس آیا۔ گہری سانس بھرتا وہ ویٹر کو اشارہ کرنے لگا جبکہ مائرہ خود پہ قابو پاتی ریسٹورنٹ میں ادھر ادھر دیکھتی خود کو اس دل دکھانے والی بحث کے اثر سے نکالنے کی سعی میں تھی۔

☆☆☆

آج بہت دنوں کے وقفے کے بعد وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میرب کو دیکھنے کے لیے نرمین کے فلیٹ پر آئی۔ پچھلے کئی دنوں سے نرمین نے کوئی بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔

''اللہ کرے میرب ٹھیک ہو۔'' حریم سارے راستے یہی دعا کرتی آئی تھی۔

نرمین اسے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی۔ اور اس سے زیادہ جوشی حریم کو تب ہوئی جب میرب اسے پہچان کر اس کی گود میں آ کر قلقاریاں مارنے لگی۔

''دیکھا..... تمہاری گود کی کتنی پہچان ہو گئی ہے اسے۔'' نرمین کو بھی خوشی ہوئی... اور اس سے زیادہ خوشی تب ہوئی جب حریم نے اسے اپنی اور زلفی کی شادی ٹل جانے کا بتایا۔

''اللہ کرے مر ہی جائے یہ زلفی! بدروح بن کے پیچھے پڑ گیا ہے ہمارے۔'' نرمین نے بددعا دی تو حریم کے دل کو کچھ ہوا۔

''فضول مت بولو۔ پھپھو کا اکلوتا بیٹا ہے۔ ہمارے نہ سہی ان کے لیے تو باعث سکون ہے نا۔''

''تو ہمارے لیے کیوں بے سکونی کا سب سے بڑا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ دوسروں کی زندگی عذاب بنانے والا سب سے بڑا مجرم ہوتا ہے سمجھیں تم۔'' نرمین نے غصے سے کہا۔

''اللہ بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اب تو سال بھر کا سکون ہے آگے بھی بہتری ہی ہوگی۔''

''بہتری بہتری کرتے کنویں میں مت گر جانا حری! یقین کرو۔ عباد جیسا لاابالی اور بقول تمہارے فلرٹی شخص۔ اس قدر محبت کرنے والا ہے کہ میرے دل سے دعا نکلتی ہے، تمہیں بھی زندگی کے سفر میں ایسا ہی ہم سفر ملے۔'' مستقبل کے پوشیدہ رازوں سے ناآشنا نرمین نے اس شاندار سے فلیٹ میں کھڑے ہو کر جو دعا حریم کو دی۔ وہ کہاں کس وقت لکھ لی گئی۔ یہ ان دونوں بہنوں میں سے کوئی نہیں جانتا تھا۔ حریم محض مسکرا کر رہ گئی۔

''آج تین چار گھنٹے رکوں گی۔ کالج میں اسٹاف کی پارٹی تھی... اسے مس کر کے یہاں آئی ہوں۔ بلکہ یوں کہو کہ تمہارے ہاتھ کا کھانا اور شام کی چائے لازم ہو گئی ہے آج۔'' میرب کو گدگداتے ہوئے حریم نے بتایا۔

''ہائے..... حری، طوبیٰ اور اماں کو بھی لے آتیں چپکے سے۔'' نرمین کی آنکھوں میں حسرت اتری۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے ان لوگوں کو دیکھے۔

''تم نا صرف میرا آنا بند کرواؤ گی بلکہ اماں سے مجھے چھتر بھی پڑواؤ گی۔'' حریم نے اسے گھورا تو وہ مسکرا دی اور آگے بڑھ کر حریم کو چوم لیا۔

''چلو..... یہ بھی اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے ایک رشتہ تو لوٹا دیا۔''

وہ کچن کی طرف بڑھتے ہوئے کھلکھلا کر بولی تو حریم یاسیت سے مسکرا دی۔

(تم کیا جانو نرمین مصطفیٰ! میں بھی کس مشکل سے دل کو سمجھا کر آتی ہوں۔ تاکہ تم اب کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔ جہاں اب تمہارے لیے ماسوائے نفرت کے کچھ بھی نہیں)

وہ ابھی چائے کے کپ لے کر بیٹھی ہی تھیں جب ڈور بیل ہوئی۔

''عباد آ گئے۔'' نرمین مسکرائی تو حریم کے تاثرات بدلے۔

''مجھے چلنا چاہیے اب..... کافی دیر ہو گئی ہے۔''

''شٹ اپ۔ چائے پیو خاموشی سے۔ پھر خود ڈراپ کر کے آؤں گی تمہیں۔'' نرمین اسے آنکھیں دکھاتی دروازہ کھولنے چلی گئی۔ اس کا خیال صحیح تھا۔ عباد آج وقت سے کچھ دیر پہلے ہی اٹھ آیا تھا۔

''بھئی یہ بھتیجی کے چاچو کی وجہ سے دوڑ لگانی پڑی مجھے۔ ان کا گزارہ نہیں ہو رہا تھا میرو کو دیکھے بنا۔'' عباد کا

خوشدلی سے کہا جملہ حریم کے کانوں سے ٹکرایا تو وہ کسمسائی۔ یعنی کوئی اور نمونہ بھی آیا تھا عباد کے ساتھ وہ سنبھل کر بیٹھی۔

''اوہو۔ بڑے بڑے لوگ آئے ہیں آج تو.....'' عباد نے حریم کے سلام کا جواب دیتے ہوئے زیاد کو خفیف سا اشارہ کیا۔

''حریم یہ زیاد ہیں عباد کے چھوٹے بھائی۔ اور یہ میری سسٹر ہے حریم!'' نرمین نے پچھلے چند دنوں میں زیاد کے ساتھ ''کچھ'' تعلقات بہتر ہو جانے کی وجہ سے رسم تعارف نبھائی، حریم خاموشی سے بیٹھی رہی۔

''یہ بھی ابھی کوئی امیر کبیر بندہ ڈھونڈ رہی ہوں گی۔'' وہ بدتمیز نہیں تھا۔ لیکن نجانے کیوں ایک دم سے یہ جملہ زیاد کی زبان سے پھسل گیا۔ نرمین کے ساتھ ساتھ حریم کا رنگ بھی بدلہ۔

''ارے نہیں..... منگنی ہو چکی ہے حریم کی۔ کالج میں جاب کر رہی ہے۔'' عباد سنبھلا۔

''بھائی کو بھی تم دوران ملازمت ہی ملے تھے شاید۔'' زیاد نجانے کس موڈ میں تھا۔ عباد نے اسے گھورا۔ حریم نے چائے کا کپ میز کی سطح پر رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھو نا حری! چائے تو پیو۔'' نرمین بوکھلائی۔

''بس پی لی۔'' حریم کی رنگت ابھی بھی فق تھی۔ بھلا عزت کو بیچ چوراہے پہ ٹھوکروں کی زد میں پڑے دیکھنا آسان ہوا کرتا ہے؟

''بیٹھو حریم! زیاد تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔''

''انسان کی زبان اس کی سوچ کا پتا دینے میں ایک منٹ نہیں لگاتی۔ میں چلتی ہوں۔ دیر ہو رہی ہے مجھے۔''

وہ سنجیدگی سے کہہ کر اپنا بیگ اٹھاتی جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ زیاد اپنے الفاظ پر نادم تو ہوا لیکن اس مغرور لڑکی کے ان الفاظ کے بعد اس کا حریم سے معذرت کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''میں خود تمہیں اسٹاپ تک ڈراپ کر کے آتی ہوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں۔ تم اپنے مہمان دیکھو پلیز۔'' حریم قصداً مسکرائی تاکہ نرمین کی شرمندگی اور ٹینشن دور ہو۔

''تمہیں برا لگا ہو گا حری! میں معذرت کرتی ہوں۔ مہمان ہے اب کچھ کہہ بھی نہیں سکتی لیکن تم نے اچھا جواب دیا میں عباد سے بات کروں گی اس کے بارے۔'' نرمین اس کا ہاتھ تھامے معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔

''یہ سب تو اب زندگی میں ہوتا ہی رہے گا۔ سننا ہی پڑے گا کس کس سے لڑو گی؟ ہم تو اب عادی ہو چکے ہیں۔ اب تو عرصہ ہو گیا۔'' حریم اس کا گال چھوتی پلٹ کر چند قدم دوری پہ موجود سیڑھیاں اترنے لگی تو نرمین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

☆☆☆

حریم نے ناشتہ کیا بنایا اس کے چند دنوں بعد اللہ جانے کیا سوچ کر نزہت نے گویا کچن کی ساری ذمہ داری ہی اس پر ڈال دی حالانکہ حریم کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ اس کا یوں جرات دکھاتے ہوئے ناشتا بنانا نزہت کو قطعاً پسند نہیں آیا تھا۔ اب روزانہ ناشتا بنانے کے بعد نسرین برتن سمیٹ کر دھوتی اور ثریا سبزی بنا کر دیتی۔ باقی کی دو ہانڈیاں، میٹھا یا چاول حریم کی ذمہ داری تھے۔ اور مصروفیت کے ان ہی دنوں میرب کے گرنے رونے اور چوٹ لگنے کا سلسلہ اتنے تواتر سے شروع ہوا کہ حریم چکرا کر رہ گئی۔

''یا اللہ..... تم اس کا دھیان کیوں نہیں رکھتیں ثریا!'' ابھی بھی میرب مسلسل رو رہی تھی اور اس کی پیشانی پر

نیل پڑا ہوا تھا۔ حریم گرم استری کے ساتھ اپنا دوپٹا رگڑ رگڑ کر مائش سے میرب کی پیشانی پر ٹکور کر رہی تھی۔
''میں تو کھیل رہی تھی بے بی کے ساتھ۔ مجھے تو بڑی بیگم نے صاحب کے کپڑے استری کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ میرب کو ان کے پاس چھوڑ کر گئی تھی میں۔'' ثریا نے صفائی پیش کی۔
''وہ تو مائرہ کے ساتھ بزی ہوں گی۔ انہوں نے کیا دھیان کرنا تھا، جب میں کچن میں ہوں تب تم میرب کو بالکل بھی اکیلے مت چھوڑا کرو۔'' حریم نے اسے سختی سے منع کیا تھا۔ مائرہ آج کل تقریباً روز ہی گھر کا چکر لگا لیتی تھی۔
''اب بڑی بیگم کوئی کام کہیں تو کیسے منع کروں؟'' وہ بے چارگی سے بولی تو حریم پھر میرب کی طرف متوجہ ہو گئی جو دوبارہ درد کے مارے رونے کی تیاری میں تھی۔
''یہ..... کیا ہوا ہے میرو کو؟'' کھانے کی میز پر حریم نے میرب کو اپنی گود میں بٹھا رکھا تھا وہ اپنی نشست سنبھالتے ہوئے ٹھٹکا اس کی مسکراہٹ سمٹی۔
''وہ..... گر گئی تھی۔'' حریم چور بنی۔
''پھر سے.....؟ تم کہاں تھیں؟'' اس نے فوراً اٹھ کر میرب کو حریم کی گود سے لے لیا اور اس کی اس سائڈ سے نیلی ہوتی پیشانی کا جائزہ لینے لگا۔
''کیا ہوا ہے میرو کو۔ یہ چوٹ کیسے لگ گئی میرے بے بی کو؟'' وہ اس کا گال چومتے ہوئے نرمی سے استفسار کر رہا تھا میرب دوبارہ چوٹ یاد آنے پہ منہ بسورنے لگی۔
''مت یاد کروائیں اسے۔ پہلے ہی بہت مشکل سے اس کا دھیان بٹایا ہے۔'' حریم نے اسے ٹوکا۔
''ماما نے مارا ہے..... میرو کو..... ایسے..... ایسے.....'' اس سے اگلا لمحہ حیران کن تھا جب میرب نے روہانسے لہجے میں اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے دھکیلنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے حریم کا نام لگا دیا ڈائننگ ٹیبل پر سناٹا پھیل گیا۔
''کس نے مارا ہے میرو کو؟'' وہ مدھم مگر بے یقین لہجے میں پھر سے سوال دہرا رہا تھا جیسے اسے جواب پر یقین نہ آیا ہو۔
''ماما نے..... میرو کو..... ماما مارتی ہے..... ایسے ایسے۔'' وہ اب اپنے دونوں گالوں پہ تھپڑ مار کر بھی بتا رہی تھی پھر منہ بسورتے ہوئے اس سے لپٹ گئی وہ دونوں بازو میرب کے گرد لپیٹے لب بھینچے حریم کو دیکھنے لگا جو سن سی بیٹھی تھی نزہت جیسے ایک دم ہوش میں آئیں۔
''یہ لو..... یہ کرتوت کر رہی ہیں بہورانی ہماری پوتی کے ساتھ..... اور تم مطمئن ہو بچی کو ایک ''سرٹیفائڈ ماں'' کے حوالے کر کے۔''
''یہ..... یہ جھوٹ ہے۔ میں بھلا کیوں..... میں تو کچن میں تھی۔ ثریا سے پوچھ لیں آپ۔'' حریم کی رنگت زرد پڑی۔ نزہت تو چاہے حریم کے خلاف جو بھی کہہ لیتیں ان کی گواہی کو کس نے سچ ماننا تھا کہ ان کی حریم سے چڑ سے ان کا بیٹا اچھی طرح واقف تھا لیکن اب میرب خود بتا رہی تھی کہ 'ماما اسے مارتی رہتی ہے تو کوئی کیسے یقین نہ کرتا۔ ''جھوٹ مت بولو..... ثریا کو تو آج سارا دن کپڑے پریس کرنے پہ لگایا ہوا تھا میں نے..... جھوٹی گواہیوں کا عادی مت کرو گھر کی نوکرانیوں کو۔'' نزہت غصے سے بولیں۔
''دیکھو لڑکی!'' وسیم سیٹھی اس سے کبھی مخاطب نہ ہوئے تھے آج ہوئے بھی تو حریم کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔
''یہ سب ڈرامے اس گھر میں نہیں چلیں گے۔ اگر میری پوتی کو کچھ بھی ہوا تو میں تمہاری اس گھر میں حیثیت کا خیال کیے بنا پولیس بلوانے میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔''
''اللہ جانتا ہے۔ میں نے تو میرب کو ہاتھ بھی نہیں.....'' حریم نے صفائی پیش کرنے کی کوشش کی لیکن

آنسوؤں سے گلا رندھ گیا۔
''ارے واہ۔ بچی کی حالت خراب ہوگئی اور یہ اپنی قسمیں دے رہی ہے۔ تم نہیں تو پھر گھر میں میں ہی بچتی ہوں..... میں نے مارا ہوگا نوچا کھسوٹا ہوگا بچی کو؟'' نزہت بل کھا کر بولیں۔
''میں نے یہ نہیں کہا۔''
''تم نے جو بھی کیا اور کہا ہے وہ سب ہمارے سامنے ہے۔'' وسیم صاحب نے سختی سے کہا تو وہ گھبرا گئی۔
''اوکے..... لیو دس..... کھانا کھائیں آپ لوگ۔ میں خود دیکھتا ہوں اس سارے معاملے کو۔'' وہ میرب کو گود میں لے کر بیٹھتے ہوئے بولا تو یک لخت ہی سارا ماحول بدل گیا۔
''ہوں۔'' نزہت سر جھٹک کر بڑبڑائیں۔ ''غضب خدا کا..... حد ہوتی ہے نفرت کی بھی۔'' حریم سے اس سے زیادہ برداشت نہیں ہوسکتا تھا وہ کرسی گھسیٹ کر اٹھی اور خود پہ قابو پاتے ہوئے تیز قدموں سے ڈائننگ روم سے نکل گئی۔
''دیکھا..... یہ ہوتے ہیں اجڈ گنوار لوگوں کے اطوار..... بیٹا اس نے اس شادی کو دل سے تسلیم ہی نہیں کیا اور اب سارا غصہ اس معصوم بچی پر نکال رہی ہے۔ جو بھی ہو..... لیکن یہ رویہ بہت خطرناک ہے اس کا۔ ایسے تو وہ بچی کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔'' نزہت متفکرانہ انداز میں کہہ رہی تھیں اس کی پیشانی کے بل گہرے ہوگئے۔
وہ کمرے میں پہنچا تو میرب فیڈر تھامے اس کے شانے سے لگی ہوئی تھی۔ اس نے اندر داخل ہوتے نظر ڈالی حریم سر منہ دوپٹے سے لپیٹے کاؤچ پہ دراز تھی۔ اسے نظر انداز کرتے ہوئے وہ میرب کو بیڈ پہ لٹانے لگا۔ وہ فیڈر منہ میں لیے لیٹ گئی تو اس نے نرمی سے میرب کی پیشانی چوم لی۔ میرب نے جھٹ فیڈر منہ سے نکالا۔
''مما پاس جانا ہے۔'' اس نے کاؤچ پہ لیٹی حریم کی طرف انگلی سے اشارہ کیا تو وہ گنگ رہ گیا ایک نظر حریم کو دیکھا وہ ابھی بھی بے حس و حرکت لیٹی تھی۔
''مما گندی ہے۔ میرو کو مارتی ہے۔ مما پاس نہیں جانا۔'' وہ حریم کو سنانے کے لیے اونچی آواز میں بولا تو میرب مچل کر اٹھ بیٹھی۔
''نیئں..... مما پاس۔'' وہ فیڈر دانتوں میں دبائے چاروں ہاتھوں پیروں کے بل بیڈ کراس کرتی لٹک کر نیچے اتری اور بھاگ کر حریم کے پاس گئی۔ وہ اپنی جگہ ششدر بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ حریم کے ظالمانہ رویے کے باوجود میرب کا اس سے لگاؤ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔
''مما۔'' چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے حریم کو جگانے کی کوشش کی تو اس نے تیزی سے دوپٹہ پیچھے کیا۔
''مماااا.....'' وہ فیڈر تھام کر کھلکھلاتے ہوئے کاؤچ پہ چڑھنے لگی۔
''جاؤ..... اپنے پاپا کے پاس جاؤ۔ جو تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ مما تو مارتی ہے نا..... جاؤ..... مما مارے گی ورنہ۔'' حریم نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا تو وہ تلملا کر اپنی جگہ سے اٹھا۔
''بی ہیو یور سیلف حریم! بچی ہے یہ..... اسے اپنی ضد اور نفرت کا نشانہ مت بناؤ۔''
''واہ صاحب! جو خود کسی کی ضد اور نفرت کی بھینٹ چڑھ چکا ہو وہ کسی دوسرے پہ یہ ظلم کر سکے گا کبھی؟'' حریم نے کڑا طنز کیا اور اٹھ بیٹھی میرب اس کی گود میں گھس گئی۔
''تو کیا میرب جھوٹ بول رہی ہے؟۔ اس کے ماتھے پہ لگی چوٹ نقلی ہے؟'' وہ بھڑکا۔
''تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' حریم کو دکھ ہوا بلکہ وہ تو جب سے میرب نے اس کا نام لیا تب سے صدمے کی گرفت میں تھی۔
''تم بول سکتی ہو جھوٹ۔ میرب نہیں۔'' وہ سنگ دلی سے بولا۔
''اللہ تو جانتا ہے نا۔ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ..... اگر میں اتنی ہی نفرت کر پاتی میرو سے تو ابھی یہ تمہیں چھوڑ

کر میری گود میں نہ گھستی۔'' حریم کو اس کی بدگمانی نے جانے کیوں دکھ دیا تھا۔

''بچے تو معصوم ہوتے ہیں۔ ماؤں کی مار تو ویسے بھی بھول جاتے ہیں... لیکن میں ایک بات بتادوں تمہیں حریم! آئندہ ایسا کچھ ہوا تو میں سخت ایکشن لوں گا... میرب کی شکل میں میری محبت بستی ہے سمجھیں تم۔'' وہ بہت کم غصے میں آتا تھا لیکن اب جب سے میرب والی بات ہوئی تھی اس کی آنکھوں کی سلگتی کیفیت کچھ الگ سی ہی تھی۔

''آپ بتاؤ میرو! آپ کو چوٹ کیسے لگی؟'' وہ میرب کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے نرمی سے ایک بار پھر پوچھنے لگی۔ تو وہ فیڈر منہ سے نکال کر پٹاخ سے بولی۔

''مما نے مارا..... میرو کو..... ایسے ایسے.....'' وہ جو سمجھ رہی تھی کہ اس کی گود میں بیٹھ کر شاید میرب کا بیان بدل جائے گا شدید خفت کا شکار ہونے لگی۔ وہ دکھ سے بولا۔

''یہ بچی ہے حریم! مار کھا کر بھی تمہارے ہی پاس آتی ہے پلٹ کر۔ اس پر اپنا غصہ مت نکالو۔ میری لڑائی میرے ساتھ لڑ کے ختم کرو۔''

''مجھے یہ لڑائی عمر بھر ختم نہیں کرنی۔ سمجھے تم..... اور میرب میری بھی پیاری بہن کے وجود کا حصہ ہے۔ صرف تمہاری جائداد نہیں ہے۔''

''اسے سلا کر بستر پر لٹاؤ..... پھر ہی میں سوؤں گا۔'' چبا کر کہا تو حریم کو دکھ کے مارے رونا آنے لگا۔ اس قدر بے اعتباری۔

''اب یہ تم زیادتی کر رہے ہو۔''

''میرا اعتبار اٹھ گیا ہے تم پر سے حریم مصطفیٰ!! سیدھی سی بات ہے۔'' وہ دوٹوک انداز میں بولا تو حریم خاموش ہو کر گود میں لیٹی نیند کی زد میں آئی میرب کو دیکھنے لگی... اس کے دل و دماغ سن سی کیفیت میں تھے۔

☆☆☆

''دیکھ لیا تم نے زبردستی کی شادی کر کے..... میرب کی ماں چاہیے ماں چاہیے..... لے آئے تھے نا ماں اس کے لیے..... اس سے تو اچھا تھا میڈ کی گود میں پل جاتی۔ مائرہ نے بھی تو یہی حل پیش کیا تھا۔'' نزہت نے اگلے روز ناشتے کی میز پر وسیم صاحب کے اٹھتے ہی پھر سے بیٹے پر چڑھائی شروع کر دی۔

''مائرہ کا مسئلہ اور تھا مما! وہ میرب کو قبول نہیں کر سکتی تھی۔'' وہ مدھم پڑا حریم کے عمل نے اسے کچھ کہنے لائق چھوڑا ہی کہاں تھا۔

''تو اس نے کہاں کر لیا؟ آئے روز کبھی تھپڑ کبھی چٹکی۔ ہر وقت بچی روتی رہتی ہے۔ مما نے مارا مما نے مارا۔'' نزہت بھڑکیں۔ ''مائرہ کا دل تو شفاف تھا بیٹا! اگر وہ تمہیں میرب کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی تو صاف کہتی تھی۔ وہ میرب کو سیڑھی بنا کر تم تک پہنچ بھی سکتی تھی لیکن بعد میں ایسی ہی بدمزگی پھیلتی جیسی اب پھیل رہی ہے۔ اسی لیے تو وہ صاف کہتی تھی کہ میرب کو میڈ سنبھال لے گی۔ تم لوگوں کے تعلقات بھی خوش گوار رہتے۔''

''اب وہ وقت تو گزر چکا مما! مجھے صرف حال کی فکر ہے۔''

''وقت کو واپس نہیں لایا جا سکتا لیکن دہرایا ضرور جا سکتا ہے میری جان! مائرہ ابھی بھی وہیں ہے۔ طلاق دو اس لڑکی کو اور جان بچاؤ اپنی بھی اور میرب کی بھی۔ ویسے بھی کون سا اسے تم دونوں کی پروا ہے۔ نفرت ہی نفرت دکھائی دیتی ہے اس کی آنکھوں میں مجھے..... حد ہے..... یہ بھی نہیں سوچتی کہ یہاں سے نکالی گئی تو نہ آگے کی نہ پیچھے کی۔ پھر کس برتے پر اتنی اکڑ دکھا رہی ہے۔'' نزہت کڑوے لہجے میں کہہ رہی تھیں اور کچن میں موجود حریم نے حرف بہ حرف ان کی تمام باتیں سنی تھیں اور اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں کر لیا۔ وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بنائی جا رہی تھی... اور یہاں سے واپسی... اسے جھرجھری آئی۔ اب بھلا اسے وہاں کون قبول کرنے والا

تھا... ابا تو وہ تھے جنہوں نے اسے کھڑے کھڑے لوٹا دیا تھا..... تو وہ کس برتے پر اتنی اکڑ دکھا رہی تھی؟ کیا مائرہ کے لیے جگہ خالی کرنے کے لیے؟

وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا جب دروازہ کھولتے اس کے ہاتھ پر نرم سے ہاتھ کا لمس آن ٹھہرا وہ بے اختیار چہرہ موڑ کر دیکھنے لگا۔

''آئم سوری۔'' حریم کی آنکھیں نم تھیں اور لب کپکپاتے ہوئے..... جیسے یہاں تک آنے کے لیے جانے کتنی مشقت اٹھائی ہو۔

''فار واٹ؟ (کس لیے)۔'' اس نے ابرو اچکا کر برکھائی سے پوچھا۔

''فار ایوری تھنگ (ہر چیز کے لیے)۔'' حریم نے اپنے دل پر پاؤں رکھا چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد گہری سانس بھر کر اس نے حریم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

''ٹھیک ہے..... ایک موقع اور دیا تمہیں حریم! اپنی زندگی بنانے اور میرب کی زندگی میں خوشیاں بھرنے کے لیے۔''

حریم نے آنسو پیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ اس کی آئندہ زندگی کی بقا کس چیز میں ہے۔

وہ اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا تھا حریم بے تاثر نظروں سے اسے گیٹ سے گاڑی نکالتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اخر گزر ہی جائے گی حیات!
یہ کوئی تا حیات تھوڑی ہے

☆☆☆

''یہ ابھی تک اسی گھر میں ہے؟'' وہ میرب کا فیڈر بنا کر نزہت کو دینے آئی تو مائرہ ان کے پاس بیٹھی تھی۔ حریم کو دیکھ کر جان بوجھ کر ناک چڑھا کر نزہت سے پوچھا تو انہوں نے فیڈر تھام کر حریم کو جانے کا اشارہ کیا۔

''بس تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں..... فکر مت کرو۔ جو لایا ہے اسے وہی دھکے دے کر نکالے گا۔'' اس نے اپنے پیچھے نزہت کی ہلکی سی آواز سنی تو اس کا دل ڈوبنے لگا اس گھر میں یقیناً اس کے خلاف سازشیں شروع ہو چکی تھیں۔ وہ کھانا پکا کر فارغ ہو چکی تھی جب میرب کے رونے کی آواز پہ افتاں و خیزاں کچن سے باہر لپکی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو وہ اسے سلا کر آئی تھی... شاید خواب میں ڈر گئی ہو۔ وہ کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے اندازے لگا رہی تھی سامنے ہی ثریا روتی ہوئی میرب کو اٹھائے بہلاتی ہوئی دکھائی دی تو حریم تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

''ارے ارے..... کیا ہو گیا میری پرنسس کو..... میرا بچہ۔'' اس نے ثریا کی گرفت سے میرب کو لے لیا تھا۔ ''میں تو جب اوپر آئی تو رو رہی تھی بے بی۔'' ثریا نے بتایا۔

''سوتے میں ڈر گئی ہو گی۔ تم جا کر سلاد بنا لو اور کچن صاف کر دینا ذرا۔'' حریم نے اسے ٹہلایا۔ اور میرب کو تھپک کر چپ کروانے لگی۔

''کیا ہو گیا ہے میرو کو..... کیوں رو رہی ہے میری شہزادی؟'' وہ بہلاتے ہوئے میرب کو کمرے میں لائی۔

''ماما نے مارا ہے۔'' میرب نے منہ بسورتے سسکتے ہوئے کہا تو وہ دھک سے رہ گئی۔ اگلے ہی پل اس کے ذہن میں بجلی سی کوندی۔

''کس نے مارا ہے میرو کو..... دادو جان نے؟'' اس نے آہستہ آواز میں میرب سے پوچھا تو اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ شاید اس راز سے پردہ اٹھنے والا تھا جو حریم کی زندگی میں ہلچل مچا رہا تھا۔

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

نمرہ احمد

حالم

چوبیسویں قسط

وہ نیچے ساحل پہ پہنچی اور جھک کے پھول ریت پہ رکھے' پھر جوتوں کے تسمے کھولنے لگی۔ ہوا تیز تھی۔ ایک جھونکے نے گلدستے کو اڑایا اور سامنے لڑھکا دیا۔ اس نے تیزی سے پیر جوتوں سے آزاد کیے اور پھولوں کی طرف لپکی پہ مگر چند قدم پہ ہی وہ رک گئی۔

سامنے سے فاتح چلا آ رہا تھا۔ اس رات کی ''ملاقات'' کے بعد اسے آج روبرو دیکھنے پہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ردعمل دے۔ وہ وہیں ٹھہر گئی۔ اوڑھنی سے ڈھکے بال تیز ہوا سے باہر نکل نکل کے پھڑ پھڑانے لگے اور پیر ریت میں دھنستے گئے۔

وہ سرمئی پاجامے کرتے کے اوپر بنا آستین کے سیاہ جیکٹ پہنے ہوئے تھا جو کہ مقامی لباس تھا۔ البتہ اب کے اس کا لباس نفیس اور قیمتی معلوم ہوتا تھا۔ بال گیلے کر کے پیچھے کر رکھے تھے اور دھلے دھلائے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ تالیہ کو دیکھ کے وہ وہیں رکا اور جھک کے نیچے گرے پھول اٹھائے جو دور دور تک بکھر گئے تھے۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی صبح یہاں آتے ہیں۔''

''میں تمہاری دو باتوں کا جواب دینے آیا

تھا۔'' تین پھول اٹھا کے وہ سیدھا ہوا۔ چند قدم دائیں طرف گیا اور جھک کے دو پھول مزید اٹھائے۔

وہ دم سادھے کھڑی اسے دیکھے گئی۔ لہروں کا شور اور اوپر جنگل سے آتی آوازیں..... سب پسِ منظر میں چلا گیا تھا۔ بس ٹھنڈی ریت تھی..... اور اس پہ ننگے پیر کھڑی ملاکہ کی شہزادی.....

''تم نے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہارے لیے یہاں رک سکتا ہوں؟ تو اس کا جواب ہے' نہیں۔ کیونکہ یہ میری دنیا نہیں ہے۔ لیکن اگر میں تمہارے لیے نہیں رک سکتا تو تمہیں اس دنیا کو چھوڑنے کا بھی نہیں کہہ سکتا۔'' اس نے آخری پھول ریت سے اٹھایا اور پانی کی طرف آیا۔ پھولوں پہ ریت لگ گئی تھی۔ وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا اور جھک کے ایک ہاتھ میں چلو بھر پانی لیا۔

''اس لیے آج کے بعد میں تمہیں یہاں سے جانے کو نہیں کہوں گا۔ میں تمہاری مرضی کا احترام کروں گا۔'' فاتح نے بیٹھے بیٹھے پانی احتیاط سے پھولوں پہ ڈالا۔ ریت کے چند ذرے بہہ گئے۔ باقی اٹکے رہے۔

''دوسری بات۔ تم نے کہا کہ میں کیوں چاہتا تھا کہ تم میرے ساتھ یہاں سے چلی آؤ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ.....'' وہ نرمی سے پھولوں کے اوپر پانی بہا رہا تھا۔ سفید جنگلی پھول دھلتے جا رہے تھے۔ ''کہ میں یہ 'تمہارے' لیے چاہتا ہوں۔ تم نے ہم سب سے دور مصر جا کے..... اپنی ذات کی دریافت کے سفر میں جو کچھ سیکھا تھا' عصرہ کے کیس نے اس سب کو صفر کر دیا ہے۔ تم واپس اسی مقام پہ آ کھڑی ہوئی ہو۔ کیونکہ تالیہ' اگر تم ان الزامات کا مقابلہ نہیں کرو گی تو تم زندگی میں کبھی بھی کسی اور کا مقابلہ نہیں کر سکو گی۔ لیکن...'' اس نے گہری سانس بھری۔ ''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اب میں تمہیں یہ دنیا چھوڑنے کو نہیں کہوں گا۔''

اس نے پنجوں کے بل بیٹھے بیٹھے پھولوں کو جھٹکا دیا۔ پانی کے قطرے ان سے گرنے لگے۔ پھر اس نے سر اٹھا کے مسکرا کے اسے دیکھا جو دم سادھے وہیں کھڑی تھی۔

''اور تم مجھے اپنے بابا کے ساتھ کام کرنے سے روکنے کو نہیں کہو گی۔ نہ مجھے فرار کا مشورہ دو گی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی چوائسز کا احترام کریں گے۔ کیا تم یہ کر سکتی ہو' تالیہ؟''

وہ دھیرے سے اس کے قریب آئی۔ پھر اس کے سامنے گھٹنوں کے بل ریت پہ بیٹھی۔ لب مدھم سے مسکرائے۔ سر اثبات میں ہلا۔

''میں کر سکتی ہوں۔''

''اور میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ کل رات کے بعد میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں۔''

اس نے گیلا گلدستہ تالیہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے فاتح سے نظریں ہٹائے بغیر اسے پکڑا اور پھر لب ہلائے۔

''وان فاتح!'' وقفہ دیا تو لہروں کا شور سنائی دینے لگا۔ ''میک آوش۔''

اور یوں لگتا تھا وہ اس کی بڑی سے بڑی خواہش بھی پوری کر ڈالے گی۔ اس کے دل پہ جمی ساری ریت فاتح نے جیسے دھو ڈالی تھی.....

''ہاں.... میری ایک خواہش ہے۔'' وہ مسکرا کے کہنے لگا۔ وہ دونوں ریت پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ لہریں ان کے قریب لپکتی ہوئی آتیں اور واپس پلٹ جاتیں۔ چھینٹے اڑ اڑ کے انہیں بھگو رہے تھے۔

''کہیے۔''

''کہ ہم دونوں برابری پہ آ جائیں۔''

''برابری پہ؟'' اس نے ابرو اٹھائے۔

''ہاں۔ ہم کبھی بھی برابری کی سطح پہ اپنا رشتہ نہیں رکھ سکے۔ اس لیے ہمیں ''تو انکو'' اور ''شہزادی'' جیسے طرزِ تخاطب سے نکلنا چاہیے۔''

''کیا واقعی؟'' وہ چونکی۔

"ہاں۔ میں باس تھا اور تم فین گرل تھیں۔"
اس نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔
"پھر میں شہزادی بنی اور آپ غلام۔" وہ یاد کر کے بتا رہی تھی۔
"ایسا ہی تھا۔"
"پھر آپ دوبارہ باس بن گئے اور میں آپ کی نائب۔ ہم کبھی بھی برابر نہیں رہے۔"
"نہیں رہے۔" وہ اس کے الفاظ دہرا رہا تھا۔
"مگر ہم برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔"
"ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم دوستوں کی طرح رہیں۔ ایک دوسرے کے معاملات میں دخل دیے بغیر ایک دوسرے کو جیسا ہے ویسے کی بنیاد پہ قبول کر کے۔" وہ کہتے ہوئے اٹھا تو وہ بھی ساتھ ہی اٹھی۔ ان کے ایک طرف پانی تھا اور دوسری طرف ساحل۔
"میں اس دنیا میں سیلیبریٹی نہیں ہوں۔ تم اس دنیا میں فین گرل نہیں ہو۔ نہ میں اب غلام ہوں نہ تم میرے لیے نا قابلِ رسائی شہزادی ہو۔ میرے دوست بہت کم رہے ہیں اس لیے میں شاید دوستی کے آداب سے نا آشنا ہوں۔" ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "مگر میں کوشش کروں گا کہ میں اچھا دوست بن سکوں۔ برابر کا دوست۔"
وہ حیران تھی۔ یہ عجب خوش گوار سی حیرت کا لمحہ تھا۔ اس نے وان فاتح کے ساتھ بہت سے رشتے نبھائے تھے۔ بہت سے کام اکٹھے کیے تھے مگر خادم اور مخدوم کی حیثیت سے۔ تالیہ اور توانکو کی حیثیت سے۔ وان فاتح کے ساتھ برابری کا کوئی تعلق ممکن تھا' اسے نہیں معلوم تھا۔ اور وہ اب یہ معلوم کرنا چاہتی تھی۔
"لیکن اگر ہم اس دنیا سے جانے پا میرے بابا کی سیاست کے بارے میں بات نہیں کریں گے..... تو ہم کس بارے میں بات کریں گے؟ کیونکہ ہم تو ہمیشہ یہی باتیں کرتے آئے ہیں۔ سیاست۔ وقت کا سفر۔"

وہ دونوں ابھی تک آمنے سامنے کھڑے تھے۔ یہاں سے پہاڑی پہ بنا محل نظر آتا تھا لیکن شہزادی کو اب محل کی طرف دیکھنے کی حاجت نہیں رہی تھی۔
"ہم وہ بات کر سکتے ہیں جو ہمارے دل پہ بوجھ کی طرح ہو۔ کیونکہ دوستوں کے پاس انسان دل کا بوجھ ہلکا کرنے ہی جاتا ہے نا۔" پھر وہ دونوں ایک ہی سمت میں مڑ گئے اور پانی کی گیلی حدود کے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگے۔
"آپ کے دل کو کیا بات بوجھل کیے ہوئے ہے؟" اس نے چلتے ہوئے پوچھا۔
"یہی کہ میرے بچے مجھ سے دور چلے گئے اور عصرہ نے ہمیں چھوڑ دیا۔ یہ ایسا غم ہے جو ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ملال زیست	آمنہ ریاض	300/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	400/-
فصل غم کا گوشوارہ	رضیہ جمیل	300/-
دل اک گلشن	رضیہ جمیل	300/-
سوچ نگر کی رانی	رضیہ جمیل	350/-
حنا	نادرہ خاتون	550/-
چلمن	نادرہ خاتون	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی۔ فون: 32216361

ہے؟'' اس نے چلتے چلتے تالیہ کی طرف گردن موڑی۔ اس کے ساتھ برابر چلنا عجیب تھا مگر اچھا تھا۔ جو بھی تھا' اچھا تھا۔

''بابا نے ایڈم کو زخمی کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس کے پاس صرف ایک ماہ ہے اور مجھے اس کی دوا ایک ماہ کے اندر ڈھونڈنی ہے۔'' وہ مختصراً سارا قصہ بتاتی گئی۔

''اوہ۔'' فاتح نے کراہ کے آنکھیں میچیں۔ ''تو یہ بات تھی۔''

''اور اب میری یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں سلطان مرسل کو انکار کیسے کروں۔'' وہ ریت پہ چلتے چلتے رکی اور گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا آپ کبھی ہمارے رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں؟''

''تمہارا مطلب ہے کہ تم اس وجہ کو اگر سلطان کے سامنے رکھو تو.....''

''میں نے پوچھا' کیا آپ کبھی ہمارے رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں؟''

وہ اپنے قدموں پہ رک گیا۔ پھر مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ان نظروں سے اندرونی کیفیات کا اندازہ قطعاً نہیں ہوتا تھا۔

''ہاں۔ میں سوچتا ہوں۔'' مبہم سا جواب دے کر وہ پانی کی سمت بڑھنے لگا۔ اس کے قدم ریت پہ نشان چھوڑتے تالیہ سے دور جا رہے تھے۔

''کیا آپ اپنی دنیا میں واپس جاتے ہوئے مجھے اس رشتے سے آزاد کر جائیں گے؟ ہم نے یہ صرف سلطان مرسل کی وجہ سے کیا تھا۔'' وہ پیچھے سے اسے پکار کے بولی۔ سوال پوچھتے ہوئے دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔

فاتح کے پاؤں پانی میں ڈوب چکے تھے۔ اس کی تالیہ کی طرف پشت تھی۔ وہ سمندر کے افق پہ نکلتے سورج کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر تمہارے اوپر عصرہ کے قتل کا الزام نہ ہوتا اور تم میرے ساتھ ہماری دنیا میں واپس جاتیں' تو کیا تم اس رشتے سے آزاد ہونا چاہتیں؟''

''جی۔'' اس نے بنا تامل کے کہا تو وہ چونکا۔ مڑ کے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اگر ہماری دنیا میں سب ٹھیک ہوتا' تم تب بھی میرے ساتھ نہ رہتیں؟''

''نہیں۔ کیونکہ وہاں میں ہمیشہ ''دوسری عورت'' کے طور پہ جانی جاؤں گی۔ آپ کے بچے اشعر' اور آپ کے فینز.... سب مجھے ایک ایسی عورت سمجھیں گے جس نے عصرہ کی جگہ لی۔ مجھے وہ عزت کبھی نہیں ملے گی جو میں چاہتی ہوں۔ اس لیے میں کبھی بھی آپ کی دنیا میں آپ کے ساتھ رہنے کا نہیں سوچ سکتی۔'' وہ سادگی سے بتا رہی تھی۔

وہ ابھی تک آدھا گھوم کے اسے تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا تھا۔

''اور اگر میں یہاں رہ جاؤں.... تمہارے ساتھ.... تو کیا تم اس رشتے کو قبول کر لو گی؟''

اس سوال نے چند لمحے کے لیے تالیہ کا دل مٹھی میں لے لیا۔

''میں آپ کو اپنے لیے کبھی نہیں روکوں گی۔ میں اور آپ ایک مجبوری کے تحت اس تعلق میں بندھے تھے۔ ہم نہ کبھی ایک کپل تھے' نہ بن سکتے ہیں۔ ہم صرف اچھے دوست رہ سکتے ہیں۔''

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہم صرف یہی بن سکتے ہیں۔'' وہ گہری سانس لے کر واپس پانی کو دیکھنے لگا تو تالیہ کے دل کو دھکا سا لگا۔ اسے توقع تھی کہ وہ اس کی بات کی نفی کرے گا۔ کچھ اختلافات ہم صرف رد کیے جانے کے لیے پیش کرتے ہیں۔ مگر وان فاتح نے اس کی تائید کر دی تھی۔ یعنی وہ دونوں کبھی بھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ دو دنیاؤں کے دو مختلف باشندے تھے۔ ان کا آسمان ایک جیسا نہ تھا۔

''تم سلطان مرسل کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم پہلے سے شادی شدہ ہو؟'' وہ موضوع کو وہیں لے آیا جہاں سے اس کا رخ بدلا تھا۔

''سوچ رہی ہوں یہی کہہ دوں۔ مار تو نہیں دے گا وہ مجھے۔''

''یعنی تم واقعی ملاکہ کی ملکہ نہیں بننا چاہتیں؟''

اس کے انداز پہ تالیہ کی ساری خوش اخلاقی ہوا ہوئی۔ آنکھیں اٹھا کے خفگی سے اسے گھورا۔

''مانا کہ وہ ملاکہ کا سلطان ہے ....اس کے پاس ہزاروں سپاہیوں کے لشکر ہیں جو اس کے ایک اشارے پہ چاند تارے توڑ کے لا سکتے ہیں' لیکن....''

ایک لہر اٹھ کے آئی اور اس کے پیر بھگو گئی۔ ٹھنڈا یخ پانی پیروں کو برف کر کے پیچھے ہٹ گیا اور تالیہ سن سی وہیں کھڑی رہ گئی۔

''وہ ملاکہ کا سلطان ہے۔ اور وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔'' اس نے بے یقینی سے دہرایا۔ فاتح بغور دیکھنے لگا۔

''تو؟''

''تو مجھے اس سے شادی کر لینی چاہیے۔'' وہ چونک کے بولی۔

''کیا ہوا؟''

مگر تالیہ نے) سے اپنے جوتے اٹھائے اور محل کی سمت قدم اٹھانے لگی۔ گلدستہ اس نے پانی کی طرف اچھال دیا اور خود آگے بڑھتی گئی۔

''کیا مطلب تمہیں اس سے شادی کر لینی چاہیے؟'' وہ ناگواری سے اسے پکار رہا تھا۔

''تالیہ کے پلان ہیں..... تالیہ کی مرضی!'' شہزادی مبہم مسکراہٹ کے ساتھ کہتی اس سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

کتب خانے کے کونے میں بچھونا بچھا تھا اور اس پہ لحاف میں دبکا ایڈم سو رہا تھا جب کسی نے کھڑکی اس کے اوپر کھول دی۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ بند آنکھوں سے بھی ایڈم کو محسوس ہوئی تھی۔ اس نے کراہت سے لحاف اتار کے سر باہر نکالا۔

''اٹھو ایڈم۔ تمہیں ایک کام کرنا ہے۔''

کمزور سا ایڈم حیرت سے اٹھ بیٹھا۔ ''کیا ہمیں دوا مل گئی؟'' مگر پھر اس کا چہرہ بجھ گیا۔ ''لیکن اتنی جلدی کیسے مل سکتی ہے۔ اس میں تو بہت وقت لگے گا۔''

''ریاضی پڑھی تھی نا بچپن میں؟'' وہ اس کی میز سے قلم دوات الٹ پلٹ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''ایک سادہ سا ریاضی کا سوال ہے۔ اگر ایک آدمی ایک گھنٹے میں ایک اینٹ بناتا ہے تو دس گھنٹے میں کتنی اینٹیں بنائے گا؟''

''دس۔ لیکن۔ کون سی اینٹ ہے جو ایک گھنٹے میں بن جاتی ہے۔''

''اونہوں۔ مثال دے رہی ہوں۔ اگر دس کی جگہ سو آدمی اینٹیں بنانے لگ جائیں تو ایک گھنٹے میں کتنی اینٹیں بن جائیں گی؟''

''سو۔''

''ہمارے پاس ایک ماہ ہے مگر ہم دو ہیں۔ بلکہ۔'' اس کے کمزور وجود کو دیکھا۔ ''بلکہ قریباً ڈیڑھ ہی ہیں۔''

پھر آنکھوں میں چمک اتری اور لبوں پہ مسکراہٹ۔ ''مگر وہ کون ہے جس کے پاس سارے ملاکہ کی حکومت ہے' دولت ہے' اور ہزاروں کی فوج ہے؟''

''سلطان مرسل شاہ؟''

''ہاں۔ اور وہ میری تمام شرائط ماننے کو تیار ہے۔''

''کون سی شرائط؟''

''وہی جو میں ابھی اس کے سامنے رکھنے جا رہی ہوں۔'' وہ مسکرا کے کہتے ہوئے اس کے سامنے آلتی پالتی کر کے بیٹھی اور کاغذوں کا دستہ گھٹنے پہ رکھا۔ پھر قلم سیاہی میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگی۔

''اگر آپ میری یہ سات مانگیں پوری کر سکیں جن کا سوال میں آپ سے کر رہی ہوں سلطان معظم' تو میں آپ سے شادی کر لوں گی۔ دوسری صورت میں' میں ہمیشہ کے لیے ملاکہ چھوڑ کے چلی جاؤں گی۔ اور آپ چاہیں بھی تو مجھے نہیں ڈھونڈ سکیں

گے۔"

ایڈم سیدھا ہو کے بیٹھا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "آپ میری دوا کے اجزاء سلطان سے مانگیں گی؟"

"ڈائریکٹلی نہیں مانگ سکتی۔ بالخصوص طلائی گلاب تو بالکل نہیں مانگ سکتی ورنہ اس کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کسی جادو والے کام میں ملوث ہیں۔ اس لیے میں چار ایسی مانگیں رکھوں گی جو اجزائے ترکیبی سے متعلق ہیں۔ پہلی شرط۔ مچھروں کے سات بھرے ہوئے طشت۔ ایک سو آدمی اگر اٹھے مچھر پکڑنے لگ جائیں تو ہفتے بھر میں طشت بھر کے لا سکتے ہیں۔ ہمیں دوا کے لیے سات طشت چاہیے ہیں۔"

"Yuck" ایڈم نے برا سا منہ بنایا تو تالیہ نے ابرو اچکائے۔

"کیا تمہیں بھول گیا کہ تم نے مجھے گراس ہوپر دکھلائے تھے؟"

وہ اسے گھور کے رہ گیا۔

"دوسری شرط۔ جامنی پھول کے رس کی سات بوتلیں۔ ایک پھول سے ایک قطرہ نکلتا ہے۔ سلطان کی فوج کے سینکڑوں آدمی اکٹھے لگ جائیں تو یہ کام بھی ہو جائے گا۔ تیسری شرط..... جرثوموں کے دل سے بھرے سات طشت..... چوتھی شرط... کنواری عورتوں کے آنسوؤں سے بھری سات بوتلیں۔" وہ رکی۔ اور گننے لگی۔

"باقی تمام اشیاء میرے سپاہی خود ڈھونڈ لیں گے۔ ان چار چیزوں کے علاوہ صرف طلائی گلاب (ماورا مس) ہے جو ہمیں چاہیے۔" وہ کچھ سوچنے لگی۔ پھر مسکرائی۔

"طلائی گلاب ابوالخیر کے پاس ہے جس کے سونے' چاندی کے ڈھیر اور غلاموں کی کثرت اس کو طاقتور بناتے ہیں۔ اگر یہ اس سے لے لیے جائیں تو میں اس سے طلائی گلاب آسانی سے حاصل کر سکتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" اور پھر ایڈم کو یاد آیا۔ وہ جو اس نے بنگارایا ملایو میں پڑھا تھا۔

"پُل۔"

"ہاں۔ سونے کا پل۔" وہ مسکرائی۔ "مجھے اب سمجھ میں آیا کہ شہزادی تاشہ نے.... یعنی... میں نے وہ عجیب شرط کیوں رکھی تھی۔ پانچویں شرط یہ تھی کہ میرے محل سے سلطنت محل تک سونے کا ایک پل تعمیر کیا جائے۔ جس پہ چل کے میں سلطان سے ملنے جاؤں۔ اور چھٹی شرط۔ ایک چاندی کا پل جس پہ چل کے میں واپس آ سکوں۔ ان پلوں کی تعمیر کے لیے سلطان کو سونا چاہیے' چاندی چاہیے اور اس بے گار کے لیے غلام چاہیے ہیں۔ تینوں چیزیں اسے ایک ساتھ ابوالخیر سے مل جائیں گی۔"

"ابوالخیر آسانی سے اسے یہ سب دے دے گا؟"

"ظاہر ہے وہ انکار کر دے گا۔ اس لیے سلطان ابوالخیر کو ڈالے گا جیل میں اور اس کا سب کچھ ضبط کر لے گا۔ طلائی گلاب غیر محفوظ ہو جائے گا اور میں اسے حاصل کر لوں گی۔" تالیہ کا پلان تیار تھا۔ ایڈم چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔

"اور آخری مانگ؟"

"میں نے اس بارے میں بھی سوچا ہے۔ لیکن دیکھو ایڈم.... میری ساتویں اور آخری مانگ دراصل سفاک نہیں ہے۔ بلکہ ناممکن ہے۔ میں نے سلطان سے خون کا ایک پیالہ مانگنا ہے۔ سلطان مرسل شاہ کے اپنے خون کا پیالہ جس میں ان کے والدین کے خون کی آمیزش ہو۔ اپنا خون نکالنے کے لیے سلطان کو خود کو مارنا پڑے گا اور وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔"

"بنگارایا ملایو کے مطابق اس نے آخری مانگ پوری نہیں کی تھی۔"

"ہاں۔ آخری مانگ پوری کرنے کے لیے جب وہ اپنی کلائی کاٹنے لگا تھا تو شہزادی تاشہ نے بروقت اس کے پاس جا کے اس کو بچا لیا تھا اور اسے کہا تھا کہ وہ ایسے نہ کرے۔ وہ تو صرف اس کا امتحان

لے رہی تھی۔ یوں سلطان بھی بچ گیا اور ان کی شادی بھی نہیں ہوئی۔ یہ شرط رکھی ہی اس لیے گئی تھی کہ سلطان اسے پورا نہ کر سکے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ وہ خود کو نہیں مارے گا؟"

"وہ کتاب جھوٹ نہیں بولتی۔ شہزادی تاشہ اسے بچا لے گی اور سلطان مرسل ایسے نہیں مرا تھا۔ وہ بعد میں کسی اور طریقے سے مرا تھا۔ اس لیے میرے یہ سوال بالکل محفوظ ہیں۔ کچھ غلط نہیں ہوگا۔"

"چے تالیہ..... کیا میری دوا کے لیے اتنا بڑا خطرہ مول لینا ٹھیک ہے؟ آپ کو میرے لیے سلطان سے اتنا بڑا انانک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"تمہاری دوا کے لیے میں سب کچھ کروں گی ایڈم۔ دوسری دنیا میں وقت تھما ہوا ہے اور تمہارے والدین منتظر ہیں۔ میں تمہیں یہاں سے ٹھیک کر کے ہی بھیجوں گی۔ مجھے میرا وعدہ نبھانے دو....."

ایڈم نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔ "اب مجھے کیا کرنا ہے؟"

"تمہیں میری یہ شرائط لے کر سلطان کے پاس جانا ہے۔ میں بابا کے کسی قاصد کو نہیں بھیجنا چاہتی کہ وہ کہیں کچھ غلط نہ کر ڈالے۔ مجھے صرف تم پہ اعتبار ہے۔" وہ اب سر جھکائے تیز تیز قلم کاغذ پہ رگڑ رہی تھی۔ ایڈم راضی نہیں لگتا تھا مگر اس کے پاس اختلاف کرنے کے لیے کوئی نقطہ نہیں بچا تھا۔

☆☆☆

سلطنت محل کے دربار میں لاٹھی کے سہارے قدم قدم چلتا ایڈم بن محمد آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی ایک بغل تلے بیساکھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں تہہ شدہ مراسلہ تھا۔ وہ یرقان کے مریض کی طرح زرد لگتا تھا۔

تخت پہ مرسل شاہ براجمان تھا اور مشروب کے گھونٹ بھرتا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ شاہی مورخ بیمار لگتا تھا مگر سلطان کی دلچسپی اس مراسلے میں تھی جو وہ ساتھ لایا تھا۔

"شہزادی تاشہ کی سات مانگیں۔" ایڈم نے پڑھ کے سنانا شروع کیا۔ پھر بیٹھنے کی اجازت مانگی۔ اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ سلطان نے اجازت دے ڈالی۔

"میری پہلی مانگ یہ ہے کہ مجھے مچھروں کے دماغ سے بھرے سات طشت چاہیے ہیں۔"

ایڈم اب مورخ کی کرسی پہ بیٹھا مراسلے کی شرائط پڑھ کے سنا رہا تھا۔ مرسل چھیل کے تخت پہ براجمان، طشت سے انگور اٹھا اٹھا کے منہ میں رکھتا سن رہا تھا۔

"دوسری مانگ۔ مجھے سبا کے جنگلوں میں اگنے والے جامنی زہریلے پھول کے رس کی سات بوتلیں درکار ہیں۔"

سلطان نے مسکرا کے چمکتی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تیسری مانگ۔ مجھے کنواری عورتوں کے آنسوؤں سے بھری سات بوتلیں دی جائیں۔"

(صبح ہوتے ہی شہزادی کے حکم پہ مزدور لگ گئے اور اس راستے کو توڑنے لگے تھے جو بند اہارا کے محل سے سلطنت محل کو جاتا تھا۔ تالیہ اپنے کمرے کی بالکونی میں کھڑی مسکرا کے سارے عمل کا جائزہ لے رہی تھی۔)

"چوتھی مانگ۔ مجھے جرثوموں سے بھرے سات طشت چاہیے ہیں۔"

(اپنے حرم کے باغیچے میں یان سوفو بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ وانگ لی اس کو رازداری سے ایک ایک شرط پڑھ کے سنا رہا تھا۔ آخری شرط پہ ملکہ ٹھٹکی۔ پھر اس کا رنگ بدلا۔ وہ مسکرائی۔ آنکھیں چمکی۔ وانگ لی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"شرائط رکھنے کا مطلب ہے شہزادی سلطان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں کچھ کرنا ہوگا، ملکہ۔"

"شہزادی تاشہ کو ابھی معلوم نہیں کہ وہ کیا مانگ بیٹھی ہے۔ ہمیں کچھ نہیں کرنا۔ بس خاموشی سے تماشا

دیکھنا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی اور وانگ لی تعجب سے اسے دیکھ رہا تھا۔)

''میری پانچویں مانگ یہ ہے کہ آپ کے محل سے میرے محل تک ایک سونے کا پُل تیار کیا جائے جس پہ چل کے آپ میرا ہاتھ مانگنے مجھ تک آسکیں۔''

(ابوالخیر کی حویلی اس وقت مسلح فوجیوں سے بھری تھی۔ شاہی سپاہی اس کے غلاموں کو حراست میں لے رہے تھے اور صندوق کے صندوق لادے باہر جا رہے تھے۔ ابوالخیر کے چہرے پہ کالا کپڑا باندھے اسے گرفتار کر کے گھوڑا گاڑی میں بٹھایا جا رہا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ غرا رہا تھا مگر اس کی بات نہیں سنی جا رہی تھی۔)

''میری چھٹی مانگ یہ ہے کہ میرے محل سے آپ کے محل تک ایک چاندی کا پُل تعمیر کیا جائے جس پہ چل کے میں آپ کے محل آسکوں۔''

(ابوالخیر کی حویلی کے ایک اندرونی کمرے کے وسط میں سونے کا گملا رکھا تھا۔ گملے کے اندر بڑے بڑے تین سنہری گلاب کھلے تھے۔ دالان کے کنارے پہ سہمے ہوئے تین بے بس غلام کھڑے تھے۔ شہزادی کے سپاہیوں نے ان پہ تلواریں تان رکھی تھیں۔ ان کا مالک قید میں تھا اور وہ بے بسی سے شہزادی کو اندر آتے دیکھ رہے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی قریب آئی اور جھک کے ایک پھول توڑا۔ پھر اسے احتیاط سے پوٹلی کے اندر ڈالا۔)

''میری ساتویں مانگ یہ ہے کہ مجھے خون سے بھرا ایک پیالہ چاہیے۔ وہ خون خالص ترین ہو اور اس سلطنت میں سب سے خالص خون سلطان مرسل شاہ کا ہے جس میں ان کے نیک والدین کے خون کی آمیزش ہے۔ مجھے اس پاک خون کا ایک پیالہ اگر آقا فراہم کر دیں تو میں ان سے شادی کے لیے تیار ہوں۔''

(ایڈم سلطنت محل کے برآمدے کے زینوں پہ بیٹھا اپنے دستے پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے دیکھتا۔ محل میں معمول سے کہیں زیادہ غلاموں اور سپاہیوں کی دوڑیں لگتی نظر آ رہی تھیں۔ روز نئے سپاہی بلائے جاتے اور انہیں سونا پگھلا کے پل بنانے سے لے کر جرثومے اور آنسو اکٹھا کرنے بھیج دیا جاتا۔ ایڈم سر جھکائے واپس اپنا کام کرنے میں لگ گیا۔ ملاکہ سلطنت میں ہر کسی کی زبان پہ شہزادی تاشہ کی مانگوں کا چرچا تھا۔ ان واقعات کو تاریخ میں رقم کرنا ضروری تھا۔)

''میرا مورخ ان مانگوں کی تکمیل تک سلطنت محل میں رہے گا اور ان تاریخی واقعات کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے کتاب میں محفوظ کرے گا۔ مورخ کی طبیعت ناساز ہے اس لیے میری سلطان سے درخواست ہے کہ اس کا پورا خیال رکھا جائے۔''

(شہزادی تاشہ اپنے محل کی بالکونی میں کھڑی مسکرا کے نیچے پہاڑی کے دامن کو دیکھ رہی تھی۔ راستہ منہدم تھا اور وہاں نیا راستہ تعمیر کرنے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ طشت بھر بھر کے مطلوبہ اشیاء سپاہی لا رہے تھے۔ اور اسے انگلی ہلانے کی ضرورت بھی نہ پڑی تھی۔ سلطان کے سپاہی لاعلمی میں ایڈم کی دوا بنا رہے تھے۔ اور وہ بازو سینے پہ لپیٹے مسکرا کے وقت کے گزرنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ہر شے ان کے حق میں جا رہی تھی۔)

''اپنی شہزادی سے کہو کہ مجھے ان کی مانگیں بہت دلچسپ لگی ہیں۔ اور میں ان کو پورا کروں گا۔ آخری نقطے تک۔''

اور ایڈم نے ان الفاظ پہ سلطان مرسل کو دیکھتے ہوئے افسوس سے سوچا تھا۔ (بنگارایا ملایو کے مطابق ان مانگوں کو پورا کرتے کرتے مرسل شاہ نے اپنی سلطنت کو تباہ کر ڈالا تھا اور لوگوں کو اپنے خلاف کر دیا تھا۔ سونے اور چاندی کے پل چند فٹ تک ہی تعمیر ہو سکے تھے۔ اور آخر میں سلطان کی تاشہ سے شادی بھی نہ ہو سکی تھی۔ یعنی اس آدمی کا تختہ ایک عام سے انسان ایڈم بن محمد کی دوا کے لیے الٹا جا رہا ہے اور اسے خبر بھی نہیں۔ آہ۔)

☆☆☆

ملاکہ کا بازار اس دوپہر خوانچہ فروشوں کی صداؤں سے گونج رہا تھا۔ فاتح اپنے سیاہ گھوڑے پہ سوار بازار کی مرکزی گلی میں داخل ہوا تو لوگ ہٹ ہٹ کے راستہ دینے لگے۔ وہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتے جو سیاہ قبا دونوں کندھوں پہ ڈالے سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا' اور پھر آپس میں کھسر پھسر کرتے۔ وہ یقیناً کہہ رہے تھے کہ کبھی یہ جیا کا غلام فاتح ان کی طرح کا ہوتا تھا اور اب یہ راجہ کا مشیر بن چکا ہے۔ اب یہ محل والوں میں سے ہو گیا ہے۔

وہ ان کی نظروں میں لکھے شکوے پہچانتا تھا مگر عرصہ ہوا آزاد فاتح نے خود کو لوگوں کی آرا سے آزاد کرنا بھی سیکھ لیا تھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

ایک ڈھابے کے باہر بچھی میز تک وہ آیا اور انگلی سے دکاندار کو اشارہ کیا۔ (ایک چائے)۔

دکاندار فوراً باورچی کو اس کی مانگ بتانے لگا۔ ایسے میں فاتح کہنیاں میز پہ رکھے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کی متلاشی نظریں ایک سے دوسری کرسی تک جا رہی تھیں' پھر وہ ٹھہرا۔ مسکرا کے ایک لڑکے کو ہاتھ ہلایا۔ وہ لڑکا اسے دیکھ کے حیران رہ گیا۔ پھر ایک دم اپنی میز چھوڑ کے اس کی طرف لپکا۔

''آپ یہاں؟'' وہ حیرت سے کہتا اس کے سامنے بیٹھا۔ وہ ابوالخیر کی حویلی میں اس کے ساتھ کام کرتا تھا۔

دونوں رسمی باتیں کرنے لگے۔ پھر وہ لڑکا کہنے لگا۔

''میں نے سنا تھا کہ آپ کو راجہ نے محل میں تعینات کر لیا ہے مگر یقین نہیں آیا تھا۔''

وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ تو فاتح مسکرایا۔

''میں اب بھی وہی ہوں جو پہلے تھا۔ تمہیں آزاد کروانے کا وعدہ کیا تھا۔ پورا کیا نا؟''

''ہاں مگر آزاد ہو کے ہمیں کیا ملا؟ کوئی ڈھنگ کی نوکری تک نہیں دیتا جس میں چار پیسے جوڑ لیں۔''

''تم میرے لیے کام کیوں نہیں کرتے؟'' وہ میز پہ کہنیاں جمائے اس کی آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''کیسا کام؟''

''تمہیں ابوالخیر اکثر پیغام رسانی کے لیے سن باؤ اور دوسرے امراء کے پاس بھیجا کرتا تھا۔ تم ان بڑے لوگوں سے بات چیت میں اچھے ہو۔ تم آسانی سے کسی کے بھی ہاں بظاہر نوکری حاصل کر سکتے ہو۔ لیکن اندر سے تم میرے لیے کام کرو گے۔''

''آپ کہہ رہے ہیں کہ میں آپ کے لیے کسی کی جاسوسی کروں؟'' وہ دنگ رہ گیا۔

''ہاں۔''

''کس کی؟''

''سن باؤ کی۔ میں اس کے معمولات جاننا چاہتا ہوں۔ بلکہ اس کے بارے میں ہر چیز جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سن باؤ کسی شے کو چھپا رہا ہے۔ شہر سے دور کسی جگہ پہ اس نے کچھ چھپا رکھا ہے۔ میں اس شے کو تلاش کرنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔'' دکاندار چائے لے آیا تو وہ خاموش ہوا۔ نوجوان قدرے متذبذب نظر آتا تھا۔ پھر اس نے سوچتے ہوئے سر ہلایا۔

''میں سوچوں گا۔''

''وقت کم ہے۔ تمہیں تنخواہ بھی ملے گی اور مراعات بھی۔ لیکن اگر تم نے آج رات تک فیصلہ نہ کیا تو میں یہ کام کسی اور کو دے دوں گا۔ سوچ لو۔'' وہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں رات تک بتاتا ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا تھا۔

وان فاتح کے پاس سے وہ نوجوان غلام جب اٹھا تو تیزی سے بازار کی طرف چل دیا۔ احتیاط سے اس نے تین راستے بدلے اور کچھ دیر بعد وہ سن باؤ کی حویلی کے سامنے کھڑا تھا۔

''وہ مجھ سے آپ کی جاسوسی کروانا چاہتا ہے' سن باؤ۔'' وانگ لی کو ساری کتھا سنا کے اس نے ہاتھ باندھ کے کہا تھا۔ ''اس کو معلوم نہیں ہے کہ ابھی دو دن پہلے آپ نے مجھے ملازمت پہ رکھا ہے۔''

''ہوں۔'' چینی سفیر نے حقے سے تمباکو کا کش بھرا اور دھواں باہر خارج کیا۔ پھر سوچتے ہوئے بولا۔ ''تم اس کو کہو کہ تم نے اس کی پیشکش قبول کر لی ہے۔ اس سے رقم بھی لے لو۔ اس کے سامنے ظاہر کرو کہ تم مجھے دھوکا دے رہے ہو۔ اور اس کو تم نے وہی بتانا ہے جو میں کہوں۔ اور مجھے وہ بتانا ہے جو وہ تمہیں بتائے۔ ہر بات۔ ہر حرکت۔ سمجھے؟'' آخر میں اس نے اپنی چھوٹی آنکھوں سے نوجوان کو گھورا تو اس نے جلدی سے سر جھکا دیا۔

''جو حکم میرے آقا۔'' اور الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔

''غلام فاتح۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' دھوئیں کے مرغولے اڑاتا وہ سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

سلطنت محل کی اس بالکونی میں کھڑے ہونے والے کو محل کے عقبی حصے میں ہوتا تعمیراتی کام صاف دکھائی دیتا تھا۔ اس محل کے عقب سے بنداہارا کے محل تک ایک راستے کا تعین کیا گیا تھا جس کو توڑ پھوڑ کے اس کی جگہ سونے کا پل تعمیر کیا جا رہا تھا۔ یہ گزرگاہ عام عوام کی پہنچ سے دور تھی اور اس وقت سینکڑوں سپاہی اس کام پہ مامور تھے۔

بالکونی میں مرسل شاہ کرسی ڈالے بیٹھا نیچے دکھائی دیتے کام کا جائزہ لے رہا تھا۔ ایک طرف زمین پہ دوزانو بیٹھا ایڈم چوکی پہ رکھے کاغذات پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ گاہے بگاہے وہ نظر اٹھا کے سلطان کو دیکھتا' پھر دوسری جانب بت بنے کھڑے محافظوں کو اور پھر خاموشی سے اپنا کام کیے جاتا۔ اس کا کام ان تاریخی شرائط کو عمل درآمد ہوتے دیکھنا اور ان کو تاریخ میں رقم کرنا تھا۔

مرسل شاہ بازوؤں کا تکیہ بنائے سر کے پیچھے رکھے مسکرا کے نیچے دیکھ رہا تھا۔ منڈیر پہ جام دھرا تھا جس میں پھلوں کا تازہ رس اس کا منتظر تھا لیکن وہ اتنا پرجوش نظر آتا تھا کہ بھوک' پیاس سب اڑ چکی تھی۔ دفعتاً اس نے گردن موڑی اور دلچسپی سے سر جھکا کے لکھتے ہوئے مورخ کو مخاطب کیا۔

''شاہی مورخ.... شہزادی تاشہ نے وہ شرائط تمہارے ہاتھ بھجوائی تھیں؟''

ایڈم نے سر اٹھایا۔ وہ نحیف اور لاغر سا ہو چکا تھا۔ بال اڑے اڑے سے تھے اور رنگت مزید سانولی ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں میں ویرانی ہی ویرانی تھی۔

''جی.... آقا۔''

''کیوں؟ حالانکہ تم شہزادی کے خاص خادم بھی نہیں ہو۔''

محافظوں نے ایک خاموش نظر سلطان پہ ڈالی جو ایک مورخ سے براہ راست گفتگو کر رہا تھا مگر بولے کچھ نہیں کہ مقام نہ تھا۔

''شہزادی مجھ پہ بہت بھروسا کرتی ہیں۔''

''اچھا وہ کیوں؟'' مرسل کرسی پہ آدھا گھوم گیا اور دلچسپی سے ایڈم کو دیکھا۔

''کیونکہ میں غم اور خوشی دونوں میں سچ بولنے کا قائل ہوں۔ اس لیے شہزادی کو لگتا ہے کہ میرا مشورہ ہمیشہ سچا ہوگا اور میری نصیحت کبھی بے معنی نہ ہوگی۔''

''بہت دلچسپ۔ تم کہاں سے مل گئے تھے شہزادی کو؟''

ایڈم نے قلم رکھ دیا اور سر جھکا دیا' ایسے کہ لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔

''شہزادی کے بابا نے ان کو تعلیم و تربیت کے لیے جس گاؤں میں بھیجا تھا.... میں وہاں کا باشندہ ہوں۔ وہاں امراء کی ایک محفل میں میں ان سے پہلی دفعہ ملا تھا اور میں نے گستاخی یہ کی کہ میں انہیں ایک کنیز سمجھا۔ انہوں نے مجھے اس کے لیے معاف نہیں کیا۔ تب تک نہیں جب تک کہ میں ان کی غلامی میں نہ آ گیا۔''

''کیا پسند آیا تھا شہزادی کو تم میں؟'' مرسل شاہ نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

''شاید یہ بات کہ میں سوال بہت پوچھتا تھا۔ آپ سے ایک سوال پوچھوں آقا؟''

اس مقام پہ جان جانے کا ڈر کافی کم ہو چکا تھا۔ جان ویسے ہی اب غیر یقینی ہو چکی تھی۔

''پوچھو۔ ہم بھی تو سنیں کہ تمہارے سوال کیسے ہیں۔''

ایڈم کھنکھارا۔ ''اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں خوشی اور غم دونوں حالتوں میں سچ بولنے کا حکم دیا ہے۔ چاہے سامنے اپنا ہو یا دشمن۔ ایک سچ میں آپ سے بولنا چاہتا ہوں۔''

اس نے منڈیر سے نیچے دیکھا جہاں دور سپاہی کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

''آپ ایک عورت کے حصول کے لیے اپنی سلطنت کے سارے اثاثے گنوا رہے ہیں۔ کیا یہ سب آپ کے لیے فائدہ مند ثابت ہوگا' آقا؟''

مرسل شاہ نے نگینوں سے سجی پگڑی اتار کے منڈیر پہ رکھی اور سیاہ لمبے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔ پھر مسکرایا۔

''شہزادی تاشہ کے حصول کے لیے جو شرائط بھی رکھی جائیں' ان کو پورا کرنا قانون کے مطابق بالکل درست ہے۔ اگلی کوئی حکومت میرے اوپر مقدمہ نہیں چلا سکتی۔ نہ ہی میرے جرنیل یا وزراء میرے خلاف قاضی کے پاس جا سکتے ہیں۔''

ایڈم نے سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ ملاکہ کے قانون کے مطابق شادی کی شرائط پورا کرنا سلطان کا فرض تھا۔

''مگر آقا..... میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ..... ایک عورت کے لیے آپ اپنی سلطنت کا سارا مال و متاع گنوا تو نہیں بیٹھیں گے؟ دراصل میں آپ کو ایک مخلصانہ رائے دینا چاہتا ہوں۔ بے شک میں نے ہی وہ شرائط پڑھ کے سنائی ہیں.....'' (اور دل میں ایڈم نے سوچا کہ بے شک میری دوا کے لیے ہی وہ شرائط رکھی گئی ہیں) ''لیکن جس طرح آپ اپنی دولت لٹا رہے ہیں' مجھے خوف سا آنے لگا ہے۔''

وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ بنگارایا ملایو کے مطابق سلطان نے اپنا سب کچھ سونے کے اس پل کو بنانے کے پیچھے گنوا دیا تھا اور یا لآخر اس کی حکومت تک اس کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔

''آہ..... شاہی مورخ.... عورتوں کی طرح تمہیں بھی یہ خوش فہمی ہے کہ یہ دنیا عورتوں کی خواہشات کے گرد گھومتی ہے۔'' مرسل مسکرا کے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔ زمین پہ بیٹھے ایڈم نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''مگر آقا..... شہزادی کی آخری مانگ تو آپ کبھی پوری نہیں کر سکتے۔ پھر باقی مانگیں پوری کرنے کا فائدہ؟''

مرسل نے دھیرے سے گردن موڑی اور چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''کس نے کہا کہ میں آخری مانگ پوری نہیں کر سکتا؟''

یہ کہہ کے وہ اٹھا' اپنی قبا سے نادیدہ گرد جھاڑی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم اٹھ نہیں سکا۔ اسے بیٹھے رہنے کی رخصت حاصل تھی۔ دروازے تک پہنچ کے مرسل رکا' اور مسکرا کے ایڈم کو دیکھا۔

''سنو اپاہج انسان..... میں نے شہزادی تاشہ سے ساتوں مانگیں پوری کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں ساتوں پوری کروں گا۔ تمہاری حالت خراب لگتی ہے لیکن میری خواہش ہے کہ تم ان مانگوں کے پورا ہونے تک زندہ رہو۔''

وہ ازلی بے نیازی سے کہہ کے چلا گیا اور ایڈم بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ اس آدمی کی سلطنت میں کیا ہو رہا تھا' غریب کو کیا چاہیے' انصاف کے لیے لڑتے لوگوں کا درد کیا ہے..... اسے کسی چیز کی پرواہ نہ تھی۔ وہ سونے کے کھلونے بنا رہا تھا۔ اسے صرف اپنے کھیل سے غرض تھی۔

''تم واپس کیوں آ گئے؟ تمہاری دیکھ بھال

نہیں ہو رہی وہاں کیا؟'' ایڈم کو واپس اپنے محل میں دیکھ کے وہ حیران رہ گئی تھی۔

''آپ کے راستے منہدم کروانے سے واپس آنے میں مشکل پیش آئی۔ شکر ہے مراد راجہ نے جنگل والا راستہ بچا لیا تھا ورنہ سلطان کے پاگل پن نے تو سب کو مفلوج کر دیا ہے۔'' وہ جلے کٹے انداز میں کہتا لاٹھی نیچے رکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دیوان خانے میں موجود تھے اور ایڈم نے داخل ہوتے ہی بیٹھنے کے لیے ٹھنڈی زمین کا ایک قطعہ ڈھونڈا تھا۔ اس سے زیادہ دیر کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔

''کیسا ہے سلطان؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ ایڈم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''وہ کریزی سائیکو پیتھ ..... مجھے تو اس آدمی سے خوف آنے لگا ہے۔ اگر اس نے اپنی جان لے لی تو اس کا خون کس کے سر ہوگا چے تالیہ؟''

''ریلیکس۔ وہ بے وقوف ہے۔ مگر دیوانہ نہیں۔ وہ اپنی جان کبھی نہیں لے گا۔''

''وہ کریزی ہے۔ کریزی۔'' ایڈم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔ ''اس کو جب معلوم ہوگا کہ ہم نے اس کے ساتھ ایک کون کھیلا ہے تو مجھے ڈر ہے وہ کچھ غلط نہ کر ڈالے۔ آپ پلیز ان مانگوں کو واپس لے لیں۔ میری دوا کسی اور طریقے سے بن جائے گی مگر میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ اتنا بڑا خطرہ مول لیں۔''

وہ بے بسی سے سامنے کھڑی شہزادی کو دیکھ رہا تھا۔

''اب کچھ نہیں ہو سکتا' ایڈم۔ میں نے تمہیں اس سب میں پھنسایا تھا۔ میں ہی تمہیں نکالوں گی۔'' وہ شانے اچکا کے کہتی مڑ گئی تو زمین پہ بیٹھے ایڈم نے یاسیت سے اسے پکارا۔

''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں' چے تالیہ۔''

وہ مڑی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''کہو۔''

چند ثانیے خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر ایڈم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں۔ جب یہ یقین ہو جائے گا کہ مرنے والا ہوں ..... یا یہ کہ دوا سے بچ سکتا ہوں ..... تب کہوں گا۔ پہلے مجھے اس بے یقینی سے نکلنا ہوگا۔''

وہ رخ موڑ گیا۔ اسے ابھی شہزادی سے کوئی بات نہیں کہنی تھی۔

ابھی اس کے پاس وقت تھا۔

☆☆☆

بنداہارا کے محل سے نیچے پہاڑی کی ڈھلان کو جاتا راستہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا۔ وہاں بھی مزدور کام پہ لگے تھے اور متوقع طور پہ سونے کے پل کے لیے بنیادیں بنائی جا رہی تھیں۔

محل کے پائیں باغ میں دور دور تک پھل دار درخت قطاروں میں نظر آتے تھے۔ ایک درخت سے دوسرے تک کافی فاصلہ تھا اور زمین تراشیدہ گھاس سے ڈھکی تھی۔

ایسے میں ایک جگہ گھاس پہ لکڑی کا اسٹینڈ کھڑا تھا جس پہ کینوس نما کاغذ لگا تھا۔ ایک اونچی چوکی پہ مختلف رنگ کھلے پڑے تھے اور تالیہ برش اور انگلیوں کی مدد سے کینوس پہ رنگ بھر رہی تھی۔

صبح کی ٹھنڈی چھاؤں سارے باغ پہ پھیلی تھی۔ بادلوں نے آسمان کو ڈھک رکھا تھا اس لیے دھوپ ندارد تھی۔ اس خوبصورت موسم میں سفید لباس پہنے کھڑی شہزادی خود بھی کسی پینٹنگ کا حصہ دکھائی دیتی تھی۔ بال آدھے باندھے' زیورات سے مبرا وجود' سر پہ سفید ریشمی کپڑا ڈالے' وہ مسکراتی ہوئی برش چلا رہی تھی جب آہٹ پہ چونک کے سر اٹھایا۔

اس آہٹ کو وہ پہچانتی تھی۔ گھاس پہ چلتے قدموں کی اس چاپ تک کو وہ پہچانتی تھی۔

وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ آج سیاہ قبا کندھوں پہ نہیں تھی۔ سفید کرتے پاجامے پہ بنا آستین کے بھوری جیکٹ پہنے' کہنی پہ چرمی تھیلا اٹھائے' وہ کوئی سامان لے جا رہا تھا جب راستے میں درختوں کے درمیان سفید ریشم کی جھلک دیکھ کے رکا

اور ادھر ہی آ گیا تھا۔ اس کے ماتھے پہ بال بکھرے تھے اور چہرے پہ وہی مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔

اسے دیکھ کے تالیہ کے اندر تک عجیب سی خوشی اترنے لگی۔

''آپ کب آئے؟'' سر جھکا کے وہ بے مقصد برش چلانے لگی۔

''تم نے یہاں بھی اپنے ذوق کی چیزیں ڈھونڈ لیں۔'' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا اور کینوس پہ جھانکا۔ وہ ایک بلیک اینڈ وائٹ تصویر بنا رہی تھی۔

باغ کا منظر۔ دور تک پھیلے بلیک اینڈ وائٹ درخت۔ اور اس سارے پھیکے منظر میں درمیان کا صرف ایک درخت تھا جس کے اوپر نارنجی رنگ کے مالٹے لگے تھے۔

''کتنا امیزنگ ہے یہ سب۔'' وہ پینٹنگ دیکھتے ہوئے ستائش سے بولا۔

''کیا؟ میرا آرٹ ورک؟''

''نہیں۔ ہم انسانوں کی ماحول کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کی صلاحیت۔'' وہ جیسے اعتراف کر رہا تھا۔ ''میں اس قدیم دنیا میں رہنے کے ارادے سے نہیں آیا تھا' نہ ہی پہلے کی طرح لاعلمی میں یہاں پھنس گیا تھا۔ میں یہاں سے جلد از جلد جانے کے لیے آیا تھا لیکن اب دیکھو۔'' اس نے مسکرا کے تالیہ کو دیکھا۔ ''میں یہاں رہ رہا ہوں اور ماحول کے ساتھ رچ بس بھی گیا ہوں۔''

یہ فقرے کہتے ہوئے فاتح کے انداز میں کچھ بے بسی سی تھی۔ تالیہ نے برش رکھ دیا۔

''کیا میں آپ کے لیے کچھ کر سکتی ہوں' فاتح؟'' وہ دونوں باغ کے وسط میں کینوس اسٹینڈ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''نہیں تالیہ۔ ہم نے یہ طے کیا تھا کہ ہم ایک دوسرے پہ اپنی خواہش نہیں مسلط کریں گے۔''

وہ آزردگی سے مسکرا دی۔ ''پھر بھی میری خواہش ہے کہ آپ جلد از جلد ایڈم کے ساتھ اپنی دنیا میں واپس چلے جائیں۔ اور میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ آپ کا استعفیٰ جو آپ اپنی دراز میں چھوڑ آئے ہیں' جو سوموار کی صبح جمع کروایا جانا تھا' وہ آپ تلف کر دیں۔ خواہش مسلط کرنے سے منع کیا تھا آپ نے۔ خواہش بتانے سے تو نہیں۔''

''نہیں تالیہ۔ میں نے ایک غلطی کی تھی۔ مجھے اس کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔''

''آپ وزیراعظم نہیں بنیں گے تو کوئی اور بن جائے گا جو آپ سے زیادہ گناہ گار ہوگا۔ اس کرسی کو چھوڑ دینا مسئلے کا حل نہیں ہے' وان فاتح۔ اس بارے میں سوچیے گا ضرور۔ آپ کے پاس یہاں بہت وقت ہے۔ جب آپ واپس جائیں گے تو وہاں وقت ٹھہرا ہوا ہوگا اور آپ کے پاس اس استعفے کو تلف کرنے کی مہلت ہوگی۔''

''میں نے وہ خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ مسکرایا تو اس کی آنکھوں میں زخمی پن سا تھا۔ ''میں صرف اپنے آج پہ فوکس کر رہا ہوں۔ مجھے مراد راجہ کو سلطان بنوانا ہے اور اس سے وقت کی چابی لینی ہے جو کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ آسانی سے نہیں دے گا۔''

''آپ ان کو سلطان کیسے بنائیں گے؟''

''ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے بنگا رایا ملایو پڑھ رکھی ہے۔ اس کے مطابق سن باؤ وانگ لی کا پتا صاف کرنے سے مراد راجہ سلطان بنا تھا۔ تب مجھے سن باؤ ہیرو لگتا تھا۔ اب کچھ نہیں لگتا۔''

''اوہ ہاں۔'' تالیہ کو یاد آیا۔ ''مراد راجہ کے سلطان ساز نے وانگ لی کے کسی غلام کو کہا تھا کہ وہ اس شے کے بارے میں جانتا ہے جو وانگ لی چھپا رہا ہے۔''

''ہاں اور اس غلام نے سیدھا جا کے وانگ لی کو مخبری کر دی تھی۔ وانگ لی سمجھا کہ وہ سلطان ساز سے دو قدم آگے ہے' اس لیے وہ موقع ملتے ہی ایک صبح منہ اندھیرے شہر سے باہر ایک قلعے تک گیا جہاں اس نے اس شے کو چھپا رکھا تھا۔ راجہ کے سپاہی اس کی تاک میں تھے۔ جیسے ہی وہ وہاں گیا' انہوں نے

اس کو گھیر لیا' اس شے کو برآمد اور وانگ لی کو گرفتار کر لیا۔ پھر انہوں نے وانگ لی کو ایک آپشن دیا کہ وہ سفارت کاری سے استعفیٰ دے ڈالے اور ملاکہ سے رخصت ہو جائے۔ یوں وانگ لی نے استعفیٰ دیا' اور اپنے بحری سفر پہ روانہ ہو گیا، کہتے ہیں اس کی موت اس آخری سفر کے دوران ہی آ گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی ملکہ کمزور ہو گئی اور مراد راجہ مضبوط۔'' فاتح نے کتاب میں پڑھی باتیں مختصراً دہرا دیں۔

''واہ۔'' وہ محظوظ ہوئی تھی۔ ''یعنی بابا اور آپ لوگ کل صبح وانگ لی کے قلعے پہ چھاپہ مار کے اس کو گرفتا کرنے جا رہے ہیں۔ ویسے وہ چیز کیا تھی جو اس نے چھپا کے رکھی تھی؟''

''اس چیز کا ذکر کتاب میں نہیں ہے۔ قدیم کتابوں کی طرح بنگارایا ملایو میں بھی کچھ باتیں راز کی صورت میں لکھی گئی ہیں۔ وہاں بس یہ درج ہے کہ خود سلطان ساز کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ شے کیا تھی۔ لیکن جب وہ اس قلعے میں پہنچا تو اسے وہاں داخل ہوتے ہی سب سمجھ میں آ گیا۔ امید ہے کل ہمیں بھی سمجھ میں آ جائے گا۔'' پھر وہ توقف سے بولا۔ ''اور تم.... تم نے سنا ہے سلطان کے لیے بہت سخت شرائط رکھی ہیں؟''

''ایڈم کی دوا کے لیے ایک فوج چاہیے تھی جو بے وقوف سلطان نے مہیا کر دی۔''

''ایڈم کہاں ہے؟''

''بابا کا کہنا ہے کہ اس کی حالت سمندر کے بالکل قریب رہنے سے بگڑے گی اس لیے کچھ دن کے لیے اسے سلطنت محل بھیجا ہے۔ وہ زیادہ تر وہیں رہتا ہے اب۔''

وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ پھر کسی خیال کے تحت فاتح نے پوچھا۔

''کیا تمہیں اب بھی خواب آتے ہیں مستقبل کے بارے میں؟''

''نہیں۔ جب سے ہم واپس آئے ہیں' میری وہ حس مر گئی ہے۔ لیکن ہمیں مستقبل بتانے کے لیے کتاب کا علم ہے نا۔ اس کتاب میں کچھ جھوٹ نہیں تھا۔ ہم دونوں کتاب پہ بھروسا کر کے ہی اپنی حکمت عملی بنائے ہوئے ہیں' فاتح۔ سب کچھ ویسا ہی ہو گا جیسا کتاب میں لکھا ہے۔'' وہ اسے یقین دلا رہی تھی۔ اور ان دونوں کے لیے یہ اطمینان کافی تھا کہ بنگارایا ملایو کے مطابق فتح ان ہی کا مقدر تھی۔

''اور جب میں سلطان کو خودکشی سے روک دوں گی اور اسے کہوں گی کہ یہ شرط میں نے اس لیے رکھی تھی تا کہ وہ میری مانگوں کو بھی پورا نہ کر سکے اور جان لے کہ وہ زبردستی مجھ سے شادی نہیں کر سکتا تو سلطان سر جھکا دے گا۔ اور ہمارے راستے الگ ہو جائیں گے۔ ہم لامتناہی کھلاڑی ہیں۔ ہمارے پاس کتاب کی پیروی کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''درست۔ خیر۔ مجھے راجہ کے پاس جانا ہے۔ اور ان کو کل کے لائحہ عمل سے آگاہ کرنا ہے۔''

شہزادی نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ وہ اب اپنے تھیلے کو دیکھتے ہوئے اس سے رخصت مانگ رہا تھا۔

کچھ دن کے لیے ہی سہی لیکن وہ دونوں ساتھ تو تھے۔

برابری کی سطح پہ ایک دوسرے سے مخاطب تو تھے۔

اس قدیم بلیک اینڈ وائٹ باغ کے وسط میں کھڑے دو رنگین نفوس.....

☆☆☆

بنداہارا کی خواب گاہ سے ملحقہ کمرہ نیم روشن تھا۔ دیوار پہ جانوروں کی کھالیں نمائش کے طور پہ آراستہ تھیں۔ ایک مشعل کا ٹمٹماتا شعلہ مدھم روشنی بکھیر رہا تھا۔

کمرے کے وسط میں میز رکھی تھی جس پہ ایک نقشہ پھیلا تھا۔ میز پہ جھکے کھڑے راجہ کے دائیں بائیں وہ دونوں موجود تھے۔ عارف نقشے پہ مختلف جگہوں پہ نشانات لگا رہا تھا اور فاتح سرگوشی میں مراد کو صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا۔

''میری اطلاع کے مطابق کل صبح سن باؤ منہ اندھیرے اس قلعے کی طرف جائے گا۔ ہمارے آدمی اور خود ہم بھی اس کی تاک میں ہوں گے۔ ہم اس کو وہیں جالیں گے۔''

''اور اگر اس نے ہمیں چکمہ دے دیا اور ہم اس کا تعاقب نہ کر سکے؟'' عارف نے سر اٹھا کے ایک دم سوال کیا۔ مراد نے اس سوال پہ خاموشی سے فاتح کا چہرہ دیکھا۔ اس نے گہری سانس لی اور مسکرایا۔

''راجہ..... مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں۔ شہر کے ایک طرف سمندر ہے۔ باقی تینوں اطراف کی ناکہ بندی کروادی ہے میں نے۔ سن باؤ شمال کی سمت ہی جائے گا لیکن میں نے احتیاطاً دوسری دو اطراف میں بھی تعاقب کار بٹھا دیے ہیں۔ ہماری ٹولیاں جگہ جگہ سن باؤ کے لیے گھات لگا کے بیٹھی ہیں۔ ہم اسے نہیں کھوئیں گے۔ اس کا تعاقب کل صبح ہمیں لازمی اس قلعے تک لے جائے گا۔''

اس کے جواب پہ مراد نے مطمئن سے انداز میں ہنکارا بھرا تو عارف نے پہلو بدلا۔

''تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ شے کیا ہے جسے سن باؤ نے وہاں چھپا رکھا ہے؟''

مشعل کے پھڑ پھڑاتے شعلے کی روشنی فاتح کے چہرے کو نیم روشن کیے ہوئے تھی۔ اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اسی اطمینان سے گویا ہوا۔

''وہ شے وہیں جا کے آپ دیکھ لیں گے۔ ایسی حساس معلومات ابھی سے دینا دانشمندی نہیں ہے۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔'' ایک کٹیلی نظر عارف پہ ڈالی تو وہ چپ رہ گیا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو' وان فاتح۔ ہم چینی سفیر پہ حملہ کرنے جا رہے ہیں۔ اگر ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو ہم بہت بڑی مشکل میں پھنس سکتے ہیں۔'' مراد راجہ تنبیہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ فاتح نے سر کو خم دیا۔

''آپ فکر نہ کریں۔ میرا علم دھوکا نہیں دے گا۔'' وہ پر اعتماد تھا۔

مراد راجہ وہاں سے نکلا تو اس کا رخ سلطنت محل کی جانب تھا۔ اسے سلطان سے چند حکم ناموں پہ مہر اجازت ثبت کروانی تھی۔

وہ اپنے سپاہیوں کی معیت میں محل پہنچا تو معلوم ہوا کہ سلطان چند غیر ملکی سفیروں کے ساتھ ملاقات کر رہا ہے۔ اسے فارغ ہونے میں چند گھڑیاں لگنی تھیں۔ مراد راجہ دربار کے باہر باغیچے کے گھاس پہ ٹہلنے لگا۔ بازو پیچھے باندھے' وہ دائیں بائیں چکر کاٹتے ہوئے کل کے معرکے کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اسے احساس ہوا کہ باغیچے میں اس کے علاوہ کوئی اور بھی ہے۔

وہ جو اتنی خاموشی سے ایک سنگی بنچ پہ بیٹھا تھا..... خود میں سمٹا سمٹا سا..... کہ اس کے ہونے یا نہ ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا...

''کیا حال ہے تمہارا؟ بڑے دن بعد دیکھا ہے تمہیں۔'' مراد بنچ کے قریب آیا اور ایڈم کو دیکھتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔ وہ جو چادر اوڑھے وہاں گھڑی صورت بیٹھا دھوپ سینک رہا تھا' بس خاموش آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان آنکھوں میں بیک وقت اتنے گلے اور شکایتیں تھیں کہ لب ہلانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

راجہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''چچ چچ... تمہیں ابھی تک غلط فہمی ہے کہ تمہاری حالت کا ذمہ دار میں ہوں؟''

وہ اس کے ساتھ بنچ کے دوسرے کنارے پہ آ بیٹھا تو ایڈم ناگواری سے مزید سمٹا۔ مراد راجہ نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور سامنے پھیلی سرما کی دھوپ کو دیکھنے لگا جو ایک دم بادل چھٹنے سے نکل آئی تھی۔

''حالانکہ اپنی حالت کے ذمہ دار تم خود ہی ہو۔ تم نے بندا پارا مراد راجہ کو صحیح سے پرکھا ہی نہیں۔ چچ چچ۔'' وہ واقعی افسوس سے ایڈم کو دیکھ کے کہنے

لگا۔ ''تم نے مجھ سے اور کس چیز کی توقع کی تھی؟ کہ تم مجھ سے دوا مانگنے آؤ گے اور میں سونے کے طشت میں اسے رکھ کے تمہارے حوالے کردوں گا؟''

''یعنی آپ سے انسانی ہمدردی کی توقع کرنا میرا قصور ہے؟''

''سب تمہارا قصور ہے' آدم۔ سب کچھ۔'' راجہ نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔''

''دوا مل جائے گی تو ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں گے۔ آپ کی دنیا میں رہنے کا شوق نہیں ہے ہمیں۔''

''تم اپنی بات کرو۔''

''دونوں سے مراد میں اور وان فاتح ہیں۔ شہزادی تاشہ کی بات نہیں کر رہا میں۔''

''کہا نا..... تم اپنی بات کرو صرف۔ کیونکہ وہ دونوں میری اس دنیا میں خوش ہیں۔'' راجہ اپنی ہلکی داڑھی کھجاتے ہوئے سامنے افق کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ایڈم نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''اوہ۔ وان فاتح نے آپ کو سلطان بننے کی امید دلائی تو آپ ان کو بھی اسی دنیا میں رکھنے پہ راضی ہو گئے؟''

مراد نے چہرہ اس کی طرف جھکایا اور سرگوشی میں بولا۔ ''میری بیٹی نے اس سے شادی کی ہے' آدم۔ اگر اس کی بات درست ثابت ہو جائے اور مرسل شاہ کا تخت الٹ جائے.... تو مجھے اپنی بیٹی کے اس رشتے پہ کیوں اعتراض ہوگا؟ مجھے کسی سلطان کا خوف نہیں ہوگا اور وہ ہمارے ساتھ رہ سکتا ہے۔''

''آپ یہ اپنی بیٹی کے لیے نہیں کر رہے۔ آپ کو وان فاتح کی صلاحیتیں اپنی طاقت بڑھانے کے لیے چاہیے ہیں۔''

مراد نے آنکھوں میں چمک لیے ایڈم کو محظوظ انداز میں دیکھا۔

''ہاں۔ ایسا ہی ہے۔ اور میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ مجھے وہ آدمی پسند ہے۔ اور میں اسے اپنے ساتھ رکھنا چاہوں گا۔''

ایڈم کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس آدمی کو کیا کہے جو اپنی انگلیوں کے اشارے پہ سب کی زندگیاں چلانا چاہ رہا تھا۔

''مراد راجہ....'' قدرے ضبط سے وہ ٹھہر ٹھہر کے بولنے لگا۔ ''آپ نے اگر وان فاتح کو اسی دنیا میں رکھنا تھا' تو مجھے یہاں سے جلد از جلد بھیجنے کے لیے گھائل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میری جان اتنی فالتو تھی کیا؟''

''اوہ تم مختلف ہو۔'' راجہ نے فوراً سے کہا۔ ''کیا تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا؟ میری بیٹی ایک شہزادی ہے۔ وان فاتح کے ساتھ رہنے کے لیے بھی اسے شہزادی بن کے رہنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ اپنے علاقے کا بنداہارا بننے والا تھا۔ وہ خاص تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہے گی تو ہمیشہ خاص رہنا چاہے گی۔ ملکہ بننا چاہے گی۔ یہی میں چاہتا ہوں۔''

''اور میں؟'' ایڈم نے الجھ کے اسے دیکھا۔

''تم۔'' راجہ مبہم سا مسکرایا۔ ''تم عام ہو' آدم بن محمد۔ ایک بالکل عام انسان۔ تمہاری وجہ سے اس کو ہمیشہ عام لوگوں سے نسبت رہے گی۔ تم ساتھ رہو گے تو اسے لگے گا کہ عام لوگوں کی کہانیوں کے بھی خوش گوار انجام ہو سکتے ہیں۔ تم اس کا عام لوگوں کے جیت جانے پہ یقین ہو۔ ایک زمانے میں میری بیٹی تمہاری دنیا میں ایک مجرم کی طرح زندگی گزارتی تھی۔ جب اس نے مجھے کہا کہ وہ بدل گئی تھی تو میں جان گیا تھا کہ وہ کیسے بدلی تھی۔''

''انہیں وان فاتح کی باتوں نے بدلا تھا۔''

''نہیں۔ وہ تمہاری وجہ سے بدلی تھی۔ کیونکہ تم نے اسے یہ یقین دلایا تھا کہ عام لوگوں کی اچھائی ان کے لیے اچھے انعام لے کر آتی ہے۔ اس لیے میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ وہ تمہارے ساتھ رہے یا تمہاری کہانی کا اچھا انجام ہو.....'' کندھے اچکا کے مراد راجہ اٹھا تو ایڈم نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے

اچھنبے سے اسے دیکھا۔ اس کے عقب سے دھوپ آ رہی تھی اور ایڈم کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

''اسی لیے آپ چاہتے تھے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟ کیونکہ میری وجہ سے وہ کبھی نہ کبھی اپنے اصل کی طرف لوٹ آئیں گی؟ کیونکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ کوئی شہزادی نہیں ہیں۔ وہ آپ کی دنیا کی فرد ہیں ہی نہیں۔ وہ ہماری دنیا کی بے تالیہ ہیں۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تمہارا قصہ جلد ختم ہو۔ واپسی کا مجھے نہیں معلوم کیونکہ.....'' مراد اس کی طرف جھکا اور پھر سے سرگوشی کی..... ''میرے پاس اب وقت کی چابی نہیں ہے۔''

اس کے الفاظ نے ایڈم کو پتھر کا بنا دیا۔

''جس چابی سے تم لوگ واپس آئے ہو..... وہ تمہارے شکار باز نے بنائی تھی اور اس کا جادو مختلف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ تم اس سے واپس جا بھی سکو گے یا نہیں۔ لیکن جس دن تم تندرست ہو گئے' میں تمہیں ملاکہ میں مزید ایک دن نہیں ٹھہرنے دوں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھے تمہیں چین کے کسی جزیرے پہ ہی کیوں نہ بھجوانا پڑے۔''

اس کے سرد انداز میں دھمکی بھی تھی اور رعونت بھی۔ وہ اپنی کہہ کہ سیدھا ہوا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے اور آگے بڑھ گیا۔ مگر ایڈم کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑا گیا۔ وہ بالکل گم صم سا وہاں بیٹھا رہ گیا۔

☆☆☆

ملاکہ شہر سے دور اونچی نیچی پہاڑیوں کے سلسلے بنے تھے۔ وہاں ایک الگ تھلگ ویران سا قلعہ تھا جو اس صبح نیم اندھیرے میں خاموشی سے کھڑا اپنے آہنی گیٹ پہ گھوڑا روکتے سن باؤ کو دیکھ رہا تھا۔

سن باؤ اکیلا آیا تھا۔ کسی بھی محافظ یا غلام کے بغیر کیونکہ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

فربہ چینی سفیر اب ماتھے سے نادیدہ پسینہ پونچھتے ہوئے تھکا تھکا سا گھوڑے سے اترا اور سر اٹھا کے قلعے کو دیکھا۔ پھر گہری سانس لی۔

وہ کوئی عظیم الشان سا قلعہ نہ تھا۔ بلکہ کافی چھوٹا تھا۔ اور بالکل سنسان۔ اس کی پتھریلی دیواروں پہ نمی کے باعث جگہ جگہ سبز کائی جمی تھی۔

سن باؤ نے چند گہرے گہرے سانس اندر کھینچے۔ گویا تنفس ہموار کیا کہ لمبی مسافت طے کر کے آیا تھا۔ پہریداروں اور دشمنوں' دونوں کو چکمہ دے کر نکلنا آسان بات نہ تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ قلعے کی طرف بڑھا' ایک دم ہر طرف سے اس کے اوپر افتاد ٹوٹ پڑی۔

اس کا گھوڑا مضطرب سا ہو کے ہنہنایا۔ گھوڑے کو شاید اندازہ ہو گیا تھا مگر وانگ لی ہکا بکا رہ گیا تھا۔ لگام اس کے ہاتھ میں رہ گئی تھی اور وہ منہ کھولے اپنے چاروں طرف گھیرا تنگ کرتے سپاہیوں کو دیکھ رہا تھا جو جانے کہاں سے نکل آئے تھے۔

اس ششدر لمحے میں وانگ لی نے گردن دھیرے دھیرے چاروں اطراف میں گھمائی۔ یہ بنداہارا کے سپاہی تھے اور اس کے گرد دائرے کی صورت تلواریں تانے کھڑے تھے۔ مراد راجہ ان کی سربراہی کر رہا تھا۔ اور ساتھ میں.... تبھی وانگ لی نے اسے دیکھا اور اسے دیکھتے ہی اس کے کندھے مزید ڈھیلے ہو گئے... سیاہ قبا والا سنجیدہ صورت آدمی اپنے گھوڑے کو آگے بڑھاتا عین وانگ لی کے سامنے لے آیا تھا۔

وانگ لی گم صم سا زمین پہ کھڑا تھا۔ لگام ہنوز ہاتھ میں تھی۔

''سن باؤ وانگ لی.....'' وان فاتح نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ اسے مخاطب کیا۔ ''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

اس نے انتظار کیا کہ وانگ لی کچھ کہے گا۔ اپنے دفاع میں کوئی دلیل دے گا۔ یہاں آنا جرم تو نہیں ہے۔ وہ تو پاس سے گزر رہا تھا وغیرہ وغیرہ۔ مگر وانگ لی اتنا ششدر تھا کہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ اس نے لگام چھوڑ دی اور ٹکر ٹکر فاتح کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''اس سے کیا پوچھتے ہو؟'' مراد نے تحقیر سے اسے دیکھا اور سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ ''اندر جاؤ اور اس قلعے کی تلاشی لو۔''

وان فاتح نے نظریں اٹھا کے سپاہیوں کو دیکھا اور راجہ کی بات جاری رکھی۔ ''مجھے اندر موجود ہر شے کا حساب چاہیے۔ آخر سلطان کو معلوم ہونا چاہیے کہ وانگ لی نے یہاں کیا چھپا کے رکھا ہے۔''

وانگ لی اسی طرح چپ کھڑا رہا۔ پھر اس نے سر نیہوڑا دیا اور لب کاٹنے لگا۔ بے بسی کی انتہا تھی۔

سپاہی تھوڑی دیر میں ہی لوٹ آئے۔ ''اندر تو کچھ نہیں ہے۔''

فاتح نے چونک کے سپاہی کو دیکھا۔ اور پھر وانگ لی کو جس نے تیزی سے سر اٹھایا تھا۔ وہ جیسے چونکا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ اس نے کہا کچھ نہیں۔ بس چپ چاپ فاتح اور سپاہی کو دیکھنے لگا۔

''اندر موجود تمام چیزوں کو باہر لے آؤ اور.....''

''راجہ..... اندر کچھ بھی نہیں ہے..... سارا قلعہ خالی ہے.....'' عارف نے سرگوشی کی۔

ماحول عجیب سا ہو گیا تھا۔ راجہ نے گھور کے فاتح کو دیکھا اور وہ بار بار وانگ لی کے چہرے کو دیکھتا تھا جس کی رنگت بحال ہو رہی تھی۔ جیسے اس کی جان میں جان آ رہی ہو۔ اس نے سکون کا سانس لیا اور فاتح کو لگا وہ زیرِ لب مسکرایا بھی ہے۔

کچھ تھا جو غلط تھا۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' وہ ماتھے پہ بل ڈالے تیزی سے قلعے کے اندر داخل ہوا۔ بلند آواز میں سپاہیوں کو غصے سے حکم دیا کہ وہ ہر شے الٹا پلٹا دیں۔ مگر وہاں تھا کیا جس کی تلاشی لی جاتی؟ سب سامنے تھا۔

سورج نکل رہا تھا اور ہر پل وہ قلعہ مزید عیاں ہو رہا تھا۔ وہ خالی تھا۔ کسی بھی شے سے خالی۔ سوائے لکڑی جلانے کے انتظام کے علاوہ وہاں کچھ نہ تھا۔ سپاہیوں نے زمین کے کونے تک چھان مارے کہ شاید تازہ تازہ کچھ دبایا گیا ہو مگر وہاں کچھ بھی مشکوک نہ تھا۔ ہر گزرتے پل کے ساتھ وانگ لی کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

''بس کر دو' وان فاتح۔'' راجہ اس کے پیچھے اندر آیا اور ڈپٹ کے بولا۔

''مجھے ضحن کی کھدائی کروانے دیں۔ کیا معلوم اس نے یہاں کچھ دبا رکھا ہو۔ یا دیواروں میں کچھ چن رکھا ہو۔''

''ہم اس سے زیادہ چینی سفیر کو نہیں روک کے رکھ سکتے۔''

''مگر راجہ.....''

''تم اس وقت صرف یہ سوچو کہ جب یہ چینی چمگادڑ اپنی ملکہ کو شکایت لگائے گا تو میں سلطان کو کیا منہ دکھاؤں گا۔'' وہ غرا کے بولا اور پھر غصے سے سپاہیوں کو واپس بلانے لگا۔ مہم ناکام ہو چکی تھی۔

فاتح بالکل خاموش ہو گیا۔ وہ خود بھی جیسے شل ہو گیا تھا۔ اس نے چپ چاپ گھوڑا سپاہیوں کی معیت میں واپس موڑ لیا۔ وانگ لی کی آنکھیں' ان کی چمک..... وہ سب کچھ بتاتی تھی کہ قلعے میں کچھ ایسا تھا جو وہ مس کر گئے تھے۔

جس وقت انہوں نے وانگ لی کو موقع پہ پکڑا تھا' تب خود وانگ لی کو بھی یقین ہو چلا تھا کہ وہ پکڑا گیا ہے۔ وہ بار بار قلعے کو دیکھتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ جو اس نے چھپا رکھا ہے وہ لوگ اسے برآمد کر لیں گے۔ مگر وہ نہیں کر سکے تھے۔ وہ شے ان کو نظر نہیں آئی تھی۔ اور نظر کے اس دھوکے نے سارا منظر بدل دیا تھا۔

اور شاید ساری تاریخ بھی۔

اور یہ سوچ کے فاتح کا دل دھک سے رہ گیا۔

وانگ لی کی سانسیں بحال ہو چکی تھیں۔ وہ اب بار رعب آواز میں مراد سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس بے عزتی کا حساب لے گا اور مراد نا گواری سے اس کو جواب دے رہا تھا۔ مگر وان فاتح ان کی گفتگو نہیں سن

رہا تھا۔

اس کا دماغ ایک جگہ اٹک گیا تھا۔

کتاب میں لکھا تھا کہ انہیں وانگ لی کا راز مل گیا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ یعنی کہ کتاب.....؟

اس نے ایک دم لگام کو جھٹکا دیا۔ راجہ نے اسے آواز دی مگر وہ جانتا تھا کہ اسے جلد از جلد واپس ملاکہ پہنچنا تھا۔ اس وقت راجہ کی بات سننے سے زیادہ ضروری کچھ اور تھا۔

وہ آج بھی باغ میں کھڑی کینوس پہ رنگ بھر رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھوں کی پوریں نیلے اور جامنی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ گردن ٹیڑھی کیے پینٹنگ بنانے میں محو تھی۔

''تالیہ..... تالیہ.....'' وہ بھاگتے ہوئے اس کے قریب آیا تو تالیہ نے سر اٹھایا۔ اسے دیکھ کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

''آپ اتنی صبح؟''

''وہ کتاب.....'' وہ اتھل پتھل سانسوں کے درمیان کہتا اس کے سامنے آرکا۔ ''وہ کتاب سچ نہیں ہے۔''

''کیا؟'' اس نے اچھنبے سے فاتح کو دیکھا۔ وہ پسینے میں شرابور تھا۔ یوں لگتا تھا میلوں کی مسافت طے کر کے آیا ہو۔

''بنگا رایا ملایو.... اس کا تیرہواں باب سچ نہیں تھا۔ وانگ لی کا راز ہمیں نہیں مل سکا۔''

''کیا مطلب؟ آپ کو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے کیا چھپایا تھا اس قلعے میں؟''

''نہیں تالیہ۔ جیسا کتاب میں لکھا تھا ویسا نہیں ہوا۔'' وہ گھٹنے پہ ہاتھ رکھ کے جھکا اور گہرے سانس لینے لگا۔

''چچ۔'' تالیہ کو افسوس ہوا۔ ''مگر خیر.... آپ فکر نہ کریں۔ آپ وانگ لی کے خلاف کچھ اور ڈھونڈ لیں گے اور.....''

''تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آرہی کیا؟'' اس نے سر اٹھا کے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔

''کتاب ہم سے جھوٹ بول رہی ہے۔'' زور سے دہرایا تو وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

''تالیہ.... تالیہ.... تمہاری شرطیں.... تم نے سلطان کو مارنے کی شرط رکھی تھی۔'' اس نے یاد دلایا تو تالیہ نے گہری سانس لی۔

''مگر میری شرط سے سلطان کو کچھ نہیں ہوا تھا۔''

''یہ تو ہم نے کتاب میں پڑھا تھا نا۔ تمہیں کیسے پتا یہ سچ ہے؟ مجھے کتاب میں لکھی باتوں پہ بھروسا نہیں رہا۔''

''وہ اتنا پاگل نہیں ہے کہ اپنی جان لے لے۔'' اس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''ویسے بھی جب اس نے ایسا کرنے کی کوشش کی تھی تو میں اس کے پاس گئی تھی اور اس کو روک دیا تھا۔''

''کیسے؟''

''کیسے روکا تھا؟ ظاہر ہے زبان سے یہ کہہ کے کہ.....''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم اس کے پاس کیسے گئی تھیں؟ تم نے تو راستے منہدم کروا دیے تھے۔''

''ہاں مگر ہم نے جنگل سے ایک راستہ رکھا ہوا ہے نا جس سے گزر کے روز بابا محل جاتے ہیں۔ مگر کتاب کے مطابق.....'' اس نے رک کے یاد کیا۔ ''میں جادوئی طریقے سے سلطان کے کمرے میں نمودار ہوئی تھی اور میں نے اسے خودکشی سے روک دیا تھا۔ آپ پریشان نہ ہوں..... میری مانگیں سلطان کو.....''

''تالیہ.....'' وہ اس کے عین سامنے آرکا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''تمہیں کوئی ایسا جادو آتا ہے جس سے تم غائب ہو کے اس کے کمرے میں پہنچ جاؤ؟''

اور تالیہ مراد کا چہرہ ایک دم سفید پڑ گیا۔

اس کے لب کھل گئے۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ رنگ کی بوتل ہاتھ سے گری اور سبز گھاس کو داغ

دار کر گئی۔

جامنی رنگ کے چھینٹے اس کے دامن پہ بھی گرے مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ ایسے تو کوئی جادو نہیں آتا تھا۔ پھر کیا کتاب واقعی سچ نہیں تھی؟ یا اللہ۔

وہ رنگ میں ڈوبے ہاتھوں سے پہلوؤں سے لباس اٹھائے تیزی سے سامنے کی طرف بھاگی تھی۔ وہ اس کے پیچھے لپکا تھا۔

وہ سلطنت محل کے سامنے اپنی بگھی سے اتری اور سیاہ کانچ کی بنی جوتیوں سے قریباً بھاگتی ہوئی محل کی سیڑھیوں کی طرف لپکی۔ دن کے بارہ بجنے کا وقت قریب تھا اور کتاب کا جادو ختم ہونے والا تھا۔ کانچ کے سیاہ جوتوں کا بوجھ اسے چلنے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے دونوں جوتے محل کی سیڑھیوں پہ اتار دیے.....اور ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی اندر آئی.....پھر بدحواسی سے پہرہ یداروں کو پکارا.....

''آقا کہاں ہیں؟ مجھے ان سے ملنا ہے۔''

فاتح کو انہوں نے وہیں روک لیا البتہ اسے جانے دیا۔

''آقا آپ ہی کے منتظر تھے۔ ابھی آپ کو بلانے بھیجا تھا قاصد کو۔''

وہ لباس پہلوؤں سے اٹھائے تیزی سے اندر بھاگی۔ سفید لباس جگہ جگہ سے داغ دار ہو چکا تھا۔

سلطان کی خواب گاہ کے دروازے دو پہرہ یداروں نے خاموشی سے کھول دیے۔ چوکھٹ پہ تالیہ کے قدم منجمد ہو گئے۔

اندر سے اگربتی کی خوش بو آ رہی تھی۔ شاید کافور کی مہک بھی اس میں شامل تھی۔ اور شاید خون کی بھی۔

اس کی انگلیوں نے لباس چھوڑ دیا۔ وہ پہلوؤں میں برابر ہوتا اس کے پیروں سے ٹکرانے لگا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے آئی اور پھر.... برف ہو گئی۔

سامنے مرسل شاہ اس کی طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی پگڑی نہیں پہن رکھی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھا دوسری طرف کسی پہ جھکا تھا۔

کوئی اس کے سامنے لیٹا تھا۔ آہٹ پہ اس نے گردن موڑی۔ تالیہ کو دیکھا اور مسکرایا۔

''آپ کی آخری مانگ پوری ہوئی آج..... شہزادی تاشہ۔'' اس نے اشارہ کیا۔ وہاں تعینات چار محافظوں میں سے ایک کسی کام میں مصروف نظر آ رہا تھا۔ سلطان کے اشارے پہ سیدھا ہوا اور ایک پیالہ لیے تالیہ کے عین سامنے آ رکا۔ پھر اسے قریبی میز پہ ادب سے رکھا۔

اس میں تازہ خون بھرا تھا۔ سرخ گاڑھا خون۔

وہ اگلا سانس نہیں لے سکی۔

''آپ کی مانگ مجھے بہت پسند آئی تھی' شہزادی۔'' مرسل نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے بات شروع کی۔ ''مجھے آپ کو ایسا خون دینا تھا جس میں میرے اور میرے ماں باپ کے خون کی آمیزش ہو۔ اس مانگ نے مجھے وہ کرنے کا حوصلہ دیا جو میں ٹالے ہوئے تھا۔ مجھے خوف تھا کہ اگر میں نے کبھی ایسا کیا تو میرے اوپر مقدمہ چلے گا لیکن.....اب نہیں..... کیونکہ قانوناً یہ جائز تھا۔ یہ رہا آپ کا خون.....'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا۔

اب مرسل شاہ کے عقب کا منظر واضح ہوا۔

وہاں رکھے ایک ٹھنڈے تختے پہ لیٹے وجود کا چہرہ نظر آیا.....

''یہ میرے بھائی کا خون ہے...جس میں ہم سب کے خون کی آمیزش ہے.....''

تختے پہ لیٹا وجود ایک بچے کا تھا۔ بمشکل نو دس سال کے بچے کا۔ اس کا چہرہ سفید تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ اس کی گردن پہ چھری پھیرنے کے نشانات تھے۔

وہ مر چکا تھا۔

مرسل نے خون میں ڈوبا خنجر پرے رکھا اور چلتا ہوا شہزادی کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ بس سن ہوئی اس بچے کی لاش دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ کو نہیں معلوم تھا کہ میرا ایک بھائی بھی ہے؟ مگر نہیں۔ اکثر لوگوں کو نہیں معلوم تھا۔ ملکہ نے بہت دفعہ کہا کہ میں اسے مروادوں لیکن.....''
اس نے داڑھی کھجاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے اسے مارنے کے لیے کوئی ٹھوس وجہ نہیں مل رہی تھی۔ اس لیے اتنے عرصے سے اسے خفیہ قید میں رکھا ہوا تھا۔ لیکن اب نہیں۔ آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرے راستے آسان کر دیے۔ اب میں اپنے تخت کا تنہا وارث ہوں۔'' پھر اس پیالے کی طرف اشارہ کیا۔ ''آپ کا خون، شہزادی۔''
اشارہ کرتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ بدک کے پیچھے ہوئی۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔
''شہزادی!'' وہ ایک دم الٹے قدموں واپس مڑی۔
کون اسے پکار رہا تھا۔ کس کی آواز آ رہی تھی۔ تالیہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ بدحواس سی، سفید چہرہ لیے راہداریوں میں بھاگتی جا رہی تھی۔ دن کے بارہ بج گئے تھے۔ اس کی شاہی سواری ایک کدو سے زیادہ کچھ نہ تھی اور اس کے گھوڑے چوہے نکلے تھے۔ شہزادیوں والی ساری طاقت عنقا ہو چکی تھی۔
اس کا دل ڈوب رہا تھا۔ اس بچے کی شکل نظروں میں گھوم رہی تھی۔
وہ محل کے باہر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اسے بدحواسی سے باہر آتے دیکھا تو رک گیا۔ وہ ننگے پیر تھی اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔
''فاتح..... فاتح.....'' وہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ اس کے چہرے پہ شدید خوف رقم تھا۔
''کیا ہوا؟'' اسے یوں دیکھ کے وہ پریشان ہو گیا تھا۔
''مرسل شاہ کا ایک بھائی بھی تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔''
وہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''ہمیں کتاب نے دھوکا دیا ہے.... یہ لوگ..... یہ پاگل لوگ ہیں۔ یہ پاگل دنیا ہے۔'' وہ بے بسی اور خوف سے روتے ہوئے تیز تیز کہہ رہی تھی۔ ''انہوں نے ایک بچے کو مار ڈالا ہے۔ آریانہ جتنے بچے کو۔ میں نے ایک بچے کو مار ڈالا ہے، فاتح۔'' آنسو اس کے گالوں پہ پھسل رہے تھے۔
''میری مانگوں کی وجہ سے ایک بچہ مر گیا۔ مجھے نہیں چاہیے یہ محل۔ میں کوئی شہزادی نہیں ہوں۔ میں تالیہ ہوں۔ میں کے ایل کی تالیہ ہوں۔''
وہ بالکل ششدر سا اس کو بولتے سن رہا تھا۔ تسلی کے سارے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔
''میں..... میں میڈیا کا سامنا کر لوں گی۔ عدالت کا سامنا کر لوں گی۔ مجھے جیل جانا پڑا میں چلی جاؤں گی۔ مگر میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ یہ کریزی لوگ ہیں۔ یہ ہمیں بھی مار دیں گے۔ پلیز تالیہ کو تالیہ کی دنیا میں واپس لے جائیں۔''
اس نے بے بسی اور خوف کے عالم میں فاتح کے ہاتھ پکڑے۔
پہلی دفعہ..... وہ اپنا غرور اور انا بھلائے اسے کہہ رہی تھی کہ وہ اسے بچا لے۔
اس دفعہ وان فاتح کو اسے بچانا ہوگا۔
وہ خود کو خود بچاتے بچاتے تھک چکی تھی۔
فاتح نے افسوس سے اس کے ہاتھوں کو تھپکا اور بگھی کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ایک سرد نظر مرسل شاہ کے اونچے محل پہ ڈالی۔
''ہم اپنی دنیا میں واپس ضرور جائیں گے، تالیہ۔ اور ان میں سے کوئی بھی ہمیں نہیں روک سکے گا۔''

☆☆☆

اکیسواں باب:
''اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔''
اتوار کی شام تھی۔
بائیس جنوری کی تاریخ تھی۔

اکیسویں صدی کی جونکر اسٹریٹ سامنے تھی۔
اور یہ ملائیشیا کا شہر ملاکہ تھا۔
اس نے اپنے سامنے پھیلی جونکر اسٹریٹ پہ چلتے لوگوں کو دیکھا تو یاد آیا کہ جمعہ' ہفتہ اور اتوار وہ دن تھے جب اس اسٹریٹ کو پیدل چلنے والوں کی گزرگاہ بنایا جاتا تھا۔ سڑک کے کنارے اسٹالز اور بنچ لگ جاتے تھے۔ اور لوگ خریداری کرتے ہوئے' کھاتے پیتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے۔
قدیم ملاکہ میں ایک ماہ گزارنے کے باعث اسے اس شور ہنگامے اور رونق کی عادت نہیں رہی تھی۔ ہر شے مختلف تھی۔ صرف تاریخ اور دن وہی تھا۔ اتوار' بائیس جنوری کو وہ تینوں وقت میں پیچھے گئے تھے۔ پھر اسی تاریخ اور اسی دن میں اس کی ''واپسی'' ہوئی تھی۔ مگر یہ واپسی ویسی نہیں تھی جیسی اس نے چاہی تھی۔ یہ واپسی بہت سفاک تھی اور اس کا دل توڑ گئی تھی۔ چند گھنٹے پہلے پیش آنے والے حالات کا صدمہ ابھی تک اس کے حواسوں پہ طاری تھا۔ اتنے شور میں تنہا بنچ پہ بیٹھے اسے معلوم تھا کہ اب زندگی کبھی ویسی نہیں رہے گی۔ وقت نے اسے..... بلکہ ان تینوں کو بہت سخت سزا دے ڈالی تھی۔
اب وہ کیا کرے؟ ساری محنت یہاں واپس آنے کے لیے کی تھی۔ اب یہاں سے وہ کہاں جائے؟
اس نے آنکھیں بند کیں تو پل بھر کے لیے ساری دنیا اندھیری ہوگئی۔ دھیرے دھیرے اس کا ذہن قدیم ملاکہ کی طرف جانے لگا...

☆☆☆

مرسل شاہ کے بھائی کے قتل کے دو دن بعد:
شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں اندھیرا پھیلا تھا۔ جانے وہ کتنی دیر سے سو رہی تھی۔ یا تکیہ منہ پہ رکھے ہوئے تھی جب پردہ کھینچنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی احساس ہوا کہ کمرے میں روشنی در آئی ہے۔
تالیہ نے تکیہ ہٹایا تو تیز دھوپ سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک ہیولہ سا نظر آیا جو کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے آنکھیں پھر سے بند کر لیں اور دوسری جانب کروٹ موڑ لی۔
''آپ کیوں آئے ہیں؟'' بے مروتی سے پوچھا۔
وہ بازو سینے پہ لپیٹے کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ سفید کرتا پاجامہ پہنے' بالوں کو ماتھے پہ بکھیرے' نرمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''تمہیں یہ بتانے کہ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی' تالیہ۔ دو دن کمرے میں بند رہنے سے تو بالکل بھی نہیں۔''
وہ رخ موڑے بند آنکھوں سے بولی۔ ''میں بھول جانا چاہتی ہوں کہ دو دن پہلے کیا ہوا تھا۔''
''میں یاد کروائے دیتا ہوں۔'' وہ تحمل سے بولا۔ ''مرسل شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کر دیا تھا جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے تھے۔''
تالیہ کی بند پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''مجھے کیوں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے؟ کاش میں وہ شرائط نہ رکھتی۔''
''اس میں تمہارا قصور نہیں ہے' تالیہ۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے آگے آیا۔ اس کی چاپ سن کے تالیہ نے کروٹ واپس لی تو دیکھا' وہ جھک کے اس کی تپائی پہ دھری دوا کی شیشی اٹھا رہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔
''میں نے آریانہ جتنے بچے کو مارنے کی شرط رکھ دی۔''
''تم نے ایڈم کو بچانے کے لیے شرط رکھی تھی۔''
''میں آخری شرط کچھ اور رکھ سکتی تھی مگر میں نے خون لینے کی بات کیوں کی؟ کے ایل کے لوگ درست سمجھتے ہیں۔ میں واقعی ایک قاتل ہوں۔''
وہ دوائیں اٹھا اٹھا کے ایک پوٹلی میں ڈال رہا تھا۔ تالیہ تکیے پہ گال رکھے' بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔
''مجھ میں اور عصرہ میں کوئی فرق نہیں رہا'

فاتح۔ میرے ہاتھ پہ بھی ایک بچے کا خون ہے اب۔''

''اب تم بات بڑھا رہی ہو۔'' وہ دروازے تک گیا اور باہر کھڑے دربان کو پوٹلی تھمائی۔ پھر آہستہ آواز میں اسے اس کو پھینکنے اور تازہ چائے لانے کی ہدایت کی۔

''جب میں نے ذوالکفلی کو وہ چائے پلائی تھی... تو وہ سمجھا تھا میں نے اسے زہر دے دیا ہے، مگر آپ کو یقین تھا کہ میں کسی کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ میں بھی سمجھتی تھی' میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مگر میں نے ایسا کیا۔'' اس نے بھیگی آنکھیں بند کیں۔ گرم آنسو گالوں پہ لڑھک کے تکیے میں جذب ہونے لگے۔

''میرا باپ بنگارایا ملایو کا بہت بڑا فین تھا۔'' وہ ابھی تک چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اسے چائے کا انتظار تھا۔ ''اس نے بچپن میں مجھے اس کتاب سے ڈھیروں قصے سنائے تھے۔ ہم نے اس کتاب اور وانگ لی کے مجسمے کی وجہ سے وہ گھر لیا تھا۔ وہ سرخ گھر۔''

باہر سے کسی نے اسے طشت پکڑائی تو فاتح اسے اندر لے آیا۔ اور تالیہ کے پلنگ کے ساتھ میز پہ اسے رکھا۔ اس طشت میں چینک تھی اور شیشے کی دو پیالیاں۔

''وانگ لی کا وہ مجسمہ مجھے ایک پرانے دوست کی طرح لگا کرتا تھا۔ میری ماں مجسموں کے خلاف تھی۔ مگر وہ تاریخی ورثہ تھا اس لیے کسی نے اس کو نہیں گرایا۔ مجھے اس مجسمے کو دیکھ کے عجیب ناسٹلجیا ہوتا تھا۔ جیسے کبھی کسی زمانے میں ہم مل چکے ہوں۔ جیسے اس کا مجھ پہ کوئی احسان ہو۔''

وہ نرمی سے کہتا جھک کے پیالیاں نکال رہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

''پھر ایک دن کھیل میں' میں نے ایک بچے کو گرا دیا۔ آریانہ جتنے بچے کو۔ سلطان کے بھائی جتنے بچے کو۔ اس کے ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کے ماں باپ نے مجھے اتنا زدوکوب نہیں کیا جتنا میں نے خود کو کیا۔ میں مجسمے کے سامنے بیٹھ کے کافی دیر روتا رہا تھا۔ اور پھر..... میرا باپ میرے پاس آیا۔''

وہ پیالی میں چینک سے چائے کی دھار ڈال رہا تھا۔ اس کی خوشبو نے دو دن سے بند کمرے کی مایوس فضا کو معطر کر دیا۔

''میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے جان بوجھ کے اس لڑکے کو مارا تھا؟ کیا میری نیت اس کو نقصان پہنچانے کی تھی؟ میں نے کہا ظاہر ہے نہیں۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور تب مجھے میرے باپ نے وہ بات بتائی جو اس نے بنگارایا ملایو میں وانگ لی کے حوالے سے پڑھی تھی۔ نہ جانے سچ تھی یا جھوٹ۔ مگر وہ اس طرح تھی۔''

اس نے ایک چوکی کھینچ کے پلنگ کے ساتھ رکھی۔ پھر اس پہ بیٹھا اور نرمی سے تالیہ کو دیکھتے ہوئے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا بات؟'' وہ اٹھ کے تکیوں کے سہارے بیٹھی۔ پھر آنکھیں رگڑیں اور پیالی تھام لی۔ وہ گرم تھی۔ اور تالیہ کے ہاتھ ٹھنڈے تھے۔ ٹھنڈے اور بے جان۔

''وانگ لی کہتا تھا' ہم انسان زندگی میں بہت سے ایسے فیصلے کرتے ہیں جن کا نتیجہ ہمیں شرمندہ کر دیتا ہے۔ اور دکھی بھی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہم نتیجے کے ذمے دار نہیں ہوتے۔ اگر ہماری نیت اس غلط نتیجے کی نہیں تھی تو ہم قصوروار نہیں ہو سکتے۔'' ذرا توقف سے اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔

''کیا تم چاہتی تھیں کہ مرسل اپنے بھائی کو مار دے؟''

''ہرگز نہیں۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا کوئی بھائی بھی ہے۔''

''تو پھر تم اس چیز کے لیے کیسے ذمہ دار ہو جس کا نہ تم نے ارادہ کیا اور نہ کوشش کی؟'' وہ دوستانہ انداز میں سمجھا رہا تھا۔ تالیہ کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''آپ اچھے دوست ہیں۔ مجھے ٹراما سے

نکالنے آئے ہیں۔ لیکن میں اس منظر کو کیسے بھلاؤں جو میں نے دیکھا تھا؟ وہ خون کا پیالہ.... وہ لاش؟''

''کس نے کہا کہ کڑی یادوں کو بھولنا ضروری ہوتا ہے؟ بھولتے تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ جو ظلم ہمارے ساتھ ہوئے۔ جو ظلم ہم نے کیے۔''

''بھولنے کے علاوہ کوئی حل ہے کیا؟ اس یاد کا اثر لینا کیسے چھوڑوں؟''

''یہ تو تمہیں خود معلوم ہوگا کہ تمہیں ایسا کون سا کام کرنا چاہیے جو پچھلے غم کے اثر کو زائل کر دے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''برے تجربے کو اچھے تجربے سے زائل کرنا سیکھو۔ چائے پیو اور یہ بستر چھوڑو۔ ہمیں اپنے لائحہ عمل پہ کام کرنا ہے۔''

''کس چیز کا لائحہ عمل؟'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے چونکی۔ جواباً فاتح نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

''واپس جانے کا تالیہ۔ میرے خیال میں ہم یہ طے کر چکے تھے کہ تم اس کریزی دنیا میں نہیں رہنا چاہتیں۔'' وہ زور دے کر بولا تو وہ چپ ہو گئی۔ نظریں جھکا دیں اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''آپ کو یاد ہے ہم کس تاریخ کو یہاں آئے تھے؟''

''ہاں۔ 22 جنوری 2017ء اتوار کا دن۔''

''ہم ذوالکفلی کے گھر کے تہہ خانے سے وقت کے سفر پہ نکلے تھے۔ اس گھر کے سامنے ہی جونکر اسٹریٹ تھی۔ اس روز اس پہ بہت رش تھا۔'' وہ چائے کی پیالی میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہمارا لائحہ عمل کامیاب ہو جائے گا اور ہم بہت جلد واپس اسی وقت اور اسی تاریخ میں پہنچ جائیں گے۔''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا۔

''مجھے وہ خواب پھر سے نظر آنے لگے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ جونکر اسٹریٹ سامنے ہے۔ اس پہ معمول کا رش ہے۔ اور کوئی بنچ پہ بیٹھا ہے۔''

''کون؟'' وہ چونکا۔

''میں نہیں جانتی۔ ایک سایہ سا نظر آتا ہے۔ اس وجود سے اداسی ٹپکتی ہے۔ دنیا اس کے گرد تیزی سے رواں دواں ہے لیکن وہ وجود..... وہ تنہا اور اداس بیٹھا ہے۔ مجھے نہیں معلوم اس کا کیا مطلب ہے لیکن میں یہ خواب بار بار دیکھتی ہوں۔''

''یہ سب مسلسل بستر سے لگے رہنے کا نتیجہ ہے۔ تم کب اس بستر کو چھوڑ رہی ہو؟''

''بستر نہ چھوڑنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' اپنی بات رد کیے جانے پہ وہ برا مان کے بولی۔ ''یہ بستر ہی تو ہمارا دوست ہوتا ہے۔''

''اچھا؟'' اس نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''ہاں۔ ہماری زندگی کے بڑے بڑے لمحات کا گواہ ہوتا ہے یہ۔ انسان اس پہ جنم لیتا ہے۔ انسان اس پہ مرتا ہے۔ اگر اس پہ نہ بھی مرے تو مرنے کے بعد اسی پہ لٹایا جاتا ہے۔ شادی کے وقت بھی اسی کو سجایا جاتا ہے۔ بیماری میں اسی سے لگا دیا جاتا ہے۔'' وہ نمی سے کہہ رہی تھی۔ ''ہم اس پہ روتے ہیں۔ بڑے بڑے فیصلے اسی پہ کروٹیں بدلتے ہوئے لیتے ہیں۔ اس پہ لیٹے ہوئے خواب بنتے ہیں۔ اسی پہ خوابوں کے ٹوٹنے کے غم میں روتے ہیں۔ اسی پہ اگلے دن کے ادھورے کاموں کو پلان کرتے ہیں۔ شاید ہمارا سب سے بڑا غم گسار یہ بستر ہی ہوتا ہے۔''

''لیکن اس سے لگ کے رہنا تمہارے غم کو بڑھا دے گا' تالیہ۔ غمگین انسان کے لیے سب سے مشکل کام بستر چھوڑنا اور تیار ہو کے کمرے سے باہر نکلنا ہوتا ہے۔ یہ عمل آدھا غم دور کر دیتا ہے۔ جب تم اس سے باہر نکلو گی تو خود بخود ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

وہ جس خاموشی سے آیا تھا' اسی طرح نکل گیا۔ تالیہ نے کھلے دروازے سے دیکھا' کہ باہر کھڑے دربانوں نے وان فاتح کو سر جھکا کے تعظیم پیش کی تھی۔ وہ سر کو خم دیتا' تنی ہوئی بھنوؤں کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کو قدیم ملاکہ میں بھی اپنا مقام واپس مل گیا تھا۔ وہ یہاں ایک شاہی مہمان کی طرح رہتا

تھا نہ کہ غلام کی طرح۔

وان فاتح بالآخر آزاد ہو چکا تھا۔

اس نے چائے کی پیالی رکھ دی اور ٹیک لگا کے چھت کو دیکھنے لگی۔ لکڑی کی اونچی چھت سے موم بتیوں کا فانوس لٹک رہا تھا۔ ان کے کناروں پہ پگھلی ہوئی موم کی دھار جم کے بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

وہ سوچتی تھی' کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔ مگر کسی کے لیے کوئی آ بھی جاتا ہے۔ جیسے فاتح اس کے لیے آیا تھا۔ لیکن کوئی آ جائے' تب بھی وہ ہمیں ہمارے ڈپریشن سے نہیں نکال سکتا۔ اپنے بستر سے انسان کو خود ہی نکلنا ہوتا ہے۔

وہ سیدھی لیٹی' اور لحاف چہرے پہ تان کے ایک دفعہ پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ.....

اس کی بنچ کے اردگرد لوگ ہنوز خوش باش چہل قدمی کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ کوئی کچھ کھا رہا تھا۔ کوئی ہنس رہا تھا۔ ایک اس کی دنیا تھی جو ویران ہوئی تھی۔

اس نے سوچنا چاہا کہ وہ یہاں اس بنچ پہ کیوں ہے؟ اس سے اٹھا کیوں نہیں جا رہا؟ چلا کیوں نہیں جا رہا؟ پھر اس نے کوشش کی کہ اٹھے... لیکن دماغ ابھی تک ماؤف تھا۔ ٹانگوں میں جان نہ تھی۔ وہ سُن تھیں۔ برف تھیں۔ پتھر تھیں۔

اس نے سوچا تھا کہ واپس اپنی دنیا میں آ کے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ لیکن اب لگ رہا تھا کہ ہر شے کھو دی تھی۔ سب رشتے۔ سب محبتیں۔ اس کے پاس واقعی کوئی نہ بچا تھا۔ کس سے بات کرے۔ کس کے پاس جائے؟ اس نے وقت کے باقی دونوں مسافروں کو بھی کھو دیا تھا۔ ایک ذرا سی غلطی نے ان تینوں کو جدا کر دیا تھا۔

یہ باتیں بار بار اپنے ذہن کو بتانے کے باوجود اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ سب ہوا کیسے؟ اس نے کیسے سب کچھ کھو دیا؟ بس ایک لمحے میں؟

☆☆☆

سلطنت محل میں دربار سجا تھا۔ تخت ابھی خالی تھا البتہ درباریوں اور وزراء کی کرسیاں بھری تھیں۔ سب اکٹھے ہو چکے تھے۔ سلطان نے تین روز بعد آج دربار بلایا تھا۔ ابھی تک اس کے بھائی کے قتل کی خبر عام نہیں ہوئی تھی اس لیے دربار میں موجود لوگوں کے تاثرات نارمل تھے اور وہ معمول کی کارروائی نمٹانے آئے تھے۔

اگر کوئی شدید پریشانی کا شکار تھا تو وہ بنداہارا مراد راجہ تھا۔

''اس قلعے والے واقعے کے بعد آج سن باؤ سلطان سے ملنے آ رہا ہے۔'' مراد اپنے ساتھ موجود فاتح سے دبی آواز میں مخاطب تھا۔ ''پچھلے چار روز وہ چینی سفارت کاروں کے ساتھ مصروف رہا ہے۔ میرے آدمی اس کا تعاقب کرتے رہے ہیں۔ وہ نہ ملکہ سے ملا ہے نہ سلطان سے۔''

''یعنی ابھی تک اس نے سلطان یا ملکہ کو اس بارے میں نہیں بتایا۔'' فاتح نے گہری سانس لی۔ مراد نے گھور کے اسے دیکھا۔

''ہاں کیونکہ محل میں بن بلائے آنا دشوار ہوتا ہے۔ مگر آج اس کے پاس موقع ہے' وان فاتح۔ وہ سلطان سے ملے گا اور پھر سے دربار میں بتائے گا کہ ہم نے کیسے اسے بنا قصور کے حراست میں لینا چاہا۔ وہ چینی سفیر ہے اور ہم اس کے ساتھ ایک سنگین زیادتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔''

فاتح خاموش رہا۔ سیاہ قبا کندھوں پہ ڈالے' بازو پیچھے باندھے وہ بظاہر پرسکون نظر آتا تھا۔ لیکن اندر سے وہ جانتا تھا کہ سفارت کاروں سے زیادتی کرنا قدیم زمانے میں بھی اتنا ہی بڑا جرم تھا جتنا کہ 2017 میں۔

''اگر سلطان نے پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟'' مراد کی پریشانی واضح تھی۔ مگر فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ مراد راجہ نے اس کی

نظروں کا تعاقب کیا۔

ان کے مخالف سمت ایک کرسی پہ فربہ چینی سفیر اپنا جبہ سنبھالتا بیٹھ رہا تھا۔ بیٹھ کے اس نے چھوٹی چمک دار آنکھوں سے مسکرا کے ان دونوں کو دیکھا۔ استہزائیہ مسکراہٹ اور فاتحانہ نظریں مراد راجہ کے اندر تک گڑ گئیں۔ اس نے تنفر سے رخ پھیر لیا۔

''میں سلطان کو جواب دے دوں گا۔'' فاتح نے خاموش نظروں سے وانگ لی کو گھورتے ہوئے مراد سے کہا۔ ''غلط فہمی' غلط اطلاع' کچھ ایسا کہہ دوں گا۔''

''مگر سلطان.....''

''آپ بے فکر رہیں اور جواب میرے اوپر چھوڑ دیں۔ مجھ پہ بھروسا کریں' راجہ۔'' اس کا انداز یقین دلانے والا تھا اور اس آدمی کا یہی انداز تھا جس پہ مراد راجہ دھیما پڑ جاتا تھا۔ اسے قدرے تسلی محسوس ہوئی۔

مرسل شاہ تخت پہ براجمان ہوا تو اس کے انداز میں ایک واضح بدلاؤ محسوس ہوتا تھا۔ وہ تکان کا شکار لگتا تھا۔ آنکھوں کے سیاہ حلقے رتجگوں کے غماز تھے۔

ایک بے گناہ انسان کی جان لینا ایسا گناہ تھا جو دھیرے دھیرے قاتل کے دل کا ایک حصہ بالکل مار دیتا ہے۔ بے چینی' پریشانی' خوف' احساسِ گناہ..... اور پھر بے حسی سے اپنے عمل کو درست کرنا..... اس کی حالت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔

مرسل شاہ کو غور سے دیکھتے ہوئے اسے بے اختیار عصرہ یاد آئی تھی۔ وہ بھی آریانہ کے بعد ایسے ہی بدلی تھی۔ دھیرے دھیرے۔ راتوں کو ڈر جاتی تھی..... نیند سے محروم..... بے چین..... خوف زدہ..... جھنجھلائی ہوئی.....

اس نے سر جھٹکا اور توجہ دربار کی کارروائی پہ مرکوز کی۔ سب سے پہلے وانگ لی کو بولنے کا موقع ملا تھا۔

دربار میں احترام بھرا سناٹا تھا اور وانگ لی تخت کے زینوں کے سامنے کھڑا' ہاتھ باندھے اپنے بادشاہ کا پیغام سلطان تک پہنچا رہا تھا۔ یہ معمول کی کارروائی تھی۔

فاتح دم سادھے سنے گیا۔ مراد راجہ بھی کرسی پہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

''اور کچھ؟'' وانگ لی کو اپنا جواب لکھوا کے مرسل شاہ نے رسماً پوچھا۔ وانگ لی نے ہلکا سا توقف کیا۔ اور پھر سر جھکا دیا۔

''نہیں' آقا۔ بہت شکریہ۔'' سر اٹھایا' ایک بے نیاز نظر مراد اور فاتح پہ ڈالی اور واپس اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

مراد راجہ نے ایک گہری سانس خارج کی۔ اس کے تمام اعضاء پرسکون ہو کے ڈھیلے ہو گئے۔

''اس نے نہیں بتایا۔ بہت خوب۔ وہ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے معاملہ نہیں لگا ڑ سکتا۔''

مراد زیرِ لب مسکرایا۔ لیکن وان فاتح تعجب سے وانگ لی کو دیکھ رہا تھا۔

(یہ کیسے ہوا؟ وانگ لی نے شکایت کیوں نہیں لگائی؟ اس کے پاس بہترین موقع تھا۔ کیا وہ ڈر گیا یا اس نے رحم کھایا؟ یا کوئی تیسری بات تھی؟) وہ الجھ گیا تھا۔

☆☆☆

تالیہ کے کمرے کا ماحول اس شام بھی ویسا ہی تھا۔ ویران' مایوس' اندھیر۔ دربان نے دروازہ کھولا اور فاتح اندر داخل ہوا تو دیکھا' وہ پلنگ پہ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ بال گول مول بندھے تھے اور چہرے پہ بے رونقی تھی۔

سامنے مسہری پہ ایڈم بیٹھا تھا۔ بیساکھی اپنے پہلو سے لگا رکھی تھی۔ کرتے پاجامے میں ملبوس' نحیف اور لاغر سا لگتا تھا۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی نقاہت تھی۔

''تم نے بتا دیا تالیہ کو جو مجھے بتایا تھا؟'' فاتح نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ دونوں نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ دونوں اتنے بیمار اور نحیف لگتے تھے کہ چونکتے بھی نہیں تھے۔ بس آہستہ

سے نظروں کا رخ موڑتے تھے۔

''جی۔'' تالیہ نے سر ہلایا۔ ''بابا کے پاس چابی نہیں ہے نہ ہی اسے بنانے کا طریقہ ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک اور دھوکا دیا ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''مراد راجہ صرف مجھے مارنا چاہتے ہیں۔'' ایڈم نے مایوسی سے سر جھکا دیا۔ ''ان کا کہنا ہے کہ میں ''عام'' ہوں۔ مجھے خاص لوگوں میں نہیں رہنا چاہیے۔''

فاتح کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے اس نے ترحم سے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

''جب میں نے کہا ہے کہ تم دونوں کو واپس لے جاؤں گا تو اتنے مایوس کیوں ہو؟ دوا کے اجزائے ترکیبی مکمل ہیں۔ میں ابھی راجہ سے کہتا ہوں کہ وہ ہمیں دوا بنا کے دے' تاکہ کم از کم تم میں سے ایک کی بیماری تو ختم ہو۔''

پھر تالیہ کو افسوس سے دیکھا۔ وہ ابھی تک بستر سے نہیں نکلی تھی۔ ''اور تم.... تم اب اپنا فیصلہ نہیں بدلو گی۔ ہے نا؟''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔ فاتح کے چہرے پہ ناراضی اتری۔

''اس روز تم نے مجھے کہا کہ میں تمہیں واپس لے جاؤں۔ وہ جذبات کے زیر اثر کہا تھا کیا؟''

تالیہ نے جھکے سر کے ساتھ نفی میں گردن ہلائی۔ ''میں واپس جاؤں گی۔ میں اپنے فیصلے پہ قائم ہوں۔ لیکن.....'' بھیگی نظریں اٹھائیں۔ ''میں کس منہ سے خود کو بے گناہ کہوں گی؟ میں کیسے کہوں گی میں نے عصرہ کو نہیں مارا جبکہ میں نے ایک بچے کو....'' اس نے لب کاٹے۔

''وہ ایک دوسری دنیا کا مسئلہ ہے' تالیہ۔ جب ہم وہاں جائیں گے تو اس کو حل کریں گے۔ ابھی کے لیے....'' وہ آگے آیا اور اس کے پلنگ کے کنارے کا۔ پھر غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تم نے اپنے بابا کو یہ یقین دلانا ہے کہ تم کہیں نہیں جا رہیں۔''

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''یعنی ایک جادوگر کو کون کرنا ہے؟''

فاتح نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اپنی بہترین اداکاری جاری رکھو۔ سلطان سے شادی پہ اعتراض نہ کرو۔ ظاہر کرو کہ تم یہاں خوش ہو۔ مراد راجہ کو شک نہیں ہونا چاہیے۔'' وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔ یہ زبان ان کی گفتگو کو بھرے مجمع میں بھی خفیہ رکھنے کے لیے کافی تھی۔

تالیہ نے دھیرے سے گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا۔ ''تم نے بنگارایا ملایو میں جھوٹ کیوں لکھا؟''

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے۔ میں نے ابھی تک کچھ نہیں لکھا کیونکہ مجھے سرکاری طور پہ سلطان کے بھائی کے مرنے کی اطلاع نہیں ملی۔ نہ ہی آخری شرط کے پورے ہونے کی۔ ایڈم کبھی جھوٹ نہیں لکھے گا۔''

''اور وانگ لی کے قلعے کے بارے میں کیا لکھا ہے؟''

''مجھے کیا معلوم وانگ لی کے قلعے کا کیا قصہ ہے۔ سرکاری طور پہ مجھے کوئی اطلاع ملی ہی نہیں ہے۔''

''کیا وانگ لی نے آپ کی شکایت کی ہے؟''

تالیہ کو یاد آیا۔ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

''نہیں۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔'' فاتح بازو سینے پہ لپیٹے سامنے کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔

''کیا مطلب؟ اس کے پاس بہترین موقع تھا۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ وانگ لی نے وہ قصہ کیوں چھپایا۔ حالانکہ اب تک وہ اس شے کو قلعے سے غائب کر چکا ہوگا۔''

''کیا وہاں کچھ ایسا نہ تھا جو مشکوک ہو؟'' ایڈم نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ وہاں صرف آگ جلانے کا سامان

تھا۔"

"ہوسکتا ہے اس سامان میں کچھ ہو۔"

"نہیں ایڈم۔اس میں کچھ نہیں تھا۔" وہ بے زار ہوا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ذہنی دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

"کیا معلوم زمین میں کچھ دبایا ہو۔یا دیواروں میں چن دیا ہو؟" وہ اب بالکل سیدھی ہو کے بیٹھ چکی تھی۔ایڈم نے بھی کمر سیدھی کر لی تھی۔

کمرے کا ویران ماحول دھیرے دھیرے بدل رہا تھا۔فضا میں کچھ ایسا در آیا جو اتنے دن سے وہاں نہ تھا۔

دلچسپی کا عنصر۔معمہ حل کرنے کی خواہش۔

"اتنا وقت نہیں ملا مگر زمین پہ گھاس تھی۔" وہ اب بے چینی سے دائیں بائیں ٹہلنے لگا۔کوئی سرا تھا جو ہاتھ نہ آتا تھا۔

"کیا معلوم....." ایڈم کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"آگ جلانے کے سامان میں کچھ ہو؟"

"نہیں ایڈم۔پندرہویں صدی کے ملاکہ میں آگ جلانے کا سامان عام چیز ہوتی ہے۔"

"دیٹس اِٹ۔" ایڈم نے بیساکھی آہستہ سے نیچے رکھی اور فاتح کو دیکھا۔اس کی نقاہت زدہ آنکھوں میں بالآخر چمک در آئی تھی۔جیسے ایک سرا اس کے ہاتھ لگا تھا۔"آپ ہر چیز کو پندرہویں صدی کے ملاکہ کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔"

"یعنی؟"

"فاتح صاحب....وہ چیز پندرہویں صدی کے لوگوں کو اتنے عرصے سے کیوں نہیں ملی؟ شاید اس لیے کہ اسے ڈھونڈنے کے لیے اکیسویں صدی کے آدمی کی طرح سوچنا ہوگا۔"

"ایڈم کا مطلب ہے کہ اگر ہمارے زمانے میں کسی وانگ لی کو کسی قلعے میں وزیراعظم کے گارڈز جا گھیرتے۔اس کی ہزیمت ہوتی۔لیکن وہ کچھ برآمد نہ کر سکتے اور ناکام لوٹ جاتے.....تو وانگ لی کو کیا کرنا چاہیے؟"

"عدالت میں جائے۔ہر اس منٹ کی شکایت کرے۔" وہ اب دائیں سے بائیں کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔

"لیکن اگر وانگ لی پولیس یا عدالت کے پاس نہ جائے.....تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟"

وہ ٹہلتے ٹہلتے پلنگ کی پائنتی کے پاس رکا۔ نظریں کھڑکی سے آتی روشنی پہ مرکوز کیں۔

"اگر وہ پولیس کو ملوث کرتا تو پولیس پہلا سوال پوچھتی کہ....." اور چار دن بعد اس ایک پل میں....ڈوبتی شام کی نیلگوں روشنی دیکھتے ہوئے وان فاتح کے ذہن میں بجلی کا کوندا سا لپکا۔"....کہ یہ قلعہ کس کا ہے۔"

"اوہ۔وہ قلعہ کس کا ہے؟"

فاتح نے تاسف سے ماتھے کو چھوا۔"اوہ نو....سن باؤ نے قلعے کے اندر کچھ نہیں چھپایا تھا۔اس نے اس "قلعے" کو چھپا رکھا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"سن باؤ کی رنگت مجھے دیکھتے ہی زرد ہو گئی تھی۔مگر جب میں نے سپاہیوں کو اندر سے مشکوک شے لانے کو کہا اور وہ کچھ نہ لا سکے تو وہ مطمئن ہو گیا۔پہلے وہ سمجھا تھا کہ میں اس قلعے کو پکڑ چکا ہوں۔وہ قلعہ بذات خود خفیہ شے تھی۔ہمیں سمجھنے میں غلطی ہوئی۔" اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"آپ لوگوں نے یہ معلوم نہیں کروایا کہ وہ قلعہ کس کا تھا؟"

"نہیں۔کیونکہ پندرہویں صدی میں لینڈ اونر شپ کے قوانین مختلف ہیں۔ہم نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ قلعہ سن باؤ کا تھا۔لیکن اگر تم اکیسویں صدی کے تناظر سے دیکھو تو پہلا سوال بنتا ہے کہ جائے واردات کا مالک کون ہے؟" وہ افسوس سے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

ایڈم کے بے رونق چہرے پہ بالآخر چمک در آئی۔"ارے واہ۔ہم نے اتنا بڑا معمہ حل کرنے میں آپ کو مدد دی ہے۔"

وان فاتح نے ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی اور کندھے اچکائے۔ ''میں ویسے بھی معلوم کر لیتا۔ کتنا اچھا ہو کہ تم دونوں اس وقت اپنے معمے حل کرنے پہ توجہ دو۔''

باری باری دونوں پہ ایک اچٹتی نظر ڈالی اور سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تالیہ نے دائیں ابرو اٹھا کے اسے جاتے دیکھا۔

''وہ سمجھتے ہیں ہم بے کار ہو چکے ہیں۔''

''کیا غلط سمجھتے ہیں؟''

تالیہ نے ایک گھورتی نظر اس پہ ڈالی اور لحاف مٹھیوں میں دبوچ کے پرے پھینکا۔

''میرے پاس صرف ایک چیز بچی ہے بچانے کو۔ وہ میری اصل دنیا ہے۔ کے ایل کی تالیہ مراد کی دنیا۔ مجھے اپنی دنیا واپس چاہیے۔ میں ہار نہیں مانوں گی۔''

وہ بستر سے اتری اور پیر جوتوں میں ڈالے۔ اسے اپنے غم سے خود کو خود ہی نکالنا تھا۔

☆☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ بنچ سے اٹھی اور بے مقصد انداز میں سڑک کنارے چلنے لگی۔ دونوں اطراف کی دکانیں پُر رونق اور گاہکوں سے بھری تھیں۔ شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی لیکن وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' خالی خالی نظروں سے سامنے دیکھتی وہ قدم اٹھانے لگی۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اپنی اس دنیا کے لیے وہ واپس آئی تھی۔ اس دنیا کے لیے اس نے ساری اداکاری کی تھی۔ اور یہاں آ کے معلوم ہوا تھا کہ اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

وہ چلتے چلتے دو سڑکوں کے سنگم پہ آ رکی تھی۔ وسط چوک پہ بھورے رنگ کا گھنٹہ گھر کھڑا تھا جو اندھیرے میں زرد روشنیوں سے سجا بے حد خوبصورت نظر آتا تھا۔ وہ ویران نظروں سے اس پہ لگی گھڑی کو دیکھے گئی۔

وقت نے سب کچھ چھین لیا تھا اس سے۔ چند لمحوں کی غلطی نے صدیوں کی سزا دے ڈالی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟

☆☆☆

مراد راجہ اپنے نیم روشن دیوان خانے میں کھڑا تھا۔ وان فاتح اس کے مقابل موجود تھا ایسے کہ دونوں کے درمیان ایک میز تھی اور دونوں سنجیدہ لگتے تھے۔

''میں نے معلوم کر لیا ہے کہ سن باؤ کس شے کو چھپانا چاہ رہا تھا۔ ہم ایک دفعہ پھر اس کو رنگے ہاتھوں پکڑنے جا رہے ہیں۔'' وہ رازداری سے کہہ رہا تھا۔

''وہ شے کیا ہے؟''

''آپ خود دیکھ لیں گے' راجہ۔'' اس کا انداز مبہم تھا۔ ''بس مجھ پہ اعتماد کریں۔''

مراد کا چہرہ تاریکی میں تھا' مگر اتنا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مطمئن ہے۔ شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' ہاتھ کمر پہ باندھے وہ ہمیشہ کی طرح با رعب نظر آ رہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ تم سن باؤ کا پتا صاف کر دو گے؟''

''یہ آپ مجھ پہ چھوڑ دیں۔''

راجہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ ''پہلے بھی چھوڑا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ سن باؤ نے آقا کو کچھ نہیں بتایا ورنہ.....''

''وہ نہیں بتائے گا۔ بے فکر رہیں۔ مگر....''

وان فاتح نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''آدم کہہ رہا تھا کہ آپ کے پاس وقت کی چابی بنانے کا کوئی کلیہ نہیں ہے۔''

''میں نے تمہیں پہلے دن ہی بتایا دیا تھا کہ جس چابی کے ذریعے تم لوگ آئے ہو' وہ تمہارے شکار باز کی تھی۔ مجھے تمہیں واپس بھیجنے کے لیے نئی چابی بنانی پڑے گی۔''

''اور آدم کا کہنا ہے کہ آپ وہ نہیں بنائیں گے۔'' فاتح چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا

تھا۔

''ایک مرتا ہوا آدمی مایوسی کے علاوہ کیا کہے گا؟'' مراد جھک کے میز پہ پھیلے نقشے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''یعنی آپ چابی بنا دیں گے؟''

''بالکل۔ میں نے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کروں گا۔ مگر میری ایک اور شرط بھی ہے۔''

مراد سیدھا ہوا اور فاتح کو دیکھ کے مسکرایا۔ نیم روشن کمرے کے کونے میں جلتی واحد مشعل نے ماحول کو عجیب پراسرار بنا رکھا تھا۔

''نئی شرط؟ راجہ ہمارا اور آپ کا معاملہ پہلے سے طے پا چکا ہے۔'' وہ بہت ضبط سے بولا۔ ''چابی کے بدلے تخت۔''

''کیا تم اس آدمی سے ایسے بات کرو گے جو تمہیں تمہاری دنیا میں بھیجنے کی واحد امید ہے؟''

فاتح نے تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اتار لیا۔

''آپ شرط بتائیں۔''

''تم نے میری بیٹی سے خفیہ طور پہ نکاح کیا تھا۔ اس کی ایک نقل یان سوفو کے پاس تھی۔ باقی دونوں نقول شہزادی تاشہ اور تمہارے پاس تھیں۔ مجھے تمہاری نقل چاہیے۔''

فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''وہ ایک خطرناک کاغذ ہے۔ اس کو شہزادی کے خلاف استعمال کر کے انہیں نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ آپ اسے کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟''

''میں نے اپنی شرط بتا دی ہے۔'' مراد واپس نقشے پہ جھکا اور چند مقامات پہ لکیریں کھینچنے لگا۔ ''میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ ہمیں مرحوم سلطان کے بیٹوں کو پیغام بھیج دینا چاہیے۔ ہم بغاوت کے لیے تیار ہیں۔ میں تخت پہ بیٹھوں گا تو تمہیں چابی ملے گی۔''

''مگر.....'' فاتح نے بدقت ضبط کر کے آواز دھیمی کی۔ ''مگر راجہ۔ ہماری ساری سودا بازی آدم کی دوا کے لیے تھی۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں ایک ماہ کی معیاد میں آپ کے لیے کام کروں گا اور آپ کو تخت کے قریب لے جاؤں گا۔ آپ فوراً سلطان نہیں بنیں گے۔ پہلے مرحوم سلطان کے بیٹے تخت پہ قابض ہوں گے۔ پھر ان کو ہٹانے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس کے بعد آپ سلطان بنیں گے۔ جبکہ آدم اور مجھے واپس جانا ہے.....'' وہ رکا اور گہری سانس لی۔ ''یا شاید آپ چاہتے ہیں کہ میں واپس نہ جاؤں؟''

''تم عقل مند آدمی ہو' فاتح۔ اس لیے اپنے دوست کی دوا کے بجائے میرے تخت کی فکر کرو۔ تمہیں واپس جانے سے پہلے مجھے تخت پہ بٹھانا ہو گا۔''

حتمی انداز میں کہہ کے مراد نے نقشہ لپیٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

فاتح ضبط کے گھونٹ بھرتا' اسے جاتے دیکھتا رہا۔

یہ طے تھا کہ بنداہارا مراد راجہ کے وعدے اور اقوال صدق سے خالی تھے۔

☆☆☆

فاتح کو دیوان خانے میں چھوڑ کے مراد راجہ اپنے دربار کی طرف بڑھ گیا۔ یہ بنداہارا کے محل کا دربار تھا اور گو کہ یہ مرسل شاہ کے سلطنت محل جیسا عالی شان نہ تھا' مگر اس کے دفتری کاموں کے لیے کافی تھا۔ روز اس وقت یہاں درباریوں اور اعلیٰ افسران کی موجودگی لازم ہوتی تھی۔ لیکن آج دربار خالی پڑا تھا۔

مراد بغلی دروازے سے اندر آیا تو ٹھٹکا۔ دربار میں کوئی ذی نفس نظر نہیں آتا تھا۔ پنکھ جھلنے والے غلام اور دربان تک موجود نہ تھے۔ کس کی ہمت تھی اس کے افسران کو ابھی تک باہر کھڑا رکھنے کی؟ وہ برہمی سے دربان کو آواز دینے لگا لیکن پھر.....اسے نظر آ گیا کہ یہ کس کی ہمت ہو سکتی تھی۔

وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ مراد کی طرف پشت اور دھوپ کی طرف چہرہ تھا۔ کامدار جامنی لباس

پہنے' بالوں کو آدھا باندھ کے سر پہ تاج سجائے' وہ باہر دیکھتی گم صم نظر آ رہی تھی۔

آج پانچ روز بعد مراد نے اسے کمرے سے باہر دیکھا تھا۔ وہ مسکرایا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔

''تمہیں دیکھ کے خوشی ہوئی۔''

وہ آہستہ سے اس کی طرف مڑی۔ ایسے کہ چہرے پہ اب بھی دھوپ پڑ رہی تھی۔

''آپ جانتے ہیں سلطان نے کیا کیا ہے؟''

اس کا انداز کسی بھی تاثر سے خالی تھا۔

مراد نے نرمی سے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے۔ ''میں جانتا ہوں تم اس بچے کی موت سے.....''

''ہماری دنیا میں ایک کہاوت بولی جاتی ہے بابا۔ کہ پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی مسکرا کے گویا ہوئی۔ ''مرسل شاہ کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ وہ ایک کم عقل' عیاش اور بے حس سا آدمی ہے۔ پانچ دن پہلے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شاطر اور سفاک بھی ہے۔ اسی غم نے مجھے گرا دیا۔ لیکن میں غلط تھی۔ میرا پہلا تاثر درست تھا۔ وہ سفاک ہو سکتا ہے' شاطر نہیں۔''

مراد کے ہاتھ دھیرے سے اس کے کندھوں سے ہٹے۔ اسے معلوم تھا تالیہ کے اگلے الفاظ کیا ہوں گے۔

''یہ شاطر پن اس میں کسی اور نے ڈالا ہے۔''

''تاشہ.....''

''اسے میری آخری شرط کو پورا کرنے کا راستہ ''آپ'' نے دکھایا تھا' ہے نا؟'' نظریں مراد کی آنکھوں پہ جمی تھیں اور لب سرگوشی میں حرکت کر رہے تھے۔ ''آپ نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس بچے کو مار دے۔ اتنی عقل مرسل شاہ میں خود سے نہ تھی۔ یوں آپ نے اس کا اعتماد بھی جیت لیا اور اپنے تخت کے راستے میں حائل ایک ننھے جانشین کو بھی ہٹا دیا۔ وہ بھی خوش ہو گیا کہ اس نے میری شرائط پوری کر دی ہیں۔''

''تاشہ.....میری جگہ اگر.....''

''بابا۔'' اس نے نرمی سے مراد کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور سمجھ کے سر ہلایا۔ ''آپ نے جو کیا مجھے اس کا دکھ ہے' مگر آپ نے صحیح کیا۔ تخت کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔''

مراد نے گہری سانس لی اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''تمہیں اس سے شادی نہیں کرنی پڑے گی۔ ہم بہت جلد اس کا تختہ الٹ دیں گے۔ پھر تم اور میں.....ہم دونوں ملاکہ کے حکمران ہوں گے۔''

وہ مسکرا دی۔ ''میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ یہ رہا وہ نکاح نامہ جو آپ نے مانگا تھا۔'' اس نے کھڑکی کی منڈیر پہ رکھا رول شدہ کاغذ مراد کی طرف بڑھایا۔ ''میں ملاکہ پہ حکومت کرنے واپس آئی ہوں۔ میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کا ساتھ دوں گی۔''

مراد نے کاغذ لیا اور کھلے دل سے مسکرایا۔ ''تم پوچھو گی نہیں کہ میں اس کا کیا کروں گا؟''

''مجھے آپ پہ پورا بھروسا ہے۔'' تالیہ کی مسکراتی آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری تھی جسے مراد راجہ نہیں پہچانتا تھا۔

''لیکن آپ نے اپنا وعدہ نبھانا ہے۔ ایڈم کی دوا اور فاتح کی چابی۔''

''مجھے یاد ہے۔ میں دوا کی ترکیب تمہارے پاس لانے ہی والا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے تمام اجزائے ترکیبی پہنچا دیے ہیں۔ تم اور آدم دوا بنانا شروع کر سکتے ہو۔'' مراد نے پیٹی سے ایک کاغذ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

''آپ اسے خود نہیں بنائیں گے۔''

''یہ جادو نہیں ہے۔ دوا ہے۔ اس کو بنانے کے لیے سارا دن ساری رات مجھے اس کے سر پہ کھڑا ہونا پڑے گا اور وہ میں نہیں کر سکتا۔ مجھے بغاوت کی تیاری کرنی ہے۔ تم اسے اپنے دوست کے لیے خود بھی بنا سکتی ہو۔''

تالیہ کی آنکھوں میں چمک در آئی۔اس نے مسکرا کے سر ہلایا' تعظیم پیش کی اور کاغذ لیے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک مراد وہاں تنہا کھڑا رہا۔اس کا ذہن کسی گہری سوچ میں الجھا تھا۔عارف آیا اور کھنکھارا تو وہ چونکا۔

''راجہ.....آپ نے وہ ترکیب شہزادی کو دے دی؟''

''ہوں۔''اس نے کھڑکی سے باہر دھوپ سے چمکتے دالان کو دیکھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔عارف نے آواز دھیمی کی۔

''جب شہزادی کو علم ہوگا کہ یہ اصل ترکیب نہیں ہے تو وہ بہت واویلا کریں گی۔''

''اسے کبھی علم نہیں ہوگا' عارف۔''مراد نے چہرہ موڑ کے اطمینان سے اسے دیکھا۔''میرے علاوہ سارے ملاکہ میں ایسا کوئی جادوگر نہیں ہے جس کے پاس اصل ترکیب ہو۔''

''اگر آپ نے ان کو غلط ترکیب دینی تھی تو درست اجزائے ترکیبی کیوں بتائے؟''

''تب میرا خیال تھا میں اس کے لیے دوا بنادوں گا لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتا۔وہ ٹھیک ہو گیا تو مجھے چابی بنانی پڑے گی۔''

''بجا فرمایا' راجہ۔''پھر عارف کو خیال گزرا۔''لیکن یہ غلط دوا اس کے ساتھ کیا کرے گی؟''

مراد نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔''وہ اس نوجوان کا قصہ تمام کردے گی۔''پھر تخت کے زینے چڑھتے ہوئے اس نے ہدایت دی۔''تاشہ کو دوا بنانے کا سامان تہہ خانے میں اکٹھا کر کے دے دو۔بظاہر اس کے کسی حکم کی تعمیل میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

عارف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اور واپس مڑ گیا۔دربار کے لگنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

☆☆☆

رات اپنے سیاہ پر پھیلائے قدیم ملاکہ کو اپنی آغوش میں لے چکی تھی۔آج آسمان پہ تاریک بادل چھائے تھے جو پانی کے بوجھ سے لدے تھے۔جیسے ہی شہر کے مکین سونے چلے گئے' ان بادلوں سے مزید بوجھ سہارا نہ گیا۔

پہلے تیز ہوا چلی' پھر زور زور سے بجلی کڑکنے لگی۔بادلوں کی گرج چمک اور خوف ناک آواز نے سارے شہر کو خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔

سلطان مرسل شاہ کی آنکھ اسی آواز سے کھلی تھی۔اس نے پلکیں جھپکائیں۔اوپر چھت پہ لگے فانوس کی مشعلیں بجھی تھیں۔ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔وہ کھڑکیاں بند کر کے سونے کا عادی تھا۔مگر کوئی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔شاید ہوا سے فانوس بجھا تھا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔محافظ کمرے کے باہر ہوتے تھے اس لیے ان کو آواز دے کر بلانا ہوتا تھا۔مرسل نے لب کھولے تو اسے احساس ہوا اس کے منہ میں کچھ ہے۔لوہے کا ٹکڑا جو اس کے دانتوں کے درمیان پھنسا ہے۔جس کے باعث وہ آواز نہیں نکال سکتا۔

اس کے اعصاب دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگے۔اس نے تیزی سے ہاتھ اٹھانے چاہے مگر..... ہاتھ رسیوں سے بندھے تھے۔پیر ہلانے چاہے۔وہ بھی جکڑے ہوئے تھے۔منہ سے غوں غاں کے سوا آواز نہیں نکلتی تھی۔

مرسل نے گردن تکیے پہ ادھر ادھر ماری مگر بے سود۔خوف اس کے سارے وجود پہ چھانے لگا۔پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اندھیرے میں دیکھنا چاہا۔

اور تب اسے وہ چہرہ پہلی دفعہ نظر آیا۔

سر پہ سیاہ ٹوپی اور نیچے سیاہ پاجامہ کرتا پہنے' وہ بازو سینے پہ لپیٹے اس کے سرہانے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

مرسل کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''حیرانی ہوئی مجھے یہاں دیکھ کے؟ اوہ تمہیں

لگا تھا میں تمہارے کمرے میں صرف دلہن بن کے آؤں گی۔ چچ چچ۔'' وہ اس کے قریب فرش پہ پنجوں کے بل بیٹھی اور چہرہ اس کے اوپر جھکایا۔

''مگر وہ کیا ہے کہ میں ان نازک شہزادیوں میں سے نہیں ہوں جو سلطان کی دلہن بننے کا خواب دیکھتی ہیں۔ میرے خواب کچھ دوسرے تھے۔''

مرسل نے پوری قوت سے ہاتھوں کو جھٹکا دیا اور گردن دائیں بائیں ہلائی۔ تالیہ نے ایک دم تیزی سے حرکت کی اور ایک چمک دار تیز چاقو اس کی گردن پہ رکھ دیا۔ مرسل کے جسم کی پھڑ پھڑاہٹ تھم گئی۔ سانس بھی تھم گئی

''تاشہ کو اس وقت صرف ایک چیز واپس چاہیے۔ اس کی دنیا۔ اور اگر اس کے لیے اسے تمہاری گردن پہ چھری بھی چلانی پڑی تو وہ چلا سکتی ہے۔''

مرسل شاہ کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ خوف اس کے سارے وجود کو جکڑے ہوئے تھا۔

''ایسے ہی خنجر سے تم نے اس بچے کو مارا تھا نا؟ اور اس خون کو میرے سر ڈال دیا؟'' اس کے سرہانے جھکی وہ غرائی۔ ''میں نے وہ شرائط اس لیے رکھی تھیں تاکہ تم.... تم جان لو کہ تم میرے قابل نہیں۔ مگر تم نے ایک بچے کو مار ڈالا۔ کیا اس کو بھی ایسے باندھا تھا؟ ایسے بے بس کیا تھا؟''

مرسل نے خوف سے نفی میں گردن ہلانا چاہی مگر جسم نے ہلنے سے انکار کر دیا۔

''اس کا خون کہاں سے نکالا تھا؟ گردن سے؟ میں تمہیں ویسے ہی ذبح کروں؟ مجھے بتانا کیسا لگتا ہے۔ ہوں؟''

مرسل نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ چاقو کا ٹھنڈا پھل اسے گردن پہ محسوس ہو رہا تھا۔

''مگر میں اسے تمہاری گردن پہ نہیں چلاؤں گی۔ بلکہ..... میں تمہیں ایک موقع دوں گی۔''

مرسل نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھے بیٹھے کہہ رہی تھی۔ ''تم صبح ہوتے ہی مجھ سے شادی سے انکار کر دو گے۔ ورنہ ہر رات میں تمہیں ملنے آؤں گی۔ اسی طرح۔ بالکل اسی طرح۔ اور جانتے ہو میں کیا کروں گی؟''

اس نے خنجر گردن سے ہٹایا اور اس کے بالوں کی ایک لٹ پکڑی۔ پھر زور سے اسے کاٹ ڈالا۔

''میں ہر رات تمہارے بالوں کا کچھ حصہ کاٹ کے تمہارے سینے پہ رکھ جاؤں گی۔'' اس نے کٹے ہوئے بال اس کے سینے پہ رکھے اور پیچھے ہوئی۔

''مضحکہ خیز بات لگتی ہے۔ ہے نا؟ مگر زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ جب روز درجنوں محافظوں کے نرغے میں سو گے۔ خوف سے نیند بھی نہیں آئے گی۔ محل کی حفاظت بڑھا دو گے.... پھر بھی ہر صبح اٹھو گے تو تمہاری ایک کٹی ہوئی لٹ تمہارے سینے پہ پڑی ہوگی۔'' وہ سرگوشی میں بولتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

''اور ہر صبح تمہیں احساس ہوگا کہ میرا خنجر تمہاری گردن کے کتنا قریب تھا۔ ہر رات میں تمہاری جان بخشا کروں گی۔ لیکن اگر تم نے یہ شادی والا ناٹک ختم نہ کیا تو کسی روز یہ خنجر تمہاری شہ رگ پہ چل بھی سکتا ہے۔''

خنجر واپس میان میں اڑسا اور اپنی ہتھیلی اس کے قریب لائی۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ ہتھیلی میں سیاہ رومال ہے۔ اس نے دائیں بائیں گردن مارنا چاہی مگر وہ بھیگا رومال سختی سے اس کی ناک پہ جما چکی تھی۔ مرسل شاہ کا ذہن چند لمحوں میں تاریکی میں ڈوب گیا۔

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی تو سارے کمرے میں روشنی تھی۔ وہ تیزی سے سیدھا ہو کے اٹھ بیٹھا اور اپنی کلائیوں کو چھوا۔

وہ آزاد تھیں۔ ان پہ رسیوں کا نشان تک نہ تھا۔ نہ ہی کمرے کی کوئی شے ہلی ہوئی تھی۔ وہ بستر سے اترا اور اپنی گردن جھاڑی۔ بالوں کی کوئی لٹ' کوئی کٹے ہوئے بال وہاں نہ تھے۔ کھڑکی بھی اندر سے بند تھی۔ مرسل بھاگ کے کھڑکیوں تک گیا اور ایک ایک کی کنڈی دیکھی۔ سب مقفل تھیں۔

☆☆

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

صدف آصف

بدگمان

آنسہ شان بڑی عجلت میں اپنے کمرے سے باہر آئی۔ کچھ دیر رک کر سوچا پھر کچن کی جانب قدم بڑھائے، فریج کھولا، بوتل نکال کر پانی پیا اور ٹیبل کے پاس کھڑے ہو کر اپنے پرس میں جھک کر کچھ ٹٹولنے لگی۔

''کیا ڈھونڈ رہی ہو بیٹی؟'' علی نواز صاحب نے مسکرا کر بہو کو دیکھا۔

''پاپا جی! کار کی چابی نہیں مل رہی ہے۔'' اس نے نرمی سے جواب دیا۔

''وہ سامنے ٹیبل پر پڑی ہے، شان صبح جاتے ہوئے تمہیں دینے کا کہہ گیا تھا۔''

''تھینک یو پاپا۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''بیٹی کہیں جا رہی ہو؟'' علی نواز نے سوالیہ انداز میں بہو کو دیکھا۔

''پاپا جی۔ بس تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا مگر ساس کے چہرے کے بگڑتے زاویے اسے ڈرانے لگے۔

''اچھا ممی! میں جا رہی ہوں، لنچ تک آجاؤں گی۔'' اس نے ساس کو بتایا اور بیگ کو کاندھے پہ لٹکاتے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

نیرہ علی جو کب سے ٹھہرے پانی کی طرح ساکت بیٹھی سارا تماشا دیکھ رہی تھیں اچانک شوہر کی جانب مڑیں اور چیخ کر یوں بولیں۔ جیسے لہروں میں طغیانی آ گئی ہو۔

''میرا لڑکا۔ بس ہاتھ سے ہی نکل گیا ہے۔''

''اب کیا ہوا نیرہ بیگم؟''

''وہ خود تو صبح ٹیکسی پر گیا ہے اور مہارانی کے لیے گاڑی گھر چھوڑ دی۔''

''ہاں تو یہ ان دونوں کی انڈر اسٹینڈنگ ہے، تمہیں اس سے کوئی پرابلم ہے؟'' وہ سخت انداز میں بولے۔

''بہو بیگم کے تو قدم گھر پر رکتے ہی نہیں، چھٹی والے دن بھی نکل پڑیں۔''

''اب ایسا بھی نہیں ہے، ہو سکتا ہے، کسی ضروری کام سے گئی ہو۔''

''تو کیا ضروری کام ہمیں بتا کر جانے سے ڈاکٹر نے منع کیا ہے۔''

''توبہ ہے بیگم صاحبہ! ایسے ہی بات بے بات کے پیچھے نہ پڑ جایا کرو۔''

''آپ کو تو بس ہر بات میں میری مخالفت ہی کرنی ہوتی ہے۔'' وہ چڑ کر شوہر کو دیکھنے لگیں۔

''میں صرف سچ بات کی حمایت کرتا ہوں اور تم بہو سے بدگمان رہتی ہو۔'' علی نواز نے بیوی کو گھورا۔

''اس وقت میری مرحا ہوتی تو کبھی نہ جاتی۔ کم از کم آج کے دن تو کبھی نہیں۔''

''پھر وہی بدگمانی۔ مرحا کو بھی اگر کسی ضروری کام سے باہر جانا ہوتا تو کیا وہ نہیں جاتی؟''

''بس بھئی میرا تو سر پک گیا، آپ کی تقریریں سن سن کر۔'' نیرہ بیگم نے بیزار ہو کر شوہر کو ٹوکا۔

''کوئی بات نہیں، بیگم صاحبہ کبھی کبھی کام کی باتیں بھی سن لینی چاہئیں۔'' علی نواز نے برا مانے بغیر کہا۔

''خیر چھوڑیئے، میں دیکھتی ہوں بہو بیگم نے دوپہر کے لیے کچھ پکایا بھی ہے یا.....'' انہوں نے

کچن میں جاتے جاتے پلٹ کر کہا۔

''مجھے پتا ہے، اس کا کوئی نہ کوئی سرپرائز رکھا ہوگا، اس خاص دن کے لیے۔'' وہ بیوی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے سوچنے لگے۔

☆☆☆

آنسہ شادی کے بعد بہت جلدی اپنے سسرال میں گھل مل گئی تھی۔ حالاں کہ وہ غیر خاندان میں بیاہی گئی تھی مگر یہاں اس کی باتوں کو دل سے لگانے کی جگہ چٹکیوں میں اڑانے والی عادت بہت ہی کام آئی، اس کے علاوہ شان علی بھی اسی کی طرح کا خوش مزاج تھا، اپنے آپ میں مگن' مست ملنگ' یاروں کا یار، کچھ ایسا ہی مزاج آنسہ کا بھی تھا۔ یہ ہی وجہ تھی کہ دونوں بہانے بہانے سے ہر وقت ہلہ گلہ مچائے رکھتے تھے۔ بہو بیٹے کا ایسا چلن دیکھ دیکھ کر نیرہ علی کا منہ بنا رہتا۔ ان کے دل میں بہو کو دبا کے رکھنے کی خواہش چٹکیاں لیتی، اسی لیے بیٹے کو چپکے چپکے یہ ہی گر سکھاتیں مگر وہ ہنستے ہوئے ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیتا۔

آنسہ بہت خوش تھی، اس کے لیے شان کا دیا ہوا اعتماد ہی کافی تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنی جاب جاری رکھ سکی تھی۔ شان علی آرکیٹیکٹ کے طور پر جس کمپنی سے منسلک تھا' آنسہ وہیں پر ڈیزائنر کے طور پر

کام کرتی تھی۔ صبیح چہرے پہ بالوں کی جھولتی لٹ، وہ جب کاموں میں مصروف دکھائی دیتی تو بے ساختہ شان کا دل کرتا کہ آگے بڑھ کر اس لٹ کو سنوار دے۔

وہ بڑی منفرد سی لڑکی تھی، اس بات کا ادراک شان کو تو اُس کے ساتھ کام کرنے کے بعد ہوا۔ ایسا چمکتا ستارہ جو رات کے اندھیرے میں آسمان پر جھومر کی طرح سج جائے' یہ ہی وجہ تھی کہ شان نے آنسہ محمود کو شریک حیات بنانے کا فیصلہ کیا اور والدین کے سامنے ضد باندھ لی۔ اس نے بہت جلد اپنی محبت کو زندگی میں شامل کرلیا۔

شان کو آنسہ کے ساتھ رہتے ہوئے احساس ہوا کہ خوشی کی حقیقت کیا ہوتی ہے۔ وہ زندگی میں بہار بن کر آئی اور چھا گئی۔ اس کے ساتھ رہ کر شان کا زندگی گزارنے کا ڈھنگ ہی بدل گیا۔ خود غرضی، منافقت، بدمزاجی' آنسہ کی ڈکشنری میں ایسا کوئی لفظ نہیں تھا وہاں تو بس حرف محبت ہی لکھا ہوا تھا۔ سو وہ محبت بانٹتی پھرتی، بدلے میں بھلے اسے طعنے تشنوں کا سامنا ہو مگر اس نے اپنا چلن نہ بدلا۔

من چاہے ساتھی کا ساتھ ہو تو وقت کا پتا نہیں لگتا۔ دو سال تو گویا پر لگا کر اڑ گئے۔ ان دونوں نے پلاننگ کر رکھی تھی کہ جب تک پیروں تلے اپنی زمین نہیں ہوگی، نئی زندگی کو دنیا میں نہیں لائیں گے، اسی لیے دونوں نے دن رات محنت کرکے پیسہ اکٹھا کیا، کچھ بینک نے قرضہ دیا اور چند ماہ قبل ہی انہوں نے ایک اچھے علاقے میں یہ لگژری اپارٹمنٹ خریدا تھا جو آنسہ کو اپنے خوابوں کی تعبیر دکھائی دیتا تھا مگر نیرہ کو یہاں رہنا اتنا ہی مشکل لگا، جیسے وہ زندان میں قید ہوں۔

☆☆☆

''یہاں کسی کو کون سا کچھ یاد ہے۔'' ناشتے کے برتن دھوتے ہوئے نیرہ بیگم خود ترسی کا شکار ہونے لگیں۔ ''پرانا محلہ ہوتا تو پڑوس والی بھابھی میرا صبح ہی صبح منہ میٹھا کراتیں، انہیں سب یاد رہتا تھا۔'' وہ کچھ چیزوں کے معاملے میں بہت حساس ہو جاتی تھیں۔ اس وقت بھی ان پر کچھ ایسی ہی کیفیت طاری تھی۔

''کتنے اچھے دن تھے، ایک دوسرے کے غمی خوشی کے ساتھ مگر یہاں تو اپنوں کو ہی خبر نہیں۔'' غصے میں نل کھلا رہ گیا۔

''نواز صاحب کو بھی دیکھو۔ منہ سے ایک لفظ نہیں نکلا۔'' غصے میں گلاس کو دوبار دھو ڈالا۔

''اس مرحانے بھی صبح سے دوبار کال کی، اپنی ساس کی پچاس شکایتیں لگا دیں مگر یہ بات یاد نہیں رہی، خیر اس کا تو سسرال بھی ایسا ہے کہ اچھے اچھوں کی مت مار دے۔'' دل ہی دل میں شکوہ کیا اور پھر بیٹی کی طرف سے صفائی دے دی۔

''شان اور آنسہ۔ انہیں کون سا یاد رہا۔ ہاں بھئی ہماری حیثیت ہی کیا۔ وہ بھی بھول گئے۔'' ان کا دل اداس ہونے لگا۔ کانوں میں مسلسل بیل کی آواز آرہی تھی مگر وہ توجہ دیے بنا بلاوجہ کے کاموں میں الجھی رہیں۔

☆☆☆

دروازے پر بجنے والی گھنٹی نے نواز علی کے مطالعے میں رخنہ ڈالا تو عینک میں سے جھانک کر بیرونی دروازے کی طرف دیکھا، پھر کچن میں مصروف بیوی کو پکارا۔ کوئی جواب نہ آیا تو۔ خود بھی سنی ان سنی کرکے اخبار پڑھنے میں مگن ہوگئے۔ اندازہ تو تھا کہ چھٹی والا دن ہے، یقیناً سالی صاحبہ کی آمد ہوئی ہوگی۔

''جان بوجھ کر دروازہ نہیں کھول رہے مگر میں بھی واپس جانے والی نہیں ہوں۔'' منیرہ کی بڑبڑ شروع ہوگئی۔

کئی بار گھنٹی بجانے کے باوجود بھی جب دروازہ نہیں کھلا تو اس بار جو انگلی بیل پر رکھی تو ہٹانا

بھول گئیں۔

''نواز صاحب! اب دروزاہ کھول بھی دیں۔ منو آئی ہوگی۔'' بیوی کے چنگھاڑنے پر مجبوراً نواز صاحب کو اٹھنا ہی پڑا۔ غصے میں اخبار لپیٹ کر کرسی پر رکھا اور دروازے کی جانب چل دیئے۔

''آگئی زمانے بھر کی خبریں لینے اور دینے۔'' سامنے کھڑی سالی کو دیکھ کر نواز منہ ہی منہ میں بدبدائے۔

''السلام علیکم بھائی جان!'' لاپروائی سے سلام داغنے کے بعد انہوں نے منہ بنائے کھڑے بہنوئی کو گھورا۔

''اتنی دیر سے بیل بجا رہی تھی، دروازہ کیوں نہیں کھولا؟'' جواب نہ ملنے پر وہ بھنائی۔

''اچھا، پتا نہیں مجھے آواز نہیں آئی۔'' وہ معصوم بن گئے۔

''حیرت ہے، گھنٹی کی اتنی تیز آواز پر قبر کے مردے اٹھ بیٹھیں اور آپ کو پتا نہیں چلا۔'' طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''فضولیات میں تو آپ نے پی ایچ ڈی کر رکھا ہے منیرہ بیگم۔'' سالی کی بات پر وہ بلبلائے۔

''گھر میں کوئی نہیں ہے کیا؟'' منیرہ نے اندر جھانکتے ہوئے بات بدلی۔

''آجاؤ۔ اندر تمہاری بہن ہیں نا۔'' راستہ دیتے ہوئے ناگواری سے بولے۔

''باجی کہاں ہیں؟'' وہ بڑی ترنگ میں پکارتی ہوئی اندر کی جانب لڑکیوں کی طرح بھاگی۔

''توبہ ہے۔'' ناگواری سے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''شکر ہے کہ آپ گھر پر ہیں ورنہ بھائی صاحب تو مجھے دروازے سے لوٹا دیتے۔'' وہ زوردار انداز میں بہنوئی کی شکایت لگاتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

''اب میرا یہاں کیا کام، دونوں بہنوں نے کپڑوں کی طرح لوگوں کو دھونا ہوگا۔'' وہ لاؤنج سے ہوتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

☆☆☆

''میں سوچ رہی تھی کہ کون آیا ہے اس وقت۔'' کچن سے باہر آتے ہوئے نیرہ نے مسکرا کر بہن کا سواگت کیا۔

''کیا مطلب باجی..... تھوڑی دیر پہلے واٹس اپ تو کیا تھا کہ میں آرہی ہوں۔'' منیرہ نے منہ بنا کر بہن کو دیکھا۔

''اچھا۔ پتا نہیں میرا فون کہاں پڑا ہے، دیکھا ہی نہیں۔'' وہ گڑبڑائیں۔

''یقیناً بھائی صاحب نے چھپا دیا ہوگا۔ وہ تو ہمیشہ میری تمہاری محبت سے جلتے ہیں۔''

''دھیرے بولو۔ سن لیں گے تو برا مانیں گے۔'' نیرہ ہمیشہ سے جاری سالی بہنوئی کی نوک جھونک کو جانتی تھیں، مسکرا کر بولیں۔

''ہونہہ۔ برا مانتے ہیں تو دو روٹی زیادہ کھالیں مگر حقیقت تو یہ ہی ہے۔''

''اچھا۔ بیٹھ تو جاؤ۔''

''ویسے باجی! تمہارا نیا فلیٹ تو بہت ہی روشن اور ہوادار ہے۔'' منیرہ نے آرام دہ صوفے پر بیٹھ کر طمانیت سے پیر پھیلائے۔

''بس رہنے دو۔ میرا تو یہاں جیسے دم گھٹتا ہے۔'' نیرہ نے بلبلا کر بہن کو دیکھا۔

''کیوں۔ ایسا کیوں کہتی ہو۔ اتنا اچھا تو ہے۔'' وہ گھبرا کر بہن کا منہ تکنے لگی تو نیرہ نے ہاتھ ملتے ہوئے اپنے پرانے محلے کو یاد کرنا شروع کر دیا۔

شان علی اپنے والدین کے ساتھ یہاں شفٹ تو ہو گیا تھا مگر نیرہ بیگم بالکل خوش نہ تھیں۔ نیا محلہ، نئے پڑوسی، در و دیوار بھی اجنبی اجنبی سے، رات ہوتے ہی نیرہ بیگم کا تو جیسے کلیجہ منہ کو آنے لگتا، وہاں تو آس پڑوس والی خواتین کا میلہ لگا رہتا تھا اور یہاں تو

پڑوسی بڑے تکلف سے ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے تھے۔

نیرہ کا بس چلتا تو وہ پرانے والے کرائے کے مکان میں دوبارہ شفٹ ہوجاتیں، جہاں کے درودیوار ان کے خوشی وغم سے آشنا تھے۔ زندگی کے کتنے حسین لمحے انہوں نے وہاں گزارے تھے، وہیں شان نے آنکھیں کھولیں اور انہیں ماں بننے کا اعزاز بخشا، مرحا کی قلقاریاں اسی پرانے آنگن میں گونجیں، ان کے ساس سسر کا انتقال بھی اسی گھر میں ہوا تھا، نوازعلی کی محبتوں کی گواہی بھی اس گھر کے چپے چپے نے دی۔ ان کی خوش حال ازدواجی زندگی کا بڑا حصہ وہیں گزرا تھا، اب بڑھاپے میں آکر نئے محلے، نئے گھر میں ایڈجسٹ ہونا مشکل لگ رہا تھا۔

☆☆☆

''سب چھوڑیں۔ یہ بتائیں کوئی نئی پروگریس؟'' منیرہ نے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر بہن کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔

''ارے کہاں۔ کتنی بار بہانے بہانے سے شان کے سامنے ذکر نکالا مگر وہ تو جیسے کچھ سننا ہی نہیں چاہتا۔''

''اپنی بہو کو سمجھائیں نا۔'' منیرہ نے مفت مشورہ دیا۔

''سمجھایا؟ یہ دعا بھی دے ڈالی کہ سدا سہاگن رہو اور جلدی سے پوتا پوتی کا منہ دکھاؤ مگر جانے کس مٹی سے بنی ہے، کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔'' نیرہ بیگم نے بہن کے سامنے پریشانی کا اظہار کیا۔

''توبہ..... توبہ..... ان لڑکیوں کو تو بس اپنی فٹنس کا ہی خیال رہتا ہے۔'' منیرہ کی بات پر وہ سر ہلانے لگیں۔

''ایک میری مرحا ہے۔ سسرال والوں کی مرضی کے بغیر سر بھی نہیں ہلاتی۔'' بہن کی بات پر منیرہ چپکی بیٹھی رہیں، ورنہ بھاجی کے مزاج کی تیزی سے بخوبی واقف تھیں۔

جب کافی دیر تک بہن نے چائے کو بھی نہیں پوچھا تو منیرہ نے بہانے سے بات نکالی۔

''یاد نہیں باجی! پچھلے ہفتے جب میں آئی تھی تو تمہاری بہو نے مائیکرو ویو والے پاپ کارن اور سینڈوچ بنا کر کھلائے تھے۔''

''تو اور کیا۔ میری مرحا تو خالہ کو دیکھتے ہی برگر، پیزا آرڈر کردیتی تھی۔'' وہ جانے کن خیالوں میں تھی مسکرا کر بولیں۔

''ہاں۔ کتنا کچھ کرتی تھی وہ میرے لیے۔ ایسا کریں کچھ کھانا آرڈر کردیں، بڑی بھوک لگ رہی ہے۔''

''ارے نہیں۔ تھوڑی دیر رک جاؤ، وہ آنسہ آنے والی ہوگی، بول رہی تھی کہ لنچ تک آجائے گی۔'' وہ بہن کی خاطر مدارت کرنے کے موڈ میں نہیں تھیں اسی لیے بہو کے آنے کا انتظار تھا۔

''اچھا آپ نے کیا پکایا ہے؟'' منیرہ نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے نہیں تو..... مگر وہ آنسہ آکر ابھی کچھ نہ کچھ جھٹ پٹ پکا دے گی ہمارے لیے۔''

''ویسے باجی! اپنی مرحا سسرال میں کیا کرتی ہوگی، اسے تو کھانا پکانا نہیں آتا؟'' منیرہ کو اچانک خیال آیا۔

''کچھ نہیں انٹرنیٹ سے کھانے کی ترکیبیں دیکھ لیتی ہے یا مجھے کال کرکے پوچھ لیتی ہے۔'' نیرہ نے مسکرا کر بتایا۔

''ہاں یہ تو ہے۔ نقل کے لیے بھی عقل چاہیے ہوتی ہے، جو مرحا میں تمہاری بہو سے زیادہ ہے۔''

''کیا مطلب۔ تم اپنی بھاجی کا مذاق اڑا رہی ہو؟''

''اوہ نہیں..... میرا مطلب..... تو کچھ اور تھا۔'' منیرہ نے گھبرا کر بڑی بہن کی طرف دیکھا۔

''ویسے باجی! یہ دوپٹہ تو بڑا پیارا ہے۔ کیا بہو

نے لا کر دیا تھا؟'' منیرہ نے بہن کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے تعریفیں شروع کر دیں۔

''ارے نہیں۔ تمہارے بھائی صاحب نے دلایا تھا۔ شادی کی پچھلی سالگرہ پر۔'' وہ شرمائیں اور پھر دکھ نے گھیرا۔

''اچھا۔ میں سمجھی آنسہ نے خریدا تھا، ویسے بھی پورے گھر کی شاپنگ وہ خود ہی تو کرتی ہے نا۔''

''ہاں تو میرے بیٹے کی کمائی ہے، جب دیکھو شاپنگ پہ جاتی ہے۔ تھیلا بھر بھر کر سامان لاتی ہے، تو مجھ پر احسان کرنے کے لیے ایک دو سوٹ پکڑا دیتی ہے۔'' بہن کی بات پہ ان کا منہ پھول گیا۔

''اچھا اور یہ جو سونے کی چوڑیاں ہیں؟''

''آنسہ نے بنوائی تھیں، اپنی تنخواہ بڑھنے کی خوشی میں۔ تو میں نے پہن لیں ورنہ شان سے شکایت لگا دیتی کہ ممی میرا تحفہ نہیں پہنتی ہیں۔''

''کمال ہے میری بہو تو میرے لیے کبھی ایک کاٹن کا دوپٹہ تک نہیں لائی۔'' منیرہ دبے لہجے میں بولی۔

''ہاں تو وہ کماتی تھوڑی ہے۔'' نیرہ نے بے جا حمایت کی تو منیرہ نے حیرت سے بہن کی طرف دیکھا اور چپ کر کے بیٹھ گئی۔ لاؤنج میں خاموشی پھیل گئی۔ اتنے میں واٹس اپ پہ کوئی میسج آیا، نیرہ نے چشمہ لگا کر پڑھا اور چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیا ہوا باجی؟''

''مرحا نے واٹس اپ کیا ہے۔'' ان کے چہرے سے روشنی پھوٹی۔

''اچھا۔ کیا کہہ رہی ہے میری بھانجی؟'' بے چینی سے پوچھا۔

''وہ کہہ رہی ہے۔ لنچ پر پہنچنے والی ہوں، میرا انتظار کیجیے گا۔'' نیرہ خوش دلی سے بولیں

''ایسی کیا آفت آ گئی جو بھانجی صاحبہ سسرال سے بھاگی چلی آ رہی ہیں۔'' منیرہ نے دل ہی دل میں سوچا اور منہ بنا کر بہن کو دیکھا، جن کا موڈ ایک دم سے اچھا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

نیرہ نے بیٹی کی آمد کا سن کر جوش میں جا کر شوہر کو جگایا اور اب سب بیٹھے مرحا کا انتظار کر رہے تھے۔ بیل کی آواز پر نیرہ بڑبڑاتی ہوئی تیزی سے دروازے کی طرف دوڑیں۔

''کسی کو یاد ہو نہ ہو میری بیٹی کو یاد ہے، جب ہی تو وہ ایسے بھاگی چلی آ رہی ہے۔''

''شادی کی سالگرہ مبارک ہو ممی، پاپا۔'' مرحا بڑا سا پھولوں کا گل دستہ تھامے شور مچاتی ہوئی اندر داخل ہوئی تو ان کے من کا گلستان سج گیا۔

''اوہ۔ میں تو بھول ہی گئی اور باجی اس بات پر بہت بُرا مانتی ہیں اگر کوئی ان کی شادی کی سالگرہ پر وش نہ کرے، میری تو اب خیر نہیں ہے۔'' منیرہ نے بھانجی کی بات پر اپنا سر تھام کر دل ہی دل میں سوچا اور چور نگاہوں سے سب کی طرف دیکھا۔

''دیکھا۔ بہو بیٹا بھول سکتے ہیں، مگر میری مرحا نہیں۔'' منیرہ نے بکے تھامتے ہوئے شوہر کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں بولیں۔

''تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔'' علی نواز نے افسوس بھرے انداز میں بیوی کی طرف دیکھ کر سوچا۔

''ہائے فرینڈ۔ آپ بھی آئی ہوئی ہیں۔'' وہ شرارتی انداز میں خالہ کے گلے لگ گئی۔

''ہاں تو۔ نہیں آتی کیا۔ باجی کی شادی کی سالگرہ تھی۔'' وہ خفت مٹانے کو بولیں تو نواز نے سالی کو گھورا۔

''کتنا انتظار کر رہی تھی میں۔'' نیرہ نے فوراً ہی بیٹی کو پکار کر اپنی جانب متوجہ کیا۔

''اسامہ میاں نہیں آئے کیا؟'' نواز نے بیٹی کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں وہ بزنس ٹرپ پر دبئی گئے ہوئے ہیں۔'' مرحا ماں سے دوبارہ لپٹ گئی۔

''شکر ہے تمہیں اپنے والدین کی شادی کی سالگرہ یاد رہی۔ میں تو سبھی سب بھول گئے۔'' نیرہ کی سوئی ایک ہی جگہ پہ اٹکی ہوئی تھی۔ بیٹی سے شکوہ

کرنے لگ گئیں۔

''اوہ ممی۔ اس کے لیے تھینکس ٹو بھائی، بھابھی۔''

''کیا مطلب؟''

''بھابھی نے تو کال کر کے مجھے یاد دلایا اور تیار ہونے کا کہا۔ ورنہ سچی بات ہے کہ میرے ذہن سے بالکل نکل گیا تھا۔'' مرحا نے صاف گوئی سے کہا تو نیرہ پہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔

''تمہارے بھائی، بھابھی خود کہاں ہیں؟'' نواز نے طنزیہ انداز میں بیوی کو دیکھا اور پھر بیٹی سے پوچھا۔

''پتا نہیں۔ کہاں رہ گئے۔ بھابھی ہی تو مجھے اور بھیا کو کار میں پک کرتی ہوئی آئی ہیں۔''

''میں یہاں ہوں مرحا! گاڑی سے کیک نکال رہی تھی۔'' آنسہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''ممی.....! یہ سب آپ کی بہو کی کارستانی ہے، اسے ہر وقت سرپرائز کا بھوت سوار رہتا ہے۔'' شان بھی شاپرز ہاتھوں میں تھامے اندر داخل ہوا اور آنسہ کو محبت سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہیپی ویڈنگ اینی ورسری ممی، پاپا۔'' آنسہ نے ٹیبل پر کیک سیٹ کرتے ہوئے مسکرا کر انہیں وش کیا۔

''تھینک یو بیٹا۔ جیتی رہو۔'' نواز علی نے بڑھ کر بہو کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''تمہیں ہم بوڑھا بوڑھی کی شادی کی سالگرہ یاد تھی۔'' نیرہ حیرت سے بہو کا منہ تکنے لگیں۔

''ممی۔ میں کیسے وہ خوب صورت دن بھول سکتی ہوں جس کی وجہ سے مجھے آپ جیسی پیاری ساس ملیں۔'' آنسہ نے نے بڑے خلوص سے انہیں گلے لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''پاپا۔ یہ سوٹ ہیں۔ آپ کے اور یہ ممی کے۔ پلیز جلدی سے چینج کر کے تیار ہو جائیں۔'' شان نے ہاتھوں میں تھامے شاپرز ان کی طرف بڑھائے۔

''ارے بھئی۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' نواز علی نے سستی دکھائی۔

''جلدی سے تیار ہو جائیں، بھائی ہمیں لنچ پر لے جا رہے ہیں۔'' مرحا نے ماں باپ کو ریڈی میڈ سوٹ شاپرز سے نکال کر تھمائے

''واہ بھئی، سب لنچ پر جا رہے ہیں۔ میں بھی چلوں گی۔'' منیرہ نے جلدی سے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''کیوں نہیں خالہ۔ ویسے آپ سب کے لیے ایک اور بڑی خبر ہے۔'' مرحا نے بھابھی کے گرد پیار سے بانہیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''ہائے، کیا ہوا اب؟'' منیرہ کے پیٹ میں درد اٹھا۔

''بھائی بھابھی۔ اس بار ممی اور پاپا کو بہت بڑا تحفہ دینے جا رہے ہیں۔'' مرحا کے شرارتی انداز پر آنسہ ایک دم شرما گئی۔

''اچھا۔ وہ کیا؟'' نیرہ نے چونک کر بیٹی کو دیکھا۔

''آپ دونوں دادا دادی بننے والے ہیں۔'' اس نے ماں کی طرف دیکھ کر بتایا۔

''ہائے..... سچ؟'' سب ایک ساتھ بولے تو آنسہ کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔

''اور مابدولت پھپھو۔ تھینک یو بھائی اینڈ بھابھی۔'' وہ بھائی کے گلے لگتے ہوئے بڑے خلوص سے بولی۔

''شکر ہے میرے اللہ کا۔'' نیرہ کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ آگے بڑھ کر بہو کو خوشی سے گلے لگا لیا۔

''تھینک یو فار ایوری تھنگ بیٹی۔'' نواز علی نے بیٹے کو گلے سے لگایا اور بہو کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''تو پھر لنچ پر چلیں۔'' منیرہ نے یاد دلایا تو سب کے چہروں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

حنا بشریٰ

بیل

"یہاں فارمولا پٹ کرو.....تو تمہارا آنسر بہت آسانی سے آجائے گا!"

ٹیوٹر عبداللہ اپنے شاگرد مازن کو میتھ سوالات حل کرنے کا طریقہ سکھا رہا تھا۔ عبداللہ خود انجینئرنگ یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ تھا۔ پڑھ بھی رہا تھا اور شام کے اوقات میں پڑھا بھی رہا تھا۔

"نہیں مازن..... یوں نہیں۔" وہ چند ثانیے اپنے شاگرد کی نوٹ بک کی طرف گہری دلچسپی سے دیکھتا رہا۔ شاید جو اس کے بتائے گئے طریقے کے مطابق سوال حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر پھر بھی کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔ عبداللہ نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگائی اور نوٹ بک اور پین اپنی گرفت میں لے لیے۔

"نالائقوں کے سردار.....اس طرح نہیں..... اس طرح.....!"

ریاضی پر تو عبداللہ کو کمال دسترس حاصل تھی۔ چٹکی بجا کر مشکل سے مشکل سوالات کا جواب نکال کر رکھ دیتا تھا۔ وہ ہونہار اسٹوڈنٹ ہی نہیں، باکمال اور ذہین ٹیچر بھی تھا۔ اور اپنی خداداد صلاحیتوں کا ثبوت اس نے چند ہفتوں میں ہی دے دیا تھا۔

"چلو، اب اگلا ٹم کرو!"

دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس نے نوٹ بک اور پین مازن کی جانب بڑھایا تو اس کو مسکراتا دیکھ کر دروازے کی اوٹ میں کھڑی نورالعین کے لبوں پر بھی بے اختیار ہنسی آگئی۔ خود تو وہ دروازے کے پیچھے کھڑی تھی۔ مگر دروازے میں لگے شفاف شیشے اندر کا منظر واضح کر رہے تھے۔

"عبداللہ کی مسکراہٹ کتنی پیاری ہے۔ وہ کس طرح اپنے شاگرد سے دوستانہ انداز میں بات کرتا ہے۔ کتنے لطیف انداز میں اسے نالائقوں کا سردار کہتے ہوئے اس کے سر پر چپت بھی لگا رہا تھا۔ اس کا انداز تعلیم و تدریس جہاں متاثر کن تھا۔ وہیں اس کی ظاہری شخصیت بھی جاذب نظر تھی۔ اس کا ہر لفظ دل میں اتر جاتا تھا۔

مازن کی اس سے پہلے کسی ٹیوٹر سے نہیں بنی تھی۔ عبداللہ واحد ٹیچر تھا جس کو مازن نے پسندیدگی کی سند دے کر اپنی ماں حفصہ کو مطمئن کر دیا تھا۔

"نائس ..... ویل ڈن.....!" شاید اس بار مازن نے سوال درست حل کر دیا تھا تو عبداللہ کی طرف سے داد وصول کر رہا تھا۔ عبداللہ نے ایک نگاہ وال کلاک پر ڈالی۔ وقت کا اندازہ لگایا اور تیزی سے قلم کو جنبش دیتے ہوئے مازن کو ہوم ورک دینے لگا۔ مطلب کہ اب زیادہ سے زیادہ بیس پچیس منٹ کے بعد وہ جانے والا تھا۔

نورالعین کا دل نا جانے کیوں ڈوبنے لگا تھا!

ابھی ان ہی کیفیات میں گھری اپنی ٹانگوں کو نہ جانے کس جذبے، کن احساسات کے زیر اثر مزید شل کرتی رہتی اگر عقب سے ماں کی آمد ٹھوکا نہ دیتی۔

"یہاں.....کیا کر رہی ہو؟"

استفہامی نظروں میں یہ سوال رقم تھا۔

"وہ امی..... میں.....نا.....!" گھبراہٹ کوئی عام نوعیت کی نہ تھی۔ جو ایک ماں کی جہاں دیدہ تجربہ شناس نظر سمجھ نہ پائی۔

"چلو اپنے کمرے میں!" آواز اس قدر دھیمی تھی جو صرف انورالعین کی سماعتوں میں اتری تو وہ لمحہ بھر کے لیے بھی وہاں ٹھہر نہ سکی۔

حفصہ عبداللہ کے لیے چائے لے کر آئی تھی۔

تقریباً ہر دوسرے تیسرے روز وہ ٹیوٹر کو چائے شربت موسم کی مناسبت سے دیا کرتی تھی۔ مگر نورالعین کے ہاتھ سے یہ کام کبھی نہیں کروایا تھا۔ بیٹی جوان تھی عبداللہ کی ہم عمر، لہٰذا وہ جوانی کی نزاکتوں کو بخوبی سمجھتی تھی۔ یہ منظر آج اس نے دیکھا تھا۔ جوان بیٹی کی بجھی بجھی غم میں ڈوبی آنکھیں۔ اداس چہرہ جیسے خوشی کے سب رنگ چھین لیے گئے تھے۔ عرق آلود پیشانی جو انجانی گھبراہٹوں کی غماز تھی۔ یہ چہرے کے

بدلے بدلے رنگ تو آج ہی دیکھے تھے مگر دروازے کی اوٹ میں یوں کھڑا ہونے کا پہلے بھی مشاہدہ کر چکی تھی جس کے متعلق تشویش بھی ہوئی تھی۔

''وہ امی..... میں یہ دیکھ رہی تھی کہ نیا ٹیوٹر کیسا پڑھا رہا ہے؟'' نورالعین خود بی ڈی ایس (بیچلر ان ڈینٹل سرجری) کی اسٹوڈنٹ تھی۔ بننا تو ایم بی بی ایس ڈاکٹر چاہتی تھی مگر قسمت ڈاکٹری کی اس لائن کی طرف لے گئی۔ وہ خود بھی بہت ذہین و فطین طالبہ تھی۔ مازن اس کا چھوٹا بھائی تھا..... پورے چار سال چھوٹا۔ چاہتا تو بہن سے پڑھ سکتا تھا مگر مازن کے سامنے نورالعین کی حیثیت.....

گھر کی مرغی دال برابر تھی..... وہ بہن سے پڑھتا کم، بحث زیادہ کرتا تھا۔ اسی بات پر وہ چڑ جاتی تھی۔

''امی..... میں نے نہیں پڑھانا آپ کے ''نخریلے'' بیٹے کو!'' نورالعین کو مازن اتنا ستاتا کہ زچ ہو جاتی۔

کچھ عرصے تو وہ حوصلے سے اس کی تمام ''گستاخیاں'' برداشت کرتی اسے پڑھاتی رہی۔ مگر یہ ''کارنامہ'' انجام دینا شاید نور کے نصیب میں ہی نہیں تھا۔

''امی..... لگائیں پیسے اور رکھیں اس نوابزادے کے لیے ٹیوٹر!'' مازن اس قدر اڑیل گھوڑا تھا کہ اس کو پڑھاتے نورالعین خود ہانپنے والی ہو جاتی تھی مگر اسے سمجھ میں نہ آتا۔ ویسے بھی وہ سمجھنا ہی کہاں چاہتا تھا۔ وہ بہن سے پڑھتا کم اور لڑتا زیادہ تھا۔

ماں منتیں کر کر کے تھک گئی تھی کہ جب گھر میں پڑھانے کی سہولت موجود ہے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ، مگر نا جی..... مازن جیسے بگڑے شہزادے کی ناک کے نیچے کوئی ''ٹیچر'' آتا ہی کب تھا۔ اس نے تو پہلے درجنوں ٹیوٹروں کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ اس مشن میں اس کی بہن بھی شامل تھی جو سب سے پہلے کانوں کو ہاتھ لگا کر بھاگی تھی۔

''بے کار میں آٹھ دس ہزار ٹیوٹر کو دینے پڑیں گے!'' حفصہ کو بھی مازن کی ہٹ دھرمی پر غصہ تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ گھر میں تنگی و ترشی تھی۔ نورالعین کے پاپا بینک میں برانچ منیجر تھے۔ اچھی خاصی آمدنی تھی۔ بیوی بچوں کو ہر نعمت میسر تھی مگر پھر بھی حفصہ ایک کفایت شعار عورت تھی کہ باہر ٹیچروں پر رقم لٹانے سے بہتر تھا کہ مازن، نورالعین سے پڑھ لے۔

مگر مازن نے تو جیسے دل ہی دل میں کوئی ''منت'' مان رکھی تھی کہ اتنے آرام سے نہیں پڑھوں گا۔ ''آپ سب مجھے اتنا ایزی'' نہ لیں۔ بیٹا ہوں میں بیٹا کوئی عام بات نہیں ہے اور وہ بھی اکلوتا چشم و چراغ..... مائنڈ اٹ.....!''

تو یوں اکلوتے سپوت نے سب کو ٹف ٹائم دیتے ہوئے نورالعین سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ ٹیوٹر عبداللہ بذریعہ آن لائن تلاش کیا گیا تھا۔ ہر ٹیوٹر بڑھ چڑھ کر فیس مانگ رہا تھا ایک عبداللہ ہی تھا جو چھ ہزار پر مان گیا تھا۔

عبداللہ عادتاً کم گو تھا۔ طبیعتاً شریف۔ کبھی بے کار اور فضول بات نہ کی تھی۔ باادب بھی تھا اور اچھا استاد بھی۔ حفصہ بہت خوش تھی کہ مناسب فیس میں اتنا باصلاحیت ٹیچر مل گیا تھا اس لیے وہ اس کا خیال رکھتی تھی کبھی چائے کافی پوچھ لی تو کبھی جوس شربت دے دیا۔

''آنٹی اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔''

عبداللہ اکثر اس مہربانی پر شرمندہ ہو جاتا تھا وہ زیادہ بے تکلف ہونے والا نوجوان نہ تھا اس لیے حفصہ کو اس زحمت پر شائستگی سے منع کر دیا تھا۔

☆☆☆

''نور..... آج کالج نہیں جانا!''

نورالعین پچھلے دو چار دنوں سے کالج نہیں جا رہی تھی۔ حفصہ کو تشویش سی ہوئی۔ وہ تعلیم کے

معاملے میں انتہائی حساس تھی۔ اپنی تمام توانائی، ہمت اور پیسہ اگر پورے جی جان سے اولاد کی کسی چیز پر لگا رہی تھی وہ تعلیم تھی۔ وہ ان ماؤں میں سے تھی۔ جو اولاد کی بہترین تعلیم و تربیت کو اولین ترجیح دیتی ہیں۔ باقی ہر چیز ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔

''تعلیم ہی تو اصل زیور ہے!''

بیٹا ہو یا بیٹی دونوں کو اعلا تعلیم دلانے کے لیے وہ انتھک محنت کر کے اپنے مجازی خدا کی خوشنودی حاصل کر رہی تھی۔

''امی..... دل نہیں چاہ رہا تھا!'' دنیا جہاں کی بے زاری سموئے نورالعین کا لہجہ حفصہ کو توجہ طلب لگا تھا۔ وہ بہت حساس ماں تھی۔ چہرے کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ وہ اولاد کے جذبات و احساسات تک کو جاننے کی کوشش کرتی۔ اور بہت حد تک کامیاب بھی ہو جاتی۔

وہ جانتی تھی کہ عمر کے اس نازک دور میں جوان اولاد ماں باپ سے بہت سی باتیں شیئر کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ خاص طور پر بیٹیاں اور یہ کوئی اچھی بات نہ تھی۔ ماں اور بیٹی کا دلی تعلق اور رشتہ اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ بیٹی ہر بات ماں سے کر سکے۔ تاکہ کسی غلط راستے پر چلنے سے بچ سکے۔ مگر نورالعین بھی ان ہی لڑکیوں میں سے تھی۔ جو اپنے حساسات کو سات پردوں میں چھپا کر رکھنے کی عادی تھی۔

''کیا مطلب، یہ کیا بات ہوئی؟'' بریانی کے لیے چاول صاف کرتے ہوئے حفصہ کے ہاتھ رک گئے۔ اب پوری توجہ بیٹی کے ستے ہوئے چہرے پر تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ رات کو ٹھیک سے سو بھی نہیں پائی۔ حفصہ تعلیم کے معاملے میں بہت با اصول ماں تھی۔ ''دل نہیں چاہ رہا'' کا فلسفہ اس کی ڈکشنری میں نہیں تھا۔

لمحہ بھر کے لیے وہ اپنی اصول پسند فطرت کے زیر اثر کچھ سخت کہنے لگی تھی کہ بیٹی کا پھیکا چہرہ دیکھ کر خود کو روک لیا۔

''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری.....؟'' چاولوں کی پرات سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ بیٹی کے قریب آئی اور فکر مندی سے اس کی پیشانی کو چھوا۔ جس کی ہلکی سی حرارت نے ناسازی طبع کا اشارہ دے کر ماں کی فکر کو دوچند کر دیا۔

نورالعین پچھلے دنوں کالج نہیں جا رہی تھی۔ گھر میں اس نے یہ بتایا تھا کہ کالج میں اسپورٹس ڈے ہے۔ بیکار میں وقت کا ضیاع، مگر آج تین دن ہو گئے تو حفصہ کو فکر لاحق ہوئی۔ ''سر درد تھا رات پھر ٹمپریچر بھی رہا۔'' آنکھوں کے سرخ ڈورے نا جانے بے آرامی کی وجہ سے تھے یا پھر حرارت کی وجہ سے۔

''اچھا ناشتہ کرو، اور پھر دوا لو.....!'' اصل ماجرا جاننے کے لیے حفصہ لہجے میں دھیما پن لائی اور چائے کا پین رکھتے ہوئے چولہا جلا کر ٹرے میں بریڈ، مکھن، جیم رکھنے لگی۔

''نہیں امی..... بس چائے لوں گی!''

ایک تو دن کے بارہ بج رہے تھے۔ رات کو بھی نورالعین نے ٹھیک سے کچھ نہ کھایا تھا اور اب بھی صرف ''چائے'' پی کر معدہ جلا رہی تھی۔

''صرف چائے؟'' بریڈ پہ جیم اور مکھن لگاتے ہوئے حفصہ کے ہاتھ پل بھر کو تھمے۔ نظروں کا محور بیٹی کا غم زدہ چہرہ تھا۔ پریشانی حد سے بڑھی تو دل چاہا بیٹی کے دل میں گھس کر غم کی وجہ جان لے۔ مگر جانتی تھی آج کی اولاد بڑی چھپی رستم ہے۔ دل پر ہزار تالے لگا کر رکھتی ہے۔ کہ کوئی راز دل نہ جان پائے۔ یہاں تک کہ دل تک پہنچنے کے لیے ماں باپ کو بھی اجازت درکار ہوتی ہے سو حفصہ کو بھی اجازت چاہیے تھی۔

حفصہ نے بیٹی کی اداسی دور کرنے کے لیے کچھ مشورے دیے۔

''نورسی دوست کو گھر بلا لو!''

''یا سوسائٹی میں اپنی کسی کالج فیلو کی طرف چلی

جاؤ۔ دل بہل جائے گا!'' وہ ایسی صورت حال میں ایسا ہی کیا کرتی تھیں۔ کبھی بھی اولاد کو اس کی ذہنی الجھنوں کے ساتھ تنہا نہ چھوڑتی تھی۔ اور بیٹی کے معاملے میں وہ حساس دل ماں تھیں۔ آج تو نورالعین کی طبیعت ناساز تھی ورنہ وہ بیٹی کا ذہن الجھی ہوئی سوچوں سے ہٹانے کے لیے گھر کے کسی کام میں لگا دیا کرتی تھیں۔

''میں نے چاول بین دیے ہیں چلو دیگچی میں آئل ڈال کر پیاز فرائی کرو۔''

یا پھر.....

''چلو نورالعین آج کالج سے چھٹی کی ہے تو اپنے کمرے کا پھیلاوا سمیٹو!'' اور پھر خود ہی اس کے ساتھ مددگار بنی اس کی پوری وارڈ روب سنوار ڈالتی!

''دیکھو بال کتنے روکھے اور بے رونق ہو رہے ہیں۔ لاؤ میں سر میں تیل لگا دیتی ہوں!'' حفصہ کی بس یہی کوشش تھی کہ نورالعین کا دھیان کسی کام میں لگا رہے اور اداس کیفیت سے باہر نکل آئے۔

''نہیں امی! دل نہیں کر رہا.....!'' حفصہ کو بیٹی کا بے زار لہجہ دل کی گہرائیوں سے محسوس ہوا تھا۔ وہ آج چاہ کر بھی اسے بہلا نہیں پائی تھی۔ مطلب کہ نورالعین مکمل طور پر اپنی اندرونی کیفیت کے قبضے میں تھی۔

''نا جانے کس الجھن میں تھی؟''

ابھی دونوں کے درمیان وقفے سے گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ مازن اسکول سے آ گیا۔ آج اس کا ہاف ڈے تھا۔

''مازن..... آج تمہارے ٹیوٹر نے آنا ہے؟''

نورالعین جو چند لمحے پہلے خاموش تصویر بنی بیٹھی تھی۔ تصویر بھی ایسی کہ جس کا ہر رنگ پھیکا تھا۔ بے رونق اور بے رنگ تصویر، عبداللہ کے نام پر اس کی آنکھوں کے رنگ ماں کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکے۔

''نہیں.....!'' مازن نے لاپرائی سے جواب دیا تھا۔

''مگر کیوں..... پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے انہیں چھٹیاں کرتے ہوئے!'' اس وقت نورالعین نہ ہی بیمار لگ رہی تھی اور نہ ہی اداس، اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔ وہ اس وقت اپنے سوال کا جواب چاہتی تھی۔

عبداللہ دو تین دن کی چھٹیوں کا کہہ کر گیا تھا مگر پھر ضروری کام کی وجہ سے فون پر مزید چھٹیوں کی اطلاع دی تھی۔

''ہاں تو انہیں ضروری کام پڑ گیا ہے!'' مازن کو اب اس کی انکوائری چڑانے لگی تھی۔

''تو پھر..... اچھا ٹیوٹر ہے۔ اسٹوڈنٹ کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے اور وہ مزے سے چھٹیاں کر رہا ہے۔''

نورالعین کے لہجے میں غصہ بھی تھا۔ ناراضگی بھی اور شکوہ بھی نمایاں تھا یوں جیسے انسان اپنے کسی عزیز یا پیاری ہستی کی کمی محسوس کر رہا ہو۔ اور دل ہی دل میں اس سے خفا ہو۔

''بہت غیر ذمے دار ٹیوٹر ہے۔ حد ہوتی ہے لاپروائی کی!'' نورالعین مزید بڑبڑائی تو حفصہ ساکت رہ گئی۔ وہ مکمل خاموشی سے بیٹی کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔

''مجھے بتا کر چھٹیاں کی ہیں اس نے!'' بیٹی کے من کا حال مزید جاننے کی خاطر حفصہ نے دانستہ دونوں بہن بھائی کے درمیان مداخلت کی۔ ورنہ وہ اکثر ان کی نوک جھونک سے نکل جایا کرتی تھی مگر آج معاملے کی نوعیت اور تھی۔

''آپ کو پتا تھا تو آپ نے بتایا کیوں نہیں؟''

نورالعین ایک دم سے یوں جارحانہ ہوئی تھی جیسے وہ مازن کا نہیں نورالعین کا ٹیوٹر ہو۔ اور اس کی چھٹیوں کی وجہ سے نورالعین کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہو۔

بیٹی کے سوال پر حفصہ کی آنکھوں میں حیرت ابھری۔ نورالعین کی چڑچڑاہٹ غیر معمولی تھی۔ بے

معنی نہ تھی۔ ماں کا دل اور تجربہ اس غصے اور بیزاری کو اچھی طرح سے سمجھ رہا تھا۔ نا جانے کیوں حفصہ کے دل پر گھونسا لگا تھا۔ اسے علم ہی نہ ہو پایا اور یہ سب۔

بیل اپنی قریبی دیوار یا درخت پر تیزی سے اوپر چڑھنے لگتی ہے۔

حفصہ کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ دل کی کرب انگیزی نے بھولی بسری یادوں کے در کھول دیئے آنکھوں کے سامنے امام مسجد عبدالمتین کی بیٹی حفصہ آ گئی۔ جو نا جانے بے خبری کے کس پل کس لمحے میں امام صاحب کے شاگرد عبدالرافع کی اسیر ہو گئی۔

حفصہ کی چاہت اور شدتیں یک طرف نہ تھیں۔ عبدالرافع بھی اسے چاہنے لگا تھا۔ مدرسے کے ساتھ ساتھ وہ امام عبدالمتین کے گھر کے بھی بہت سے کام کر دیا کرتا تھا۔ عبدالمتین کو اپنے شاگرد پر بھروسہ بھی تھا اور اعتماد بھی وہ ان کا پسندیدہ اور چہیتا شاگرد تھا۔ مگر ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ اسے اپنا داماد بنا لیتے۔

کچھ عرصہ تک یہ آنکھ مچولی دونوں کے درمیان ہی رہی۔ مگر پھر دنیا کو خبر ہو ہی گئی۔ ویسے بھی ایسی باتیں بھلا کہاں چھپتی ہیں۔

''عبدالمتین..... حفصہ کے لیے کوئی رشتہ تلاش کرو۔'' یہ حفصہ کی دادی تھیں۔

''اماں..... مگر ابھی تو وہ بہت چھوٹی ہے.....''

''لڑکیاں بیل کی طرح ہوتی ہیں عبدالمتین اپنے قریب درخت یا دیوار کا سہارا لے کر اوپر چڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔ اور ضروری نہیں وہ سہارا پائیدار بھی ہو۔!'' اتنی گہری بات کر کے حفصہ کی دادی نے اشاروں ہی اشاروں میں بیٹے کو چھپی ہوئی باتیں سمجھا دیں۔

سب سے پہلے انہوں نے عبدالرافع کو کسی اور مدرسے روانہ کیا اور حفصہ کا رشتہ ڈھونڈ کر آناً فاناً اسے اپنے گھر کا کیا۔

''اوہ تو کیا..... نورالعین بھی بیل کی طرح اپنی قریبی چیز پر چڑھنے لگی تھی۔ اور یہ کوئی اور نہیں ٹیوٹر عبداللہ تھا۔ جو نورالعین کے احساسات و جذبات سے قطعی بے خبر تھا۔

اداسیاں، یہ مرجھایا ہوا چہرہ، یہ خشک بیلوں سا پھیکا پن، اس وجہ سے تھا۔ جس نے اسے زندگی سے بے زار کر دیا تھا۔ کیونکہ بیل کو سہارا نہیں مل پا رہا تھا۔ اور اس دوری نے اس کی ساری شادابی چھین کر جڑوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور بعید نہیں تھا کہ جلد ہی یہ جدائی کی پیاس اسے مردہ اور مکمل بے جان نہ کر دے۔

''عبداللہ اب واپس نہیں آئے گا!''

حفصہ نے بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔ ''عبداللہ کے والد بیمار ہیں۔ وہ ان کا اکلوتا بیٹا ہے گھر کی تمام ذمے داریاں اسی پر ہیں۔ اور اسے جاب بھی وہیں اپنے شہر میں مل گئی ہے اس لیے اب وہ دوبارہ واپس نہیں آئے گا۔''

مرجھائی ہوئی بیل مزید مرجھائی گئی تھی۔ مزید پیوستہ رہنا اب اس کے بس میں جو نہیں رہا تھا۔ حفصہ ماں تھی بیٹی کا حال دل کہے بنا جان چکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی بھی محبت کی وہ بیل بنے جسے حالات کے بے رحم ہاتھ کھینچ کر جدا کریں تو پھر وہ دوبارہ کبھی تر و تازہ نہ ہو سکے۔

چاول پکانے کے لیے چولہا جلاتے ہوئے اس نے ایک بار بھی بیٹی کی طرف نہیں دیکھا۔ کیونکہ ایک ماں میں بیٹی کے آنسو دیکھنے کی ہمت جو نہیں تھی۔

جب بیل ہو ہی مالی کے رحم و کرم پر ہے تو پھر اپنی مرضی سے کیوں ادھر ادھر پھیلے جہاں وہ لگائے۔ لگ جائے۔ جہاں چڑھائے چڑھ جائے۔ مالی کی مرضی کے سامنے اس کی مرضی کی اوقات و اہمیت ہی کیا.....؟؟

☆☆

نام ہی کیا، نشاں ہی کیا، خواب و خیال ہو گئے
تیری مثال دے کے ہم تیری مثال ہو گئے

سایۂ ذات سے بھی رم، عکس صفات سے بھی رم
دشتِ غزل میں آ کے دیکھ ہم تو غزال ہو گئے

کتنے ہی نشہ ہائے ذوق، کتنے ہی جذبہ ہائے شوق
رسمِ تپاکِ یار سے رو بہ زوال ہو گئے

کون سا قافلہ ہے یہ، جس کے جرس کا ہے یہ شور
میں تو نڈھال ہو گیا، ہم تو نڈھال ہو گئے

شور اُٹھا مگر تجھے لذتِ گوش تو ملی
خون بہا مگر تیرے ہاتھ تو لال ہو گئے

ہم نفسانِ وضع دار، مستعانِ بردبار
ہم تو تمہارے واسطے ایک وبال ہو گئے

جونؔ کرو گے کب تلک اپنا مثالیہ تلاش
اب کئی ہجر ہو چکے، اب کئی سال ہو گئے

جونؔ ایلیا

اچھا کیا تم نے

بہت اچھا کیا تم نے
مجھے اک خواب کی انگلی تھما کر
راستے میں چھوڑ آئے ہو
بہت اچھا کیا تم نے
مجھے چاہت کے سب سپنے دکھا کر
توڑ آئے ہو
بہت اچھا کیا تم نے
کہ میری زندگی کا راستہ تم
موڑ آئے ہو
بہت اچھا کیا تم نے
مجھے تم چھوڑ آئے ہو

سُباس گل

دید

مہندی، چوڑی، پائل، کاجل
خوشیوں کی نوید بھی ہے
پر جو تیری دید نہیں
ساجن میری عید نہیں

سمیرا ستار رانجھانی

شگفتہ جاہ

رنگا رنگ کھول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے دو آدمی ہیں۔ ان کے بدن پر سینے سے ہنسلی تک لوہے کی زرہیں ہیں۔ پس خرچ کرنے والا خرچ کرتا ہے تو یہ زرہ اس کے بدن پر دراز اور لمبی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کو چھپا لیتی ہے اور اس کے نشانِ قدم کو ظاہر نہیں ہونے دیتی اور بخیل چونکہ کچھ بھی خرچ نہیں کرنا چاہتا اس لیے زرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ چمٹ جاتا ہے۔ پس وہ اسے ڈھیلا کرتا ہے لیکن وہ ڈھیلا نہیں ہوگا۔

(بخاری و مسلم)

امام زین العابدین فرماتے ہیں،

اگر تم نے ماں باپ کے حقوق ادا نہیں کیے تو تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی۔

ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارا لہجہ سن کر سہم جائیں اور اپنی ضروری بات چھپائیں کہ وہ ضعیف ہو گئے اور تم جوان ہو گئے۔

عظیم ماں،

تھامس ایڈیسن ایک مشہور عالم سائنس دان جب بچہ تھا، وہ اسکول سے آیا اور ایک سربہ مہر لفافہ اپنی والدہ کو دیا کہ استاد نے دیا ہے کہ اپنی ماں کو دے دو۔

ماں نے کھول کر پڑھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے با آواز بلند پڑھا۔

"تمہارا بیٹا ایک جینئیس ہے۔ یہ اسکول اس کے لیے چھوٹا ہے اور اتنے اچھے استاد نہیں کہ اسے پڑھا سکیں۔ سو آپ اسے خود ہی پڑھا لیں۔"

سالوں بعد جب تھامس ایڈیسن ایک سائنس دان کے طور پر مشہور عالم ہو گیا تھا اور اس کی والدہ وفات پا چکی تھیں۔ وہ اپنے خاندان کے پرانے کاغذات میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا کہ اسے وہی خط ملا۔ اس پر لکھا تھا۔

"آپ کا بیٹا انتہائی غبی اور ذہنی طور پر ناکارہ ہے۔ ہم اسے مزید اسکول میں نہیں رکھ سکتے۔"

اس دن ایڈیسن نے اپنی ڈائری میں لکھا۔

"تھامس ایڈیسن ایک ذہنی ناکارہ بچہ تھا پر ایک عظیم ماں نے اسے صدی کا سب سے بڑا سائنس دان بنا دیا۔"

سوال،

میری شادی کچھ سال پہلے گوجرانوالہ میں ہوئی تھی۔ جب بھی بیوی سے میرا کوئی جھگڑا ہوتا ہے وہ اپنے تین بھائیوں کو بلا لیتی ہے۔ وہ آ کر مجھے مارتے پیٹتے اور واپس چلے جاتے ہیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ آنے جانے کا کرایہ اور سفری اخراجات بھی مجھ سے وصول کرتے ہیں۔

برائے مہربانی میرے مسئلے کا کوئی حل بتا دیں۔

جواب

محترم مظلوم شوہر صاحب!

آپ کی حالت زار کا سن کر ہمیں بہت افسوس ہوا۔ ہمارا مشورہ ہے کہ بے جا اخراجات سے بچنے کے لیے اپنا گھر گوجرانوالہ میں لے لیں۔

شادی کی قدیم رسومات

- شمالی امریکا کے انڈین میں یہ دستور تھا کہ شادی کے رشتے کی تجویز لڑکی کے والدین کی طرف سے پیش کی جاتی تھی۔
- اسکیمو قبیلے کی خواتین شوہر کا انتخاب کرتے وقت عملی تقاضے زیادہ پیش نظر رکھتی تھیں۔ شادی اس مرد سے کی جاتی تھی جو بیوی کو کما کر کھلا سکے۔ اگر شوہر بیمار ہو جاتا تو وہ کسی دوسرے تندرست مرد کے گھر چلی جاتی تھی۔
- جو مرد اچھے نشانہ باز نہ ہوتے۔ ان سے کوئی عورت شادی نہ کرتی۔ شہرت یافتہ بہادر اور اچھے نشانہ بازوں کو بہترین عورتیں میسر آتی تھیں۔
- بعض جنگجو قبائل میں دشمن کا سر کاٹ کر لانا شادی کے لیے اہم شرط ہے۔
- جنوبی امریکہ میں یہ رواج تھا کہ شادی کے امیدوار کے جسم پر خونخوار چیونٹیاں چڑھا دی جاتیں اور مرد کی قوت برداشت کا امتحان لیا جاتا۔ کامیابی اسی کے قدم چومتی جو جسمانی ایذا پر اف تک نہ کرتا۔

شبانہ عندلیب۔ گوجرانوالہ

ڈھٹائی

ایک صاحب اپنے پڑوس کی بیکری میں گئے اور مالک سے پوچھنے لگے۔

"آپ نے میری پالتو بلی کو تو نہیں دیکھا؟"

"دیکھا!" بیکری کا مالک چل کر بولا "وہ بیکری میں آن گھسی تھی۔ ایک کیک میں تھے گاڑ دیے۔ چار چکن پیسٹری کھائی۔ دودھ کا برتن گرا دیا۔ اس وجہ سے ایک گاہک پھسل کر انڈوں کے کریٹ پر جا گرا۔ اور آدھے درجن انڈے ٹوٹ گئے۔"

"اوہ بہت افسوس ہوا یہ سن کر" وہ صاحب رسمی لہجے میں بولے۔

پھر مار کر سے لکھا ہوا ایک پوسٹر بیکری کے مالک کو دکھاتے ہوئے بولے۔

"یہ میں اس کے لیے تلاش گمشدہ کا اشتہار لکھ کر لایا ہوں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں یہ آپ کی بیکری کے شیشے پر چپکا دوں۔"

سچ تو یہ ہے

ایک تحریر اکثر نظر سے گزرتی ہے کہ یہاں تاج محل بنایا جا رہا تھا تو انگلینڈ میں فلاں یونیورسٹی بنائی جا رہی تھی اور اس طرح کی مزید باتیں بھی لکھی ہوتی ہیں کہ

برصغیر میں مسلمان حکمرانوں نے کچھ نہیں کیا۔ تو عرض ہے کہ انگریز جب یونیورسٹی بنا رہے تھے اس وقت برصغیر میں فتاویٰ عالمگیری، تزک جہانگیری اور دارا شکوہ کی کتاب (نام یاد نہیں آ رہا) لکھی جا چکی تھی۔

شاہ ولی اللہ قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کر چکے تھے اور مکتوب مجدد الف ثانی بھی لکھی جا چکی تھی۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کے اردو ترجمے کا کام شاہ ولی اللہ کے بھتیجے کے ہاتھوں جاری تھا۔

یہ محل ایسے ہی تعمیر نہیں ہوا تھا۔ وہ انجینئر ایسے ادارے کے فارغ التحصیل تھے جو اسی برصغیر میں قائم تھا۔ تعمیرات اور علوم اپنے عروج پر تھے۔ شاہی مسجد لاہور اور دہلی اندازوں سے نہیں بنیں۔

تعمیرات کے حسن کی ایک مثال یہ ہے کہ بادشاہی مسجد کے کسی ایک مینار پر کھڑے ہو کر اگر مقبرہ جہانگیر کو دیکھا جائے تو اس کے تین مینار نظر آتے ہیں۔ یہ دور بیٹھے ہیں۔

بڑے مہربانی میرے مسئلے کا کوئی حل بتا اسی طرح مقبرہ جہانگیر کے میناروں پر کھڑے

ہو کر بادشاہی مسجد کو دیکھنے سے یہی نظارہ ہوتا ہے۔

یہ تعمیراتی حسن پیدا کرنے والے افراد برصغیر کے ہی تربیت یافتہ تھے۔

بغداد میں ہلاکو خان نے جس طرح علمی ذخائر کو دریا برد کیا۔ اسی طرح انگریزوں نے برصغیر میں اپنی نوے سالہ حکومت میں یہاں سے نہ صرف تاریخ کو غائب کیا بلکہ تاریخ اور علم کا سیاق و سباق ہی تبدیل کر کے رکھ دیا اور افسوس یہ کہ اب یہ تاریخ مؤثر طور پر کہیں دستیاب نہیں۔ درج بالا باتیں مختلف مضامین یا اخبار پڑھ کر ہی معلوم ہوتی ہیں۔

وقت کے رنگ

کوئی چپکے سے شہزادہ محمد بن سلمان کے کان میں بتلائے کہ آج کے شہزادے سنو!

اسی پاکستان میں ایک ریاست بہاول پور ہوا کرتی تھی، جس کے امیر صادق محمد خان عباسی جب ایک بڑے قافلے کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے حجاج مقدس تشریف لے گئے تو انتہائی غریب ملک سعودی عرب کے حکمرانوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جب جدہ کی بندرگاہ پر ایک بہت بڑے بحری بیڑے "جہاز رضوانی" سے دنیا کی قیمتی ترین گاڑی رولز رائز اور جدید ترین جیپیں، گاڑیاں، ٹرک اور دیگر سامان اترا۔

پھر یہ شاندار قافلہ مدینہ کی جانب رواں دواں ہوا تو حکمران ایسے ہی آگے پیچھے دوڑتے تھے جیسے آج پاکستان کے حکمران۔ راستے میں جگہ جگہ قافلہ روک کر بدوؤں کی جھولی بھر بھر کے صدقہ عطا کیا جاتا۔ مدینہ میں خیمہ بستی بسائی گئی۔ جس کے اردگرد بدوؤں کا جم غفیر ہوا کرتا تھا۔ جسے روزانہ کی بنیاد پر بہترین کھانا اور نقد رقم سے نوازا جاتا تھا۔

اور جب امیر آف بہاول پور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد واپسی کے لیے روانہ ہوئے تو اپنی قیمتی رولز رائز گاڑی جسے سعودی شاہ للچائی نظر سے دیکھتے تھے۔ شاہ کو تحفے کے طور پر عطا کر دی۔ اور یہی نہیں بلکہ اپنی دیگر قیمتی جیپیں اور گاڑیاں مکہ اور مدینہ کے گورنر زادہ اور دیگر خدمت گزاروں میں بانٹ دیں۔

اور پھر امیر آف بہاول پور نے اپنی ریاست ایک نوزائیدہ غریب ملک "پاکستان" میں ضم کر دی اور آج یہ ریاست بہاول پور جسے اب بہاول پور ڈویژن کہا جاتا ہے۔ حکمرانوں کی بددیانتی کی وجہ سے پاکستان کا پسماندہ ترین ڈویژن کہلاتا ہے۔

(چاند راجہ)

جب امام احمد بن حنبل کو قید کیا گیا تو قید خانے کے محافظوں میں سے ایک محافظ ان کے پاس آیا اور ان سے پوچھا۔

"وہ حدیث جو ظالموں اور ان کا ساتھ دینے والوں کے بارے میں ہے، کیا یہ مستند ہے؟"

انہوں نے کہا "ہاں"

تو قید خانے کے محافظ نے کہا "تو کیا میں ظالموں کا ساتھ دینے والا سمجھا جاؤں گا؟"

امام احمد نے جواب دیا "ظالموں کا ساتھ دینے والے تو وہ لوگ ہوتے ہیں جو ان کے بال کنگھی کرتے ہیں۔ ان کے کپڑے دھوتے ہیں۔ ان کے لیے کھانا پکاتے ہیں اور ان کے لیے سامان خریدتے اور فروخت کرتے ہیں۔ مگر جہاں تک تمہارا معاملہ ہے تم خود ان ظالموں میں سے ایک ہو۔"

(مناقب الامام احمد۔ صفحہ 397)

ہوا تو چلے

خار و خس تو اُٹھیں، راستہ تو چلے
میں اگر تھک گیا، قافلہ تو چلے
چاند سورج، بزرگوں کے نقش قدم
خیر بجھنے دو ان کو، ہوا تو چلے

فضہ یوسف بلال۔ فیصل آباد

☆☆

خالدہ جیلانی

میری پیاری سکھیاں

زرینہ خانم لغاری ـــــــ مظفر گڑھ

میرے رنگین دریچوں کے حسین پردوں پر
مجھ سے مفلس کی کسی یاد کا سایہ نہ پڑے

سحر خان ـــــــ کوئٹہ

میں تجھے ڈھونڈنے یادوں کی کھلی سڑکوں پر
خشک پتوں کی طرح روز بکھر جاتا ہوں

نمرہ، اقرا ـــــــ کراچی

مجھے عشق کے آداب سکھانے والے
جب وہ بچھڑا تھا وہ منظر نہیں دیکھا تو نے

ناہید اسماعیل ـــــــ کراچی

ویسے انمول ہیں کئی پتھر
تیرے دل کا مگر جواب نہیں

اقصیٰ ناصر ـــــــ گلستان جوہر

آنکھوں میں ہجر دیکھ کے کہتے ہیں سب طبیب
افسوس تم علاج کے قابل نہیں رہے

ماریہ نذیر ـــــــ بھاگلپور

اتنی شدت کی بغاوت ہے میرے جذبوں میں
میں کسی روز محبت سے مکر جاؤں گا

عائشہ، تحریم ـــــــ کراچی

اب میرے اشک محبت بھی نہیں آپ کو یاد
آپ تو اپنے ہی دامن کی نمی بھول گئے
اب مجھے کوئی دلائے نہ محبت کا یقیں
جو مجھے بھول نہ سکتے تھے وہی بھول گئے

ارم کمال ـــــــ فیصل آباد

یہ نظر منتظر ہے تری آج بھی
دل کسی اور سے آشنا ہی نہیں
میں کیوں راستہ دوں کسی اور کو
جب کوئی تیرے جیسا بنا ہی نہیں

ماہا بشیر حسین ـــــــ ڈنگہ

درد سے خوشبو گئی، زخموں سے رعنائی گئی
موسم ہجراں اب کے تیری پذیرائی گئی
کون سی محفل، کہاں کے روز و شب کیسا قیام
زندگی تو اصل میں ایک سانس ہے آئی گئی

یاسمین کنول ـــــــ پسرور

کیوں دعائیں اثر سے خالی ہیں
ہم میں پہلی سی بندگی ہی نہیں
وقت کیسا یہ مجھ پہ آیا ہے
ہنس رہی ہوں مگر خوشی ہی نہیں

صائمہ سعید ـــــــ حیدر آباد

کبھی کبھی کوئی ایسا مسافر آتا ہے
رستے اپنے آپ سنورتے جاتے ہیں
کوئی نیا احساس کہ ہمدم دیرینہ
جتنے پرانے زخم تھے بھرتے جاتے ہیں

صدف عمران ـــــــ کراچی

نہ منزلوں کو نہ ہم گرد کو دیکھتے ہیں
عجب سفر ہے کہ بس ہم سفر کو دیکھتے ہیں
ہماری دربدری کا یہ ماجرا ہے کہ ہم
مسافروں کی طرح اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

سعدیہ، سدرہ ـــــــ شریف آباد

دل سمندر مرا قاتل ٹھہرا
میں کہ اجڑا ہوا ساحل ٹھہرا
ایک آنسو میں سمٹ آیا ہوں
زندگی میں ترا حاصل ٹھہرا

ریحانہ چوہدری ـــــــ مدد کے

مجھے چھاؤں میں رکھا اور خود جلتا رہا دھوپ میں
میں نے دیکھا ہے اک فرشتہ باپ کے روپ میں

امت الصبور

خواتین کی ڈائری

حبیبہ خان کی ڈائری سے

افتخار عارف کی یہ غزل بہت عرصہ پہلے میں نے ٹی وی پر سنی تھی۔ تب مجھے بہت اچھی لگی تھی اس وقت میں اسکول میں پڑھتی تھی۔ آج بھی یہ غزل پڑھتی ہوں تو نظروں میں وہی زمانہ گھوم جاتا ہے۔ کتنے اچھے دن تھے وہ۔ آپ بھی پڑھیے۔

شام ہوئی اور سورج رستہ بھول گیا
کیسے ہنستے ہنستے گھر خاموش ہوئے

بولتی آنکھیں چپ دریا میں ڈوب گئیں
شہر کے سارے تہمت گر خاموش ہوئے

کیسی کیسی تصویروں کے رنگ اڑے
کیسے کیسے صورت گر خاموش ہوئے

کھیل تماشا بربادی پر ختم ہوا
ہنسی اڑا کر بازی گر خاموش ہوئے

کچی دیواریں بارش میں بیٹھ گئیں
بیتی رت کے سب منظر خاموش ہوئے

ابھی گیا ہے کوئی مگر یوں لگتا ہے
جیسے صدیاں بیتیں گھر خاموش ہوئے

حمدہ خان کی ڈائری سے

وقت کے حوالے سے احساس زیاں اور رفاقتوں کی نسبت سے احساس محرومی شدید ہوتی ہے۔ فراق گورکھپوری کی اس چھوٹی بحر کی غزل میں وقت کے حوالے سے جو رنگ ابھرتا ہے، اس میں افسوس اور محرومی کا تاثر نہیں ایک سرشاری ہے۔

رات بھی، نیند بھی، کہانی بھی
ہائے کیا چیز تھی جوانی بھی

ایک پیغام زندگانی بھی
عاشقی مرگِ ناگہانی بھی

اس ادا کا تری جواب نہیں
مہربانی بھی سرگرانی بھی!

دل کو اپنے بھی غم تھے دنیا میں
کچھ بلائیں تھیں آسمانی بھی!

زندگی عین دیدِ یار فراق
زندگی ہجر کی کہانی بھی

تبسم بشیر حسین کی ڈائری سے

جون ایلیا میرے موسٹ فیورٹ شاعر ہیں۔ ان کا لکھا لفظ لفظ مجھے بے حد پسند ہے۔

اک ہنر ہے جو کر گیا ہوں میں
سب کے دل سے اتر گیا ہوں میں

کیسے اپنی ہنسی کو ضبط کروں میں
سن رہا ہوں کہ گھر گیا ہوں میں

کیا بتاؤں کہ مر نہیں پاتا
جیتے جی جب سے مر گیا ہوں میں

اب ہے اپنا سامنا درپیش
ہر کسی سے گزر گیا ہوں میں

وہی ناز، وہی ادا، وہی غمزہ
سر بہ سر آپ پر گیا ہوں میں

ثوبیہ قطب — ڈائری سے

اظہر فراغ کی یہ غزل محبت کے اپنی جذبوں کا اظہار ہے۔ آپ بھی پڑھیں اور بتائیں میرا انتخاب آپ کو کیسا لگا۔

بہت مشکل ہے اس کے ساتھ کار دلبری کرنا
جسے رستے میں آنا ہو سفر کو ملتوی کرنا

کسی کے آخری خط نے گرہ کھولی کہانی کی
ہمیں بھی بزدلی لگتا تھا پہلے خودکشی کرنا

یہ پرچہ وہ ہے جس میں نقل برائے عام ملتا ہے
وہ چہرہ سامنے رکھنا جب اس پر شاعری کرنا

کبوتر ٹوپیوں میں رکھ کے پھرتے ہیں یہاں کے لوگ
بہت محتاط ہو کر تم کوئی جادوگری کرنا

بہت بکھرا ہوا ہے وہ میرے اطراف میں اظہر
کسی جانب سے بھی ممکن نہیں پہلو تہی کرنا

صدف ناصر — ڈائری سے

خوب صورت اور بے حد آسان لب و لہجہ ناصر کاظمی۔ آئیے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

آج بھی کیوں چپ سی لگی ہے
کچھ تو بتا کیا بات ہوئی ہے

آج تو جیسے ساری دنیا
ہم دونوں کو دیکھ رہی ہے

تو ہے اور بے خواب دریچے
میں ہوں اور سنسان گلی ہے

خیر تجھے تو جانا ہی تھا
جان بھی تیرے ساتھ چلی ہے

اب تو آنکھ لگا لے ناصر
دیکھ تو کتنی رات گئی ہے

ریحانہ چوہدری — ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر یہ غزل آپ سب بہنوں کے لیے۔

مشورہ

تحفہ جاں کی اپنے قدر کیجیے
چند دن اپنے گھر میں بسر کیجیے

زندگی پھر دوبارہ نہ مل پائے گی
اپنی محبت کی للہ فکر کیجیے

ساعتیں ہیں کٹھن زیست دشوار ہے
ورد توبہ کا شام و سحر کیجیے

وقت رکتا نہیں یہ گزر جائے گا
کیجیے رب پہ یقیں اور صبر کیجیے

خبریں وبریں

واصفہ سہیل

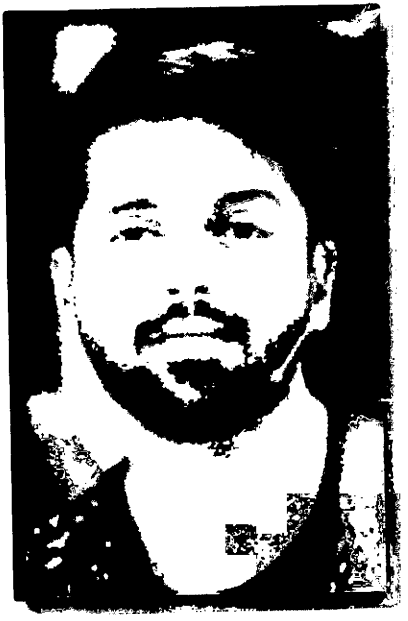

ڈھٹائی

فہد مصطفیٰ نے چندروز قبل والدین کو سوشل میڈیا پر پیغام دیا تھا کہ ''وہ اپنے بچوں کو ٹک ٹاک ایپ سے دور رکھیں۔ کیوں کہ یہ ان کا وقت ضائع کررہی ہے (نہ صرف وقت ضائع کررہی ہے بلکہ اخلاقیات اور تہذیب کو بھی برباد کررہی ہے)۔ اس کے بعد فہد مصطفیٰ کو شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن فہد نے دوبارہ کہا کہ بھولنا نہیں سب کو ٹک ٹاک سے دور رہنا ہے۔

اب ساتھی فنکارہ ہانیہ عامر نے بھی فہد مصطفیٰ کا مذاق اڑایا (ہانیہ کی شوبز میں آمد اسی طرح ہوئی تھی۔) ہانیہ عامر کا کہنا ہے کہ میرا نئے سال کا منصوبہ ہے کہ میں ٹک ٹاک استعمال کرکے فہد مصطفیٰ کو مایوس کروں گی۔ (اور اپنے مداحوں کو؟) جتنا ہوسکا ٹک ٹاک کا زیادہ سے زیادہ استعمال کروں گی۔

گروپ بندی

پاکستان ڈرامہ انڈسٹری میں ان دونوں نئے نئے چہرے متعارف کرائے جارہے ہیں (لیکن کچھ چہرے تو اسکرین سے چیک کررہ گئے ہیں) ڈائریکٹر پروڈیوسر ماضی کے بہترین فنکاروں کو بھول کر گروپ بندی کا شکار ہوئے ان فنکاروں کو لینے سے گریز کررہے ہیں۔ جیسے ماں کے کردار میں آپ کو ہر چینل پر صبا فیصل، صبا پرویز اور ثمینہ احمد نظر آرہی ہیں۔ اس طرح باپ کے کردار میں بھی چند مخصوص چہرے مختص کردیے گئے ہیں۔ (جیسے محمود اسلم کامیڈی بھی کررہے ہیں اور سنجیدہ کردار بھی) ناظرین مخصوص لوگوں کو دیکھ دیکھ کر تھک گئے ہیں۔ لیجنڈری فنکارہ بدر خلیل نے 2014 میں شوبز انڈسٹری چھوڑ دی تھی جس کی وجہ انہوں نے چینل مالکان اور پروڈیوسر کا رویہ بتایا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں نے پچاس سال اس انڈسٹری کو دیے۔ اچھا برا چھوٹا بڑا ہر طرح کا کردار نبھایا۔ بیس سال کی عمر میں نے اسی سال کی بڑھیا کا کردار ادا کیا۔

حکومت نے مجھے پرائڈ آف پرفارمنس نہیں دیا (عوام کی محبت نے تو دیا) کیوں کہ میں نے کسی کی چمچہ گیری نہیں کی، لیکن مجھے لائف اچیومنٹ ایوارڈ دیا گیا۔ اس تقریب کے دوران سلطانہ صدیقی اور فواد خان کے ساتھ ان کا جھگڑا ہوا تھا اور وہ ایوارڈ چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔

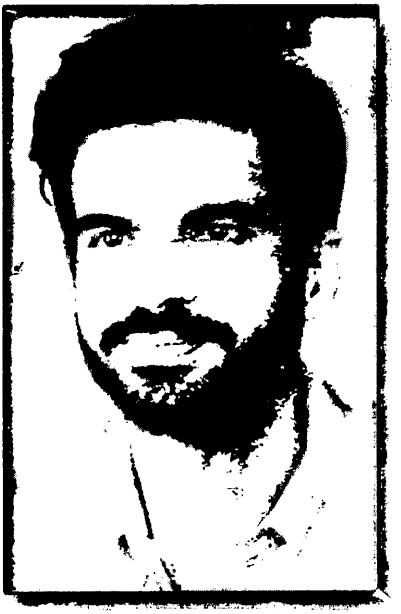

پرفیکٹ

نامور اداکار و ہدایت کار عدنان ملک کم سے کم اداکاری کو ترجیح دیتے ہیں۔ عدنان ملک، ماہرہ خان کے ساتھ 'صدقے تمہارے' میں کام کر چکے ہیں۔ صدقے تمہارے کے دوران عدنان نے اس کردار کو اپنے اوپر اتنا حاوی کرلیا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے ایک وقت ایسا آیا کہ وہ بہت زیادہ خوف زدہ رہنے لگے اور بہترین اور پرفیکٹ نظر آنے کی انتہائی کوشش کرنے لگے۔

''صدقے تمہارے' عدنان ملک کا پہلا ڈراما تھا۔ جس کو خلیل الرحمٰن قمر نے لکھا تھا۔ عدنان ملک نے بتایا کہ'' مجھے جو بات اداکاری میں سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ یہ تھی کہ جب ہدایت کار کٹ کرے تو اس کردار کو وہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں رات رات بھر جاگتا تھا۔ میں نے ہر دوست اور رشتے سے خود کو دور کرلیا تھا۔

ڈرامے کی شوٹنگ کے بعد میں نے تھراپسٹ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا جو انتہائی مثبت رہا۔ یہ میرے سفر کا آغاز تھا۔ جہاں سے مجھے میری اصل شخصیت ملی۔ اب میں پرفیکٹ ہونے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں کم سے کم پروجیکٹس میں کام کرتا ہوں۔

کچھ ادھر ادھر سے

☆ جس طرح اپنی تمام تر عقل و دانش کے باوجود انسان کسی بھی معاملے کا ہر تاریک پہلو نہیں جان سکتا بالکل اسی طرح ہم تمام روشن پہلوؤں سے بھی واقف نہیں ہوسکتے۔ روشنی کب کہاں سے پھوٹے گی ہم نہیں جانتے مگر اندھیرا کہیں بھی سدا نہیں رہتا، کم از کم تاریخ کا سبق یہی ہے۔

(ذرا ہٹ کے.....یاسر پیرزادہ)

☆ بہت سے بنیادی سوال اٹھائے جارہے ہیں۔ قائداعظم کی ایمبولینس خراب کیوں ہوئی۔ مادر ملت کے الیکشن میں دھاندلی ہوئی یا نہیں، کالا باغ ڈیم کیوں نہیں بن سکا۔ بیوروکریسی کو تباہ کس نے کیا، سقوط ڈھاکا کا ذمہ دار کون ہے۔ سرکاری ادارے ہی نہیں ہم سب اس خلفشار، انتشار کے ذمہ دار ہیں۔

سوشل میڈیا تو ایک وسیلہ اظہار ہے۔ سوشل میڈیا کو غنیمت سمجھیں، یہ قوم کے ذہنی رویوں کو یکجا کرکے پیش کررہا ہے۔ دوسری قومیں اور تھنک ٹینک تو اس کے ذریعے جان رہے ہیں کہ پاکستانی قوم کس کرب میں مبتلا ہے۔ اس کرب سے فائدہ کیسے اٹھایا جاسکتا ہے۔ ہم اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس سے خوف زدہ ہیں۔

سرورق کی شخصیت

ماڈل ..... ہانیہ
میک اپ ... روز بیوٹی پارلر
نیشو گرافی ..... موسیٰ رضا

بقیہ ہمارے نام

بہت کوشش کرتی ہوں۔ پلاسٹک کی گائے بکرا لایا ہوا ہے بس سارا دن منڈی بنائے رکھتا ہے۔ جانوروں کو سجاتا رہے گا۔ انہیں پتا نہیں کیا کیا پہناتا رہتا ہے۔ محلے کے ہر گھر کا اسے پتا ہے جہاں جانور آیا ہو۔ اور کتنے کا آیا ہے یہ بھی پتا ہوتا ہے بہرحال اللہ تعالیٰ کبھی ہمیں بھی توفیق دے گا (ان شاء اللہ)

آپ کو میرے خط سے شاید شدت پسندی جھلکتی نظر آئے، بیماری کے بعد کچھ بڑھ گئی ہے اتنے وسائل ہیں نہیں اپنا مکمل نفسیاتی علاج کرواسکوں۔ بس پڑھ پڑھ کر اپنے آپ کو ریلیکس کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہوں۔ غیر موزوں حالات زندگی، غیر فطری طرز زندگی (روٹین) بس ذہن الجھا الجھا رہتا ہے۔ وقت تیزی سے گزرتا لگتا ہے۔ بہت سے کام کرنا چاہتی ہوں مگر نہیں کرپاتی۔ بہرحال اللہ مالک ہے جہاں اتنی گزر گئی۔ آگے بھی گزر جائے گی۔

ج: پیاری فرزانہ! آپ ہرگز یہ نہ سوچیں کہ ہم نے آپ کو یاد نہیں کیا۔ بارہا آپ کا خیال آیا۔ لیکن ہمارے پاس آپ کی خیریت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ پھر ہم نے یہ بھی سوچا کہ بچوں کے کاموں میں ان کی پڑھائی میں مصروف ہوں گی۔ ہمیں خط نہیں لکھ پارہی ہوں گی۔ اب اتنے عرصے بعد آپ کا خط پاکر بے حد خوشی ہورہی ہے۔

حسن کی بیٹے معصومیت نے دل پر اثر کیا۔ بے اختیار دل سے دعا نکلی کہ اللہ آپ کو اتنے وسائل مہیا کرے کہ آئندہ سال آپ اپنے بچے کی معصوم سی خواہش پوری کرسکیں۔

فرزانہ! شعاع اور خواتین سے آپ کی محبت جان کر ہماری آنکھیں نم ہیں۔ آپ بہنوں کی یہ محبت ہمارے لیے کیا اہمیت رکھتی ہے، لفظوں میں اس کا اظہار ممکن نہیں۔ آپ اب ہر ماہ باقاعدگی سے شرکت کیجیے گا۔

فرزانہ! آپ کہانیاں لکھنے کی طرف توجہ دیں۔ آپ میں صلاحیت ہے۔ آپ لکھ سکتی ہیں۔ لکھنے سے آپ کے ذہن پر خوش گوار اثرات ہوں گے۔

شاہین رشید اور سائرہ رضا تک آپ کی فرمائش پہنچادی ہے۔

ناہید اسمٰعیل ..... کراچی

دعا کا انمول تحفہ کہنی سنی میں امید جگاتے خوب صورت الفاظ کے ساتھ محترم مدیر نے ہم تک پہنچایا۔ اللہ قبول فرمائے آمین۔ آپ لوگوں نے گھر بیٹھے پر چا پہنچانے کا جو زبردست کام کیا ہے اسے کہتے ہیں ''باکمال لوگ، لاجواب سروس''۔

''حالم'' کی ایک اک سطر جیسے ہم سانس روک کر پڑھتے ہیں اور ہر قسط کے اختتام پر منہ سے نکلتا ہے بہترین زبردست۔

مریم عزیز اچھا لکھتی ہیں لیکن ان کی کہانیوں کی ہیروئین کے حالات میں اکثر یکسانیت ہوتی ہے کچھ مختلف بھی ہونا چاہیے۔ شمائلہ دالعباد ''ہجرزادہ'' کی صورت میں اچھی تحریر لے کر آئیں لیکن اندرونی صفحات میں عشرت العباد نام دیکھ کر ہم نے سوچا کہ پروف ریڈنگ کرنے والی شخصیت کو یقیناً اس وقت عشرت العباد یاد آرہے ہیں (ویسے کیا وہ بھی کوئی یاد کرنے والی چیز ہیں؟ ہاہا)

پیاری ناہیدہ یاد کرنے والی چیز تو ہرگز نہیں لیکن ان کو بھول بھی نہیں سمجھ سکتے۔

نعیمہ ناز آپ نے ''اظہار کیوں نہیں کرتیں'' لکھ کر نجانے کیا کیا یاد دلادیا کسی زمانے میں جب ہماری عمر عزیز (ویسے تو ہم خود کو اتنا عزیز نہیں رکھتے مگر کہنے میں کیا جاتا ہے) بچپن کے دور سے گزر رہی تھی اور بچپن کے واقعات ہمیں آج تک بڑی تفصیل سے یاد ہیں (جبکہ حال میں تو اگر کوئی ہم سے پوچھ لے کہ رات کیا کھایا تو اسے بھی یاد کرنے کے لیے ذہن پر زور دینا پڑتا ہے)۔

ہمیں یاد ہے بڑی خالہ کے گھر کے طویل وعریض صحن کے ایک گوشے میں اینٹوں سے بنایا ہوا عارضی چولہا (سوئی گیس کی سہولت ہونے کے باوجود جس میں لکڑیوں سے آگ جلی ہوتی تھی) اس پر چڑھی حلیم کی دیگ، خاندان بھر سے خواتین، ماموں زاد، خالہ زاد، اور نجانے کون کون سے ''زاد'' حلیم گھٹوائی کے لیے جمع ہوتے تھے سب بڑوں کو دیکھ دیکھ کر ہم بچوں کو بھی گھوٹا لگانے کا شوق اٹھتا تھا مگر افسوس کہ گھٹائی کے لیے ہمارا ہاتھ تو کیا، قد تک دیگ تک نہیں پہنچ پاتا تھا۔

اسی طرح خاندان میں کسی شادی کے موقع پر چاول چنائی اور دلہن کا جوڑا کٹوائی کے لیے بھی سب جمع ہوتے تھے، گو اپنی عمر کی حرکتوں اور شرارتوں میں ہم پورے تھے لیکن چھوٹا ہونے کی بنا پر ان ایکٹیوٹیز میں حصہ لے پائے اور پھر ہمارے بڑے ہونے سے پہلے ہی وہ سارے دن ماضی بن چکے تھے اور اب تو سنہرے دور کی سہانی یادیں اور ہم ہیں دوستوں.....'' آپ بھی سوچ رہی ہوں گی کہ ہم اپنی باتوں میں لگ گئے۔ اصل اصل میں کہنا تو یہ تھا کہ ''اظہار کیوں نہیں کرتیں'' کی کہانی بھی زبردست تھی اور کہانی کا ماحول بھی بہت خوب صورت دل چاہ رہا تھا کہ ختم ہی نہ ہو۔ فروغ اور عالی شان کے کردار بھی زبردست تھے۔ نانی اماں کا کردار مختصر لیکن بہت اچھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نانی اور دادی کے کردار پڑھتے ہوئے آسیہ رزاقی صاحبہ کی یاد بڑی شدت سے دل کو جکڑتی ہے۔ ویلڈن نعیمہ جی، عندلیب زہرا اور میمونہ صدف کی تحریریں اچھی ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقت سے قریب تر بھی لگیں۔ حمیرا عروش نے بھی اچھا لکھا، اینڈ پر جب رقیہ بیگم کے منہ سے ''میری راج دلاری'' کے الفاظ نکلے تو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''کرن کرن روشنی'' اہم معلومات اور پیارا سلسلہ ہے۔ آپ کے جوابات اور بہنوں کے خطوط رسالے کی اصل رونق ہیں، سب ہی بہنوں کے خطوط بہت اچھے ہیں۔ ثمینہ اکرم، بلوچ سسٹرز اور کوثر خالد صاحبہ کئی ماہ سے غیر حاضر ہیں۔ مسرت الطاف نے بھی خط لکھنا چھوڑ دیا۔'' ہم نے انگریزی فلم دیکھی'' بہت ہی مزے دار لگا۔ ثنا فیصل سے ملاقات پسند آئی بڑی جی دار خاتون ہیں بھئی۔ باورچی خانہ میں زینب نور سادہ اور اچھی لگیں، ثوبیہ قطب کی ڈائری اچھی لگی۔ نفسیاتی الجھنیں میں دونوں ہی بہنوں کے مسائل نہایت پریشان کن۔

پیاری ناہید! رشتے ہماری زندگی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ زندگی کو خوب صورت بناتے ہیں۔ اگر دلوں میں وسعت اور قناعت ہو تو رشتوں سے بڑھ کر کوئی چیز اہم نہیں۔ زندگی کی مصروفیات اور تقاضوں نے بہت سی اقدار بدل دی ہیں۔ اب نہ پہلے کی طرح فرصتیں ہیں نہ فراغتیں۔ یہ سب مڈل کلاس کی اقدار تھیں، جسے بڑی تیزی سے ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ مہنگائی اتنی بڑھ گئی ہے کہ مڈل کلاس زندگی کی فراہمی میں ہی تھک کر ہانپنے لگی ہے۔

خط تو آپ ہمیشہ ہی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ بہت شکریہ۔

خدیجہ حمید..... ماڑی خورو

جس تحریر نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا وہ ہے ''حالم۔ نمرہ احمد کمال کر دیتی ہیں۔ نمرہ احمد میری فیورٹ رائٹر ہیں۔ سائرہ رضا کا'' حسن المآب بہت ہی پسند آیا۔ آپ کی بہت پرانی قاریہ ہوں مگر گاؤں میں ڈاک کا نظام نہیں ہے اس لیے مشکل درپیش ہوتی ہے۔

پیاری خدیجہ! آپ نے ہمیں یاد کیا، بہت خوشی ہوئی افسانہ، ناولٹ اگر اچھے ہوئے تو ضرور جگہ پائیں گے۔ ہم کسی بھی رائٹر کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے۔ لیکن ہمیں اپنی قارئین بھی بہت عزیز ہیں۔ ان کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کرنا چاہتے۔

ثمینہ یعقوب..... نامعلوم شہر

کافی دنوں سے میں نے اپنی کوئی تحریر نہیں۔ بھجوائی تھی اس لیے سوچا اپنی تحریریں بھیج دوں رائٹر تو جب بنوں گی سو بنوں گی، خط کے ذریعے آپ سب کی خیریت دریافت کر لیتی ہوں۔ کورونا کی وجہ سے ہر جگہ اداسی اور بوریت چھائی ہوئی ہے۔ بڑی تیزی سے پھیلتی اس بیماری نے بہت سے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

ج: پیاری ثمینہ! آپ نے ہمیں یاد کیا اور ہماری خیریت جاننے کے لیے خط لکھا۔ اس محبت کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔ ہم اور ہمارا اسٹاف خیریت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہماری ساری قارئین کو اس وبا سے محفوظ رکھے۔

سوہانہ راجپوت..... نامعلوم شہر

''کرن کرن روشنی'' مفید اور روح کو معطر کر دینے والا سلسلہ ہے۔

انٹرویو دونوں اچھے تھے۔ ''تتلی جیسا پیار'' زیادہ لمبا مت کیجیے گا۔ پندرہ سولہ بس۔ پارلر والی لڑکی ''اور'' واپسی کب ہے، ملتے جلتے تھے۔ میری راج دلاری جتنی جلدی ساس کو سدھارا ہے نا ایسے ہوتا نہیں ہے۔ خیر ''اظہار کیوں نہیں کرتیں'' اچھا تھا پر ایسے لڑکے ہوتے نہیں

جنہیں لڑکیوں کی سمجھ نہ آئے۔

اے دل بے خبر، اچھا تھا لیکن ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں۔ ''ہجر زادہ'' شمائلہ دالعباد وہ تو میری جان ہے وہ جو بھی لکھے مجھے پسند آتا ہے۔

زینب نور کا باورچی خانہ پسند آیا۔ آپ کو رانگڑی زبان کیسے آتی ہے۔ آپ بولتے ہو کیا۔ ہمارے گاؤں میں یہ ہی بولتے ہیں۔ فائزہ بھٹی کہاں غائب ہیں جی۔

ج: آپ نے بار بار لکھا ہے کہ ''ایسا ہوتا نہیں ہے'' تو پیاری سوہانہ! ہم آپ کو بتائیں کہ دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے، کچھ سانسیں جلد سدھر جاتی ہیں اور کچھ کبھی بھی نہیں سدھرتیں۔ ایسے لڑکے بھی ہوتے ہیں جو لڑکیوں کو سمجھ نہیں پاتے اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کسی کی بڑی سے بڑی غلطی کو معاف کر دیتے ہیں اور حیا نے تو ان پر احسان کیا تھا۔

آپ نے خواتین کی محفل میں شرکت کی، بہت خوشی ہوئی۔ اب باقاعدگی سے شرکت کرتی رہے گا۔

معصوم لڑکی.....نامعلوم شہر

سب سے پہلے تو یہ بتایئے کہ اس معصوم لڑکی کا خط شائع کیوں نہیں کیا جاتا۔ اپنی بے تحاشا (آہم آہم) مصروفیات سے وقت نکال کر تبصرہ لکھ کر اتنی محبت سے روانہ کرتے ہیں اور آگے سے یہ بے رخی۔ ''رنگ ریز میرے'' ابا کا رویہ تو سمجھ سے باہر ہے۔ واقعی اگر زمین کے ابا کو اپنی بیٹیوں کو اس کنویں میں دھکیلنا تھا تو انہیں باہر کی دنیا دکھائی ہی کیوں ''تتلی جیسا پیار'' شروع میں بالکل بچکانا سا چل رہا تھا لیکن اب لگتا ہے، کہانی میں ٹوئسٹ ہے۔ مریم عزیز اپنے مخصوص انداز میں آئیں اور چھا گئیں۔ کہانی کا سب سے اچھا پہلو یہ تھا کہ بہت سے واقعات غیر متوقع تھے اور اختتام بھی۔ افسانوں میں ''واپسی کب ہے'' شاندار رہا۔ باقی افسانے سو سو تھے۔ وہی پرانے موضوعات، لڑکی کا لڑکا بن کر گھر والوں کو سہارا بنتا۔ ساس کا جھگڑالو اور منہ پھٹ بہو سے تنگ آ کر پچھلی کی قدر جاننا وغیرہ۔ ادارہ خواتین ڈائجسٹ نے جو رسالہ گھر پہنچانے کا کام شروع کیا ہے، اس کی تعریف تو بنتی ہے۔ ہماری بہن نے بھی اس سہولت سے فائدہ اٹھایا اور گھر بیٹھے پرچے حاصل کیے۔

ج: معصوم لڑکی کا خط کیوں شائع نہیں کیا جاتا اس کا جواب یہ ہے کہ معصوم لڑکی ہمیں خط تو لکھتی ہے مگر اپنا نام لکھنا بھول جاتی ہے۔ اب آپ ہی بتائیں ہم کیا کریں۔

اس معصوم لڑکی کو اندازہ نہیں ہے کہ ہمیں کتنا دکھ ہوتا ہے جب ہماری قارئین بہنیں ہمیں اتنی محبت سے خط لکھتی ہیں۔ بہت سی دشواریوں سے گزر کر خط پوسٹ کرواتی ہیں۔ ڈاک خرچ برداشت کرتی ہیں اور ہم خط شائع نہیں کر پاتے، آئندہ خط یا سروے کچھ بھی لکھیں اپنا نام ضروری لکھیں۔ اپنے آنسو پونچھ لیں اور یقین رکھیں، مدیرہ صاحبہ اپنی قارئین سے بہت محبت کرتی ہیں۔

ڈاکٹر انیشا اعوان.....نواب شاہ

میں 2002ء سے آپ کی خاموش قاری ہوں۔ میں تین ڈائجسٹ لیتی ہوں۔ ہر ماہ خواتین، کرن اور شائع۔

میں تیسری کلاس میں تھی جب ماما کو پڑھتے دیکھتی تھی۔ ایک رات چپکے سے میں نے ڈائجسٹ اٹھالیا۔ پڑھنا شروع کیا تو کہانی سمجھ میں نہیں آئی پھر آہستہ آہستہ پڑھنے کا شوق بڑھتا گیا۔ میری ماما بھی ڈاکٹر ہیں۔ وہ جب بھی گھر میں فارغ ہوتی تھیں تو اسٹڈی میں بیٹھ کر آپ کے ڈائجسٹ پڑھتی تھیں۔ انہیں یہ شوق اپنی آنٹی سے ملا تھا۔

آج ماشاء اللہ میں آرمی گائنا کولوجسٹ ہوں اور آج کل کورونا کی ڈیوٹیز سرانجام دے رہی ہوں۔ جو ہماری عوام سمجھتی ہے کہ یہ ڈراما ہے ہمیں پتا ہے نا جو گزر رہی ہے۔ بیس گھنٹے کی ڈیوٹی دے رہی ہوں زندگی موت کے بیچ۔ اوہ سوری میں بات کو کہاں سے کہاں سے لے گئی۔ اب آتے ہیں اپنی رائٹرز کی طرف۔ پرانی والی کہاں چلی گئی ہیں سب ٹھیک تو ہیں نا؟

آپ یقین مانیں میری زندگی میں ان کتابوں کا بہت دخل ہے۔ میں بچپن میں بہت چپ سی بچی ہوا کرتی تھی۔ مجھ میں حوصلہ ہی نہیں تھا کسی کی بات کا جواب دینے کا۔ جب شعاع، خواتین اور کرن سے رشتہ جڑا تب سے ایسا لگتا ہے کوئی طاقت آ گئی ہے اور پڑھنے کی لگن بڑھتی چلی گئی۔ جو خواب تھا اس کو پورا کیا، آج میں کیپٹن ڈاکٹر ہوں، ان شاء اللہ 2021 اگست میں میجر بن جاؤں گی۔ اتنا بزی ہونے کے بعد بھی ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے

ضرور وقت نکالتی ہوں۔ آج خواتین ختم کیا تو آپ کا نمبر دیکھ کر آپ سے بات کرنے کا سوچا اور حال دل لکھ دیا۔

مریم عزیز نے بہت اچھا لکھا۔ نعیمہ ناز اور شمائلہ کے ناولٹ بھی اچھے لگے عندلیب زہرا، عنبرین کے افسانے بھی اچھے تھے۔

پیاری انیشا! آپ نے ہمیں یاد کیا اور جن الفاظ میں ہماری محنت کو سراہا، اس کے لیے بہت شکریہ۔

کورونا کے سلسلے میں جس بے احتیاطی اور لاپروائی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ وہ واقعی بہت افسوس ناک ہے پہلے کہا گیا کہ اسے عام فلو سمجھیں اور اہمیت نہ دیں پھر لاک ڈاؤن کرنے میں تساہل سے کام لیا گیا۔ زائرین جو باہر سے آئے، ان کے ٹیسٹ نہیں کیے گئے۔ اب ڈاکٹروں کو الزام دیا جا رہا ہے اور طرح طرح کی افواہیں پھیلا کر لوگوں کو اسپتال جانے سے روکا جا رہا ہے۔

ہمیں بے حد خوشی ہے کہ خواتین ڈائجسٹ نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور آج آپ ایک اعلا عہدے پر فائز ہیں۔ یہ ان تمام لوگوں کے لیے سبق ہے جو اپنی بچیوں کو رسالے، پرچے پڑھنے سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی دے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

انیلا طاہر..... کراچی

اس بار خط لکھنے کی کئی وجوہات ہیں جس میں سے ایک تو آپ کی دوری جی دو تین ماہ کی جو دوری آئی اس سے اندازہ ہوا کہ ہم اپنے ڈائجسٹ سے عشق کرتے ہیں۔ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ ہمیں رسالہ نہیں ملے گا۔ خیر مشکل وقت تھا گزر گیا۔ دوسری وجہ آپ کا باورچی خانہ میں زینب نور ہیں۔ واہ کمال کر دیا۔ اتنی سادہ اور صاف گو، اس زمانے میں بھی ایسے لوگ ہیں، دل باغ باغ ہو گیا۔ انہوں نے بہت اچھا لکھا۔ جھوٹ اور دھوکے سے پاک صاف اور سچے لوگ۔ تیسری وجہ ہے نمبرہ احمد کا حالم جو بالکل سمجھ سے باہر ہے۔ کچھ حقیقت کے قریب ہونی چاہیے۔ کہانی باقی ''تتلی جیسا پیار'' اور ''رنگ ریز میرے'' بھی اچھا جا رہا ہے۔ بیوٹی بکس کے مشوروں میں چہرے کے داغ دھبوں کے لیے کچھ بتا دیں۔ اور ایک بات اور دیکھی کچھ عرصے سے بہنوں کی آپس میں تنقید کا سلسلہ بڑھ گیا ہے جو ایک دوسرے کے خطوط پر کی جا رہی ہے۔ یہ اچھا نہیں لگا۔ اور ایک بات یہ پوچھنی تھی فیس بک پر جو پیج ہے شعاع خواتین ڈائجسٹ ریڈرز وہ اصل میں آپ لوگوں کا ہی ہے ناں؟ اور میں آپکے ادارے کے توسط سے بہنوں کو یہ پیغام دینا چاہتی ہوں پلیز پلیز پودے لگائیں۔ ماحول کو صاف رکھیں۔ میں جب کراچی شفٹ ہوئی تھی تو اس کے موسم میں ایسی شدت نہیں تھی۔ اب ہر آنے والے سال میں پہلے سال کی نسبت گرمی میں اضافہ ہو رہا ہے ایک معتدل موسم ہی تو تھا ہم کراچی والوں کے پاس۔ اب وہ بھی برباد کر دیا ہم نے۔

صفائی کا بھی زیادہ سے زیادہ خیال کریں صرف اپنے گھروں کو صاف رکھنا ہماری ذمہ داری نہیں۔ اپنے گلی محلے اور شہر کو بھی صاف رکھیں کچرا نہ پھیلائیں۔ دل دکھتا ہے کراچی کی حالت زار دیکھ کے۔

ج: انیلا! آپ نے بہت اچھی بات لکھی ہے۔ ہم آپ کا پیغام کراچی کے شہریوں تک پہنچا رہے ہیں۔ کراچی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

ایک تھی مثال

رخسانہ نگار عدنان

مکمل ناول کتابی شکل
میں شائع ہو گیا ہے

قیمت -/500 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی

فون نمبر:
32735021

کے موسم میں جو حدت بڑھی ہے اس میں بڑا ہاتھ ان پودوں کا ہے، جو سابقہ میئر نے لگائے۔ انہوں نے کونو کارپس کے پودے لگائے جو دنوں میں بڑھتے ہیں۔ ان پودوں نے ہوا کی اور زمینی نمی جذب کرلی۔ جس وقت یہ پودے لگائے جارہے تھے۔ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ ماحولیاتی ریسرچ نے بتایا تھا کہ ان پودوں سے سانس کی بیماریاں پھیلتی ہیں اور ماحول کے لیے نقصان دہ ہیں لیکن کسی میں جرات نہیں تھی کہ میئر صاحب کو ٹوکتا۔ میڈیا نے بھی توجہ نہیں دی۔ اب نتیجہ کراچی کے شہری بھگت رہے ہیں۔ ہمیں پہلے ان درختوں سے نجات پانا ہوگی۔ تب ہی کچھ بہتری آئے گی۔

فیس بک پر ادارہ خواتین ڈائجسٹ کا کوئی پیج نہیں ہے۔

شہرین اسلم.....شاہدہ بہاول پور

اس ماہ کا پورا ڈائجسٹ ہی زبردست تھا۔ واقعی میں بڑھ کر بہت خوشی ہوئی چاہے وہ سلسلے وار ناولز ہوں مکمل ناول ہوں مریم عزیز جی کیا کہوں آپ کی تعریف میں، ویل ڈن بہت فنٹاسٹک اسٹوری تھی مجھے اسٹارٹ میں ہی اندازہ ہوگیا تھا فیض جی ہی اصلی ہیرو ہوں گے نعیمہ ناز جی کا ناولٹ اظہار کیوں نہیں کرتیں اچھا لگا۔ ''ہجرزادہ'' میں شمائلہ والعباد جی نے اچھا میسج دیا اسی لیے دین اسلام میں بیوہ کا نکاح کا حکم دیا ہے ویری گڈ باقی افسانے ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔

ج: پیاری شہرین! آپ کے نام کے معنی تو ہمیں بھی نہیں معلوم، اگر کسی بہن کے علم میں ہوں تو وہ بتادیں ہم شائع کردیں گے۔ محفل میں شرکت کے لیے شکریہ۔

زرتاشیہ نعمان.....ملتان

جون کے شمارے میں اپنا خط دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، گو کہ میرا خط تنقید پر مبنی تھا۔ مگر من وعن شمارے میں جگہ دی۔ اس بار میں نے سوچا کیوں نہ درجہ بندی کرکے تحریروں پر تبصرہ کیا جائے۔ ''چھٹے نمبر'' پر ''حمیرا عروش'' کی تحریر ''میری راج دلاری'' رہی۔ ''پانچویں نمبر پر'' عنبرین ابدال'' کی ''شریک سفر'' آئی۔ اس ٹاپک پر پہلے بھی لاتعداد کہانیاں نظر سے گزری ہیں۔ ''چوتھے نمبر پر'' میمونہ صدف کی ''واپسی کب ہے'' رہی۔ میمونہ صدف نے باہر والوں کی بہت اچھی عکاسی کی۔ ''تیسرے نمبر'' پر'' عندلیب زہرہ'' کی ''پارلر والی لڑکی'' نے قبضہ کیا۔ ''دوسرے نمبر'' پر ''مریم عزیز'' کے ''اے دل بے خبر'' کا رہا۔ اب آپ کو انتظار ہوگا کہ ''نمبر ون'' پر کون سی تحریریں رہیں تو جناب دونوں ناولٹ ''نعیمہ ناز کا اظہار کیوں نہیں کرتیں اور شمائلہ العباد'' کا ہجرزادہ'' میں ٹائی ہوگیا۔ اظہار کیوں کرتیں بہت عمدہ تحریر تھی جس کے لیے ''نعیمہ ناز'' کو مبارک باد۔ ''ہجرزادہ'' پڑھ کے سچ میں دل بھر آیا۔ مہر النساء ایک شہید کی بیوہ تھی۔ تہجد گزار تھی۔ اسے ایسی حرکتیں زیب نہیں دیتی تھیں۔ سارہ پہ بھی ترس آیا جس نے اپنی پہلی خوشی اپنوں کے بدصورت رویے کی وجہ سے کھودی۔

ج: پیاری زرتاشیہ! آپ کو اظہار رائے کا پورا حق حاصل ہے ہم تنقید کا برا نہیں مانتے۔ یہ سلسلہ ہم نے قارئین کی رائے کے لیے ہی شروع کیا ہے۔

ہجرزادہ میں آپ کہانی کے اصل مقصد تک نہیں پہنچ سکیں۔ مہر النساء خود حالات کا شکار تھی۔ اس پر ظلم اس کے اپنوں نے کیا۔ شہید کی بیوہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ انسانی فطری جذبات سے بھی محروم ہوجائے۔ بیوہ کی شادی میں تو زیادہ جلدی کرنے کا حکم ہے۔ شریعت میں ایسی کوئی ممانعت نہیں کہ شہید کی بیوہ شادی نہ کرے۔ مہر النساء کے فطری جذبات پر بند باندھے گئے تو اس کا نتیجہ دوسری شکل میں سامنے آیا۔

کہانی آپ کسی بھی تاریخ کو بھجوائیں۔ اچھی ہوئی تو فوراً شامل ہوگی۔

ایمان فاطمہ راجپوت.....ضلع اوکاڑہ

میری پسندیدہ مصنفین سمیرا حمید فرحت اشتیاق نمرہ احمد اور عمیرہ احمد ہیں۔ باقی تمام رائٹر بھی بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ سائرہ رضا کی ہر تحریر دل پہ اثر چھوڑ جاتی ہے۔ فرزانہ کھرل کا ''پورب پچھم'' کی ہیروئن میں کہیں کہیں اپنی جھلک نظر آئی۔ ''ہمارے نام'' میں فائزہ بھٹی، نسبت زہرہ، نوال افضل گھمن کا نام جس بھی سلسلے میں ہو پہلے انہیں پڑھتی ہوں اور فائزہ بھٹی کا عید کے سلسلے میں احوال پڑھ کر اپنا پن محسوس کیا کہ یہ بندی تو اپنے جیسی ہے اور آخر میں مجھے آپ سے بس ایک شکایت ہے کہ ناولز کی جو قیمت رسالے میں دی ہوتی ہے اس سے دوگنی قیمت میں ہمیں ملتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا ادارے سے منگوائیں تو ہمیں اسی قیمت میں ملے گا جو قیمت رسالے میں دی ہوتی ہے۔

ج: ایمان! آپ ادارے سے ناول منگوائیں گی تو اسی قیمت میں ملیں گے جو قیمت لکھی ہوتی ہے۔ آپ اس نمبر پر فون کرلیں وہ آپ کو طریقہ بتادیں گے۔

021-32735021

ICE MEDIA & ENTERTAINMENT PRESENTS

DIRECTED BY : NAJAF BILGRAMI
WRITTEN BY : SAIMA AKRAM CHAUDRY
PRODUCED BY : AIJAZ ASLAM

CAST

Faysal Quraishi, Faryal Mehmood, Ali Ansari, Yashma Gill, Tariq Jameel, Gul-e-Rana, Tanveer Jamal, Mariam Mirza, Jahan Ara Hai, Jinaan Hussain, Faizan Sheikh, Becks Khan, Samina Nazir, Suhail Masood, Palwasha Yahya

#Gustakh

EVERY THURSDAY AT 08:00PM

express
سب کے لیے

www.expressentertainment.tv /ExpEntertainment

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

باربی کیو کلیجی

ضروری اشیا:

کلیجی	ڈیڑھ کلو
دہی	تین کھانے کے چمچے
پسی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
لیمن جوس	دو چائے کے چمچے
ادرک لہسن پیسٹ	دو چائے کے چمچے
پسا گرم مسالا	دو چائے کے چمچے
گھی / تیل	آدھا کپ

ترکیب:

کلیجی میں لال مرچ پاؤڈر، نمک، ادرک لہسن پیسٹ، پسا گرم مسالا، دہی اور لیمن جوس مکس کرلیں اور ایک گھنٹہ اوون میں رکھیں پھر سیخ پر لگائیں۔ برش سے اوپر گھی لگائیں آدھا گھنٹہ کوئلہ پر سینک لیں یا اوون میں بیک کریں۔ پھر برش سے گھی لگائیں۔ اچھی طرح پک جائے تو فرنچ فرائز اور کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

کلیجی

ضروری اشیاء:

کلیجی	آدھا کلو
ہری مرچیں	چار عدد (لمبائی میں کاٹ لیں)
ٹماٹر چوکور کاٹ لیں	دو عدد
پسی لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
گردے	چار عدد (کاٹ لیں)
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
تیل	آدھا کپ
ادرک لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی	ایک چوتھائی چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	حسب ذائقہ

ترکیب: کلیجی اور گردوں کو اچھی طرح سے دھو کر ادرک لہسن، لال مرچ، ہلدی، نمک لگا کر آدھا گھنٹہ رکھیں۔ فرائی پین میں تیل گرم کرکے یہ مکسچر ڈالیں۔ آنچ، پہلے ہلکی رکھیں تاکہ کلیجی گل جائے۔ تھوڑی دیر بعد پانی خشک ہو تو ٹماٹر اور تین عدد مرچ ڈالیں اور اچھی طرح سے بھون لیں اور ساتھ کالی مرچ مکس کریں اب آدھا ہرا دھنیا ہر ڈالیں اور بھونیں خوشبو آئے تو چولہا بند کردیں سرو کرتے وقت ہرا دھنیا اور لیموں سے گارنش کریں۔

ساتھ دہی کا رائتہ رکھیں۔ یہ بغیر روٹی کے بھی کھایا جاسکتا ہے۔ بچوں کے لیے صرف کالی مرچ استعمال کریں۔

چانپ، چاول

ضروری اشیا:

بکرے کی چانپیں	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
پسی سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے	دو عدد
میدہ	تین کھانے کے چمچے
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ
دہی	دو کھانے کے چمچے
گوشت گلانے کا پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پسی سفید مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
ہری مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

پانی	حسب ضرورت

چاول کے اجزاء:

چاول (ابلے ہوئے)	دو کپ
مٹر (ابلے ہوئے)	چوتھائی کپ
مکھن	دو کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
نمک	حسب ذائقہ

پتیلی میں تھوڑا سا تیل گرم کر کے اس میں مکھن ڈال کر پگھلا لیں۔ اس کے بعد چاول، مٹر، سیاہ مرچ اور نمک ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔

ترکیب:

چانپیں دھو کر خشک کر لیں۔ پیالے میں دہی، پسی ہری مرچیں، لہسن، ادرک، نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور گوشت گلانے کا پاؤڈر ڈال کر چانپوں پر لگا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ ایک پیالے میں انڈے پھینٹ کر اس میں میدہ، کارن فلور، سفید مرچ پاؤڈر اور نمک شامل کر کے گاڑھا آمیزہ بنا لیں اور ضرورت کے مطابق پانی شامل کر لیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کر کے چانپیں تیار آمیزے میں ڈپ کر کے سنہری فرائی کر لیں اور کاغذ پر نکال کر تیل جذب ہونے دیں۔ ڈش میں نکال کر چاول اور مایو سلاد کے ساتھ پیش کریں۔

ران ٹماٹر پیسٹ میں

ضروری اشیاء

ران	ایک عدد (بغیر چربی کے اچھی طرح صاف کر لیں اور ابال کر گلا لیں)
سفید زیرہ	دو کھانے کے چمچے
دھنیا ثابت	دو کھانے کے چمچے
ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	آٹھ سے دس عدد
ٹماٹر	ڈیڑھ کپ
لیموں (اس نکال لیں)	دو عدد
ابلی ہوئی ران کی یخنی	ایک کپ
تیل	دو کھانے کے چمچے
پسی کالی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لیموں کے سلائس	دو عدد
تازہ ہرا دھنیے کے پتے	گارنشنگ کے لیے

ترکیب:

ہری مرچیں پیس لیں اور دو کھانے کے چمچے ثابت دھنیا، پسے ہوئے زیرے کو دو لیموں کے جوس میں مکس کر لیں۔ اس مسالے کو ران پر اچھی طرح لگا دیں۔ ران پر کٹ لگا دیں تاکہ مسالا ران میں اچھی طرح سے لگ جائے اسے میری نیٹ ہونے کے لیے پانچ، چھ گھنٹے رکھ دیں۔ اب ران کو بغیر پانی ملائے اس وقت تک پکائیں کہ گل جائے۔ ایک دوسری پتیلی لیں دو کھانے کے چمچے تیل ڈالیں۔۔ اس میں ٹماٹر ساس، دو کھانے کے چمچے ثابت دھنیا، زیرہ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچہ پسی ہوئی سیاہ مرچ اور ایک کپ یخنی ڈالیں اور اس وقت تک پکائیں کہ بلبلے اٹھنے لگیں۔ اب ران کو اس آمیزے میں ڈال دیں اور 10 منٹ کے لیے نہایت ہلکی آنچ پر دم پر رکھیں دیں۔ تازہ ہرا دھنیے کے پتوں اور لیموں کے سلائس کے ساتھ پیش کریں۔

بہاری کباب

ضروری اشیاء:

پسندے	ایک کلو
پیاز	ایک پاؤ
دہی	ایک پاؤ
سرسوں کا تیل	ایک کپ
پیاز (پسی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
پسی لال مرچ	تین چائے کے چمچے

گرم مسالا	دو چائے کے چمچے
ادرک	دو چائے کے چمچے
جائفل جاوتری	تھوڑی سی
پپیتا	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

پپیتا، جائفل، جاوتری باریک پیس لیں۔ پسندے میں دہی سمیت پسا ہوا مسالا، براؤن کی ہوئی پیاز، پسی ہوئی پیاز، سرسوں کا تیل، نمک، لال مرچ، گرم مسالا اور ادرک پیسٹ ملا کر چار گھنٹے رکھیں۔ سیخ پر لگا کر کوئلہ کی آگ پر سینک لیں۔ اور گوشت گل جائے اور سنہرا ہو جائے تو کباب پر تیل لگا کر پیش کریں۔

(نوٹ: اگر اوون میں بیک کرنا ہے تو پہلے کوئلہ جلا کر دھواں دیں پھر بیک کریں۔ قریب ایک گھنٹہ کہ گوشت براؤن ہو جائے اور گل جائے)

مغز مسالا

ضروری اشیاء:

گائے کے مغز	دو عدد
پسی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
پسا دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
پسا گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
پیاز	چار عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
ہری مرچ	چار عدد
دہی	آدھی پیالی
تیل	چوتھائی کپ

ترکیب:

تیل گرم کر کے پیاز براؤن کر لیں اور اس کو چورا کر لیں۔

اس کے بعد اس پیاز میں لال مرچ، دھنیا، گرم مسالا، نمک، دہی اور ادرک لہسن ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ مسالا بھوننے کے بعد مغز ڈال دیں۔ اور پانی خشک کرنے کے لیے کپڑے سے پکڑ کر پین کو ہلائیں۔ جب تیل الگ ہو جائے تو ہرا دھنیا کاٹ کر ڈال دیں۔ ہری مرچ، لیموں اور ادرک باریک کٹی ہوئی وہ ڈال دیں۔ پانچ منٹ دم پر رکھیں اور گرم گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

ریشمی کباب

ضروری اشیاء:

قیمہ	ایک پاؤ گرام
پسی کالی مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک لہسن	آدھا چائے کا چمچہ
پسی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

قیمہ کو چوپر میں باریک پیس لیں۔ اس میں پسی ہوئی پیاز، ادرک لہسن، لال مرچ، کالی مرچ، نمک، گرم مسالا اچھی طرح ملا لیں اور اس کے چھوٹے بالز بنا لیں اور سیخ پر لگا کر کباب بنا لیں۔ چاروں طرف سے اچھی طرح سینک لیں۔ برش سے تیل لگائیں، چٹنی، پیاز فرنچ فرائز کے ساتھ سرو کریں۔

زعفرانی شاہی ٹکڑے

ضروری اشیاء

ڈبل روٹی کے سلائس	آٹھ عدد
دودھ	ایک کلو
چینی	ایک پاؤ
کھویا	چوتھائی کپ
چھوٹی الائچی	آٹھ عدد (پسی ہوئی)

بادام اور پستہ	ساٹھ گرام
زعفران	آدھا چائے کا چمچہ
کیوڑا	ایک چائے کا چمچہ
گھی	تلنے کے لیے
زرد رنگ	حسب ضروری
چاندی کے ورق	

ترکیب:

ڈبل روٹی کے سلائس گھی میں دھیمی آنچ اس وقت تک تلیے جب تک سرخ نہ ہو جائیں۔ دودھ میں چینی اور زرد رنگ ملا کر کچھ دیر کے لیے پکائیں اور پھر اس میں کھویا، پسی ہوئی الائچی اور زعفران شامل کر لیجیے۔

فرائی کیے ہوئے سلائس دودھ میں ڈال کر ایک یا دو جوش دے لیں ایک پھر ٹرے میں نکال کر اس پر بادام اور پستہ چھڑکنے کے بعد چاندی کے ورق لگا دیجیے۔ اسے ٹھنڈا یا گرم دونوں ہی کھانے کے لیے پیش کر سکتے ہیں۔

کچے گوشت کی بریانی

اجزاء

گوشت	ایک کلو
دہی	ایک پاؤ
نمک	حسب ذائقہ
پسا دھنیا	دو کھانے کے چمچہ
کالا زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
جاوتری	آدھا کھانے کا چمچہ
بڑی الائچی	چار یا پانچ عدد
ثابت کالی مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
دار چینی	پانچ یا چھ عدد
پپیتا	دو کھانے کے چمچے
ادرک لہسن	دو کھانے کے چمچے
پسی لال مرچ	دو کھانے کے چمچے
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
جائفل	آدھا چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی	چھ یا سات عدد
لونگ	ایک کھانے کا چمچہ
تیز پات	پانچ یا چھ عدد

نوٹ: پسا دھنیا سے لے کر دار چینی تک کے تمام اجزاء کو توے پر ہلکا براؤن کر کے موٹا موٹا کوٹ لیں۔

پیاز	آدھا کلو
ہرا دھنیا	آدھی گھٹی
ہری مرچیں	پانچ یا چھ عدد
زردے کا رنگ	ایک کھانے کا چمچہ
چاول باسمتی	ایک کلو
آئل	ایک کپ
پودینہ	آدھی گھٹی (باریک کٹا ہوا)
آلو	آدھا کلو (بڑے ٹکڑے کاٹ لیں)
کیوڑہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

گوشت کو دھو کر کچا پپیتا لگا کر چار یا پانچ گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر دہی، ادرک اور لہسن سمیت تمام خشک مسالے لگا دیں۔ باریک کٹی پیاز کو براؤن کر کے کسی پیپر پر پھیلا دیں۔ آلوؤں کو دو کھانے کا چمچہ تیل میں ہلکا فرائی کر لیں۔ چاولوں کو ایک کنی ابال لیں۔ ایک بڑے دیگچے میں تھوڑا سا آئل لگا کر چکنا کر لیں۔ پہلے ڈال دیں۔ آلو ہرا دھنیا، ہری مرچیں، باریک کٹا پودینہ اور براؤن پیاز رکھ کر سارے چاول اوپر ڈال دیں۔ اور اوپر سے کیوڑہ اور زردے کا رنگ ڈال کر تیل ڈال کر ڈھک دیں۔ گوندھے ہوئے آٹے سے چاروں طرف ڈھکن کو مضبوطی سے ڈھک دیں۔ توے کو تیز آنچ پر گرم ہونے کے لیے رکھ دیں۔ دیگچے کو توے پر رکھ کر چاولوں پر پہلے روٹی رکھیں اس پر جلتے کوئلے رکھ دیں۔ آنچ ہلکی کر دیں۔ اور چار یا پانچ گھنٹوں کے لیے بریانی کو پکنے دیں۔ پیش کرتے وقت بریانی مکس کر لیں۔ اور گرم گرم پیش کریں۔

☆☆

آپ کا باورچی خانہ

عطیہ بتول

س: کھانا پکاتے ہوئے آپ کن باتوں کا خیال رکھتی ہیں؟ پسند ناپسند، غذائیت، گھر والوں کی صحت؟

ج: کھانا پکاتے وقت سب کی پسند کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے کبھی کبھی چھ طرح کی چیزیں پکتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جو چیز ایک کو پسند ہے تو دوسرے کو ناپسند۔ ہمارے گھر میں ماشاءاللہ افراد بھی زیادہ ہیں، تو پسند، پسند کے چکر میں کافی چیزیں بن جاتی ہیں۔

س: گھر میں اچانک مہمان آ گئے ہیں، کھانے کا وقت ہے، کسی ایسی ڈش کا نام بتائیں جو فوری تیار کر کے مہمانوں کی تواضع کر سکیں؟

ج: اچانک مہمانوں کے آنے پر سب سے پہلے ٹھنڈے مشروبات سے تواضع، اس کے بعد اگر کھانے کا ٹائم ہو تو پھر جھٹ پٹ چکن کا سالن تیار کر لیتی ہوں اور ساتھ میں چاول۔

میں گوشت فریز نہیں رکھتی۔ مارکیٹ نزدیک ہے تو فوراً بھائی کو دوڑا دیتی ہوں اور میٹھے میں ٹوٹی فروٹی سویاں، جس کی ترکیب حاضر خدمت ہے۔

اجزا:۔

رنگین سویاں	ایک پیکٹ
دودھ	ایک کلو
چینی	حسب ضرورت
سبز الائچی	چار عدد
مکس فروٹ ٹن	ایک ڈبہ
تازہ پھل	کیلا، سیب، انگور
اسٹرابری جیلی	ایک عدد
کریم	آدھا کپ
کسٹرڈ	دو چمچ
پستہ، بادام	حسب ضرورت

ترکیب:۔

سب سے پہلے جیلی الگ سے تیار کر لیں اور ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ دودھ میں سویاں، الائچی اور چینی شامل کر کے سات منٹ تک پکائیں۔ اس بات کا خیال رہے کہ سویاں زیادہ نہ گلیں۔ اب اس میں کسٹرڈ شامل کریں، گاڑھا ہونے پر اتار لیں۔ آدھا کپ دودھ میں کسٹرڈ ملا کر سویوں میں شامل کر دیں۔ چمچہ لگاتار چلاتی رہیں۔ اس کے بعد فریج میں ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھ دیں۔ تیار شدہ جیلی کے چھوٹے ٹکڑے کر کے شامل کریں۔ فروٹ ٹن، پستہ، بادام ڈال دیں۔ مزید ذائقے کے لیے ایک کپ تازہ پھل چوکور کاٹ کر بھی شامل کر سکتی ہیں۔ مزید ٹھنڈا کریں (اگر ٹائم ہو تو) اور مزے دار ٹوٹی فروٹی سویاں انجوائے کریں۔

س: کچن عورت کی سلیقہ مندی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ آپ کچن کی صفائی کے لیے کیا خصوصی اہتمام کرتی ہیں؟

ج: میں کھانا پکاتے ہوئے صفائی کا خیال رکھتی ہوں، چیزوں کو ساتھ ساتھ جگہ پر رکھ دیتی ہوں۔ جس کی وجہ سے کچن میں بے ترتیبی نہیں ہوتی۔

س: صبح کا ناشتا اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ناشتے میں کیا بناتی ہیں، ایسی خصوصی چیز جو آپ اچھی بناتی ہوں؟

ج: صبح کا ناشتا خاص اہمیت رکھتا ہے (چاہے

ایک بجے ہی ہو)۔ پراٹھا، انڈا، اچار، رات کا سالن اور بسکٹ وغیرہ سب کی پسند کے مطابق ہوتا ہے۔ کبھی کبھی حلوہ پوری کا ٹرکا بھی لگا لیتے ہیں۔

س: گھر سے باہر کھانا کھانا فیشن بنتا جارہا ہے، آپ مہینے میں کتنی بار باہر کھانے جاتی ہیں؟

ج: باہر جانے کا اتفاق کم ہی ہوتا ہے کیونکہ ہم بہنیں صفائی کے معاملے میں نو کمپرومائز ہیں۔ اسی لیے تقریباً ساری چیزیں گھر پر پکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صاف ستھرا اور معیاری۔

س: کھانا پکانے کے لیے ڈش کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو مدنظر رکھتی ہیں؟

ج: گرمیوں کے موسم میں ٹنڈے، کدو کا رائتہ من کو بھاتا ہے۔ اس کے علاوہ سبزیوں پر زور ہوتا ہے جبکہ سردیوں میں اسپیشل ساگ تقریباً ہر ہفتے بنتا ہے۔ بارش کے موسم میں پکوڑے، سموسے، نمک پارے اور آلو کے پراٹھے گھر میں ہی تیار کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں رول پراٹھا ٹرائی کیا جو بہت مزے کا بنا تھا۔

س: اچھا پکانے کے لیے کتنی محنت کی قائل ہیں؟

ج: میں کھانا پکاتے ہوئے محنت کی قائل ہوں، بقول امی جی کھانا دل لگا کر بناؤ تو لذیذ بنتا ہے۔

س: کچن کی کوئی ایک ٹپ جو دینا چاہیں؟

ج: کچن کی اکثر ٹپ تو جناب سب کو ہی معلوم ہوتی ہیں۔ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ کھانا پکاتے ہوئے شعاع یا خواتین ڈائجسٹ ہاتھ میں ہونا چاہیے، کھانا خود بخود مزے دار بنے گا۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹا دو

نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی

فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم

تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر: 32735021

عنوان

نفسیاتی الجھنیں

آپ چاروں طرف سے پریشانیوں میں گھر گئی ہیں، کوئی امید کی کرن نظر نہیں آتی۔ دکھوں نے آپ کو ذہنی طور پر ہی نہیں جسمانی طور پر بھی بیمار کر دیا ہے۔ جب کوئی راستہ نظر نہ آئے تو پریشانی دور کرنے کا ایک راستہ ہے۔

''آپ سوچیے کہ آپ دوسروں کی پریشانیاں کیسے دور کر سکتی ہیں اور دوسروں کو کیسے خوش کر سکتی ہیں۔''

بظاہر یہ ناقابل یقین سی بات نظر آتی ہے کہ دوسروں کو خوش کرنے سے آپ کی پریشانیاں دور ہو جائیں، لیکن وہ لوگ جو دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے مسائل میں دلچسپی لیتے ہیں۔ قدرت کی طرف سے ان کو یہ انعام ملتا ہے کہ ان کی پریشانیاں خود بخود دور ہو جاتی ہیں۔ دوسروں کی خدمت اور مدد کر کے ایک روحانی خوشی ملتی ہے اور جب آپ رات کو سوتے ہیں تو ایک سکون اور اطمینان بخش احساس آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسلام فطرت سے انتہائی قریب مذہب ہے۔ زندگی گزارنے کا بہترین لائحہ عمل صرف اسلام نے ہی دیا ہے۔ اسلام میں پڑوسی کا خیال رکھنے اور اس کی خیر خواہی کے لیے سخت تاکید کی گئی ہے۔ بیمار کی عیادت کا انتہائی ثواب ہے۔ صلہ رحمی یعنی اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ قطع رحمی کو سخت گناہ کہا گیا ہے۔ اس سب کا ایک ہی مقصد ہے کہ ہم صرف اپنی ذات کے بارے میں نہ سوچیں بلکہ دوسروں کا خیال بھی کریں۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوں۔

مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر ایڈلر ہر روز ایک نیکی کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب ہم دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اپنے متعلق بھول جاتے ہیں۔ پریشانی، خوف اور خفقان کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ صرف اپنے متعلق سوچتے رہتے ہیں۔

دوسروں کے متعلق سوچنے سے نہ صرف آپ کی پریشانیاں دور ہو جائیں گی بلکہ اس سے آپ کو دوست بنانے میں بھی مدد ملے گی۔

ڈیریز کہتا ہے.....

''وقت ضائع ہونے والی چیز ہے، اس لیے جو نیکی میں کر سکتا ہوں، مجھے فی الفور کرنی چاہیے کیونکہ میں اس راستے سے دوبارہ نہیں گزروں گا۔''

اگر ہم خوش، مطمئن اور صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ایک ہی طریقہ ہے۔ دوسروں میں دلچسپی لیں اور ہر روز کوئی ایسا نیک کام کریں جو کسی کے چہرے پر تبسم بکھیر دے۔

☆☆☆

ناصرہ جہاں.....اوکاڑہ

س: آج میں جو سوال لے کر آئی ہوں، وہ میرا ہی نہیں میرے جیسی بہت سی لڑکیوں کا مسئلہ ہے۔ میری عمر تیس سال ہے۔ دو بہنیں اور دو بھائی مجھ سے بڑے ہیں۔ میں نے ایم اے بی ایڈ کیا ہے۔ ایک پرائیوٹ اسکول میں پڑھاتی ہوں۔ کوئی بہت اعلا درجے کا انگلش میڈیم اسکول نہیں ہے۔ بس درمیانے درجے کا ہے۔ درمیانی سی میری تنخواہ بھی ہے نہ بہت زیادہ، نہ بہت کم۔ لیکن صورت میری درمیانی سے بھی کم درجہ کی ہے اگر میں حق گوئی سے کام لوں تو میرا شمار اچھی خاصی بدصورت لڑکیوں میں ہوتا ہے۔ بہنیں بھی میرے جیسی ہیں بلکہ وہ صورت میں مجھ سے کچھ کم ہی ہوں گی۔ شاید یہی وجہ ہے ابھی تک کسی بہن کی بھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ وہ دونوں ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتی ہیں۔ ہماری بھی خواہش تھی کہ کسی پڑھے لکھے برسر روزگار لڑکے سے شادی ہوتی لیکن اول تو کوئی رشتہ آتا نہیں، اگر آتا ہے تو بے روزگار، میٹرک

فیل۔ آپ ہی بتائیں جب شادی کے بعد بھی خود ہی کما کر گھر چلانا ہے تو پھر شادی کا جھنجھٹ کیوں مول لیا جائے۔
امی کا کہنا ہے کہ ہماری عمر نکل رہی ہے، اس لیے ان ہی رشتوں میں سے کسی کو منتخب کرلیا جائے۔ میرا دل کسی صورت نہیں مانتا۔ امی مجھے طعنے دیتی ہیں، شکل چڑیلوں جیسی مزاج پریوں کے۔ آپ ہی بتائیں، میں کیا کروں۔ کیا ایسا کوئی رشتہ قبول کرلوں۔

ج: اچھی بہن! کسی ان پڑھ یا بے روزگار لڑکے سے شادی کرنے کا مشورہ تو آپ کو نہیں دیا جاسکتا۔ لڑکا کم تعلیم یافتہ ہو یا کم کماتا ہو تو اس سے شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن کوئی بھی کام نہ کرتا ہو، بے روزگار ہو تو اس سے بہت سے مسائل کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ لڑکیوں کی عمر بہت اہمیت رکھتی ہے لیکن اب وقت بدلا ہے، بہت سے نظریات بھی بدل گئے ہیں۔ اب پڑھی لکھی اور کمانے والی لڑکیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔
اگر لڑکا شریف، محنتی اور برسر روزگار ہے تو کم تعلیم یافتہ سے شادی میں کوئی حرج نہیں۔ ایسا کوئی رشتہ ہو تو صرف تعلیم کی وجہ سے ریجیکٹ نہ کریں۔

فرح حسین.....انگلینڈ

س: میرا مسئلہ وہی پرانا ہے، جو باہر جانے والی بیشتر لڑکیوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔
میں اپنے والدین کی اکلوتی لاڈلی بیٹی ہوں۔ بچپن سے ہر نعمت میسر تھی۔ گھر کے کام امی کرتی تھیں۔ گھر میں فل ٹائم ملازمہ تھی۔ میں نے تو کبھی ہل کر پانی بھی نہیں پیا تھا۔
میری بدنصیبی کا آغاز اس وقت ہوا جب لندن سے خالہ پاکستان ملنے آئیں۔ ان کے ساتھ ان کا بیٹا بھی تھا۔ میں بی اے کا امتحان دے چکی تھی۔ خالہ نے امی سے میرے رشتے کی بات کی۔ خالہ کے بیٹے میں بظاہر کوئی خرابی نہ تھی۔ درمیانے درجے کی شکل وصورت کا مالک تھا۔ خالہ نے بتایا کہ اولیول کر کے کمپیوٹر کا کورس کیا ہے اور وہاں کسی آفس میں جاب کرتا ہے۔ والدین نے تھوڑے پس وپیش کے بعد یہ رشتہ قبول کرلیا۔ وہ اس بات پر خوش تھے کہ سگی خالہ کے گھر جارہی ہوں۔ خالہ خیال رکھیں گی۔ یہاں یہ بتادوں کہ ابو ہارٹ پیشنٹ تھے اور وہ چاہتے تھے کہ میں ان کی زندگی میں اپنے گھر کی ہوجاؤں
خالہ چاہتی تھیں کہ نکاح ہوجائے تاکہ وہاں واپس جاکر وہ میرے کاغذات وغیرہ بنوالیں۔ شادی ہوگئی، چھ ماہ بعد میرے کاغذات بھی بن گئے اور میں انگلینڈ آگئی۔
یہاں آکر میرے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ شوہر صاحب معمولی تعلیم یافتہ تھے۔ کام کاج کوئی نہیں تھا۔ بے روزگاری الاؤنس پہ گزارا تھا۔ خالہ کے گھر میں ان کے جیٹھ، دیور کی فیملیاں بھی تھیں۔ تین کمروں کے گھر میں بارہ، چودہ افراد رہتے تھے۔ کھانا ایک ہی جگہ پکتا تھا۔ باری باری خالہ اور ان کی دیورانی، جٹھانی پکاتی تھیں۔ میری بھی باری لگائی گئی لیکن مجھے تو کام کرنے عادت ہی نہیں تھی۔ امی نے یہاں آنے سے پہلے کچھ چیزیں پکانا سکھادی تھیں لیکن اتنے زیادہ لوگوں کے لیے پکانا میرے لیے بہت مشکل تھا۔ خیر جیسے تیسے میں یہ بھی کرلیتی لیکن جو سب سے بڑا مسئلہ ہے، وہ شوہر صاحب کی پینے پلانے کی عادت ہے جو میں کسی صورت برداشت نہیں کرسکتی۔ کئی قسم کے نشے کرتے ہیں جبکہ میری پرورش بہت مذہبی ماحول میں ہوئی ہے۔
شوہر سارا دن گھر میں پڑے سوتے رہتے ہیں۔ خالہ کسی قسم کا تعاون کرنے پر تیار نہیں۔ وہ جو صدقے واری جاتی تھیں، اب یہاں آکر بالکل اجنبی بن گئی ہیں۔ والدین کہتے ہیں کہ میں واپس آجاؤں۔ وہ ٹکٹ کے پیسے بھجوانے کو تیار ہیں۔

ج: عزیز بہن! آپ نے جو حالات لکھے ہیں، ان میں تبدیلی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ کیونکہ آپ کے شوہر نہ صرف یہ کہ کام نہیں کرتے بلکہ کرنا بھی نہیں چاہتے۔ آگے جاکر آپ کے بچے ہوں گے تو مزید مسائل کھڑے ہوجائیں گے۔ آپ کے والدین درست کہتے ہیں، بہتر صورت یہ ہی ہے کہ آپ علیحدگی اختیار کرلیں۔

☆☆

امت الصبور

بیوٹی بکس

ثمرینہ خان..... پشاور

س: باجی میری عمر بیس سال، قد پانچ فٹ اور وزن ۵۵ کلوگرام ہے۔ میں نے گولیوں کا اشتہار دیکھا ہے جس سے وزن کم ہوسکتا ہے کیا میں وہ گولیاں استعمال کرسکتی ہوں؟ کیا اس سے میرا وزن کم ہوجائے گا اور ان گولیوں کے کوئی مضر اثرات تو نہیں ہوں گے؟"

ج: "ثمرینہ! ان اشتہاری دواؤں کے متعلق کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ ان کے مضر اثرات بھی ہوسکتے ہیں۔ کسی بھی دوائی سے وزن کم ہونا ناممکن ہے جب تک کہ ہم اپنی خوراک کو کنٹرول نہ کریں۔ بیکری کی بنی ہوئی اشیاء، آئس کریم، ٹافیاں، تلی ہوئی اشیاء، مٹھائیاں، وزن میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ ان چیزوں کا استعمال ترک کردیں۔ آپ درج ذیل ہدایات پر عمل کریں۔ آپ کا وزن کم ہوجائے گا۔

1- "ہفتے میں ایک روز صرف سیال خوراک لیں، سبزیوں کا سوپ لیں۔ روٹی، چاول بالکل نہ کھائیں۔ پھلوں کا جوس بھی لے سکتی ہیں۔ دودھ بالائی ہٹا کر استعمال کریں، چائے میں چینی نہ ڈالیں۔

ایک گلاس پانی میں ایک چمچہ شہد اور ایک چمچہ لیموں کا رس ملا کر پی لیں۔ اس سے آپ کا پیٹ صاف ہوجائے گا۔

2- ہفتے میں ایک دن صرف کچی سبزیاں اور پھل استعمال کریں، گاجر، چقندر، ٹماٹر، کھیرا، سیب، کینو وغیرہ کھائیں۔

3- دن میں کم از کم بارہ گلاس پانی پئیں، جتنا زیادہ پانی پئیں گی اتنا ہی پیٹ خالی کم لگے گا۔ اس طرح آپ کھانا کم کھائیں گی۔

4- کوشش کریں کہ روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ پیدل چلیں۔

اگر آپ نے ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا تو تین ہفتے میں نمایاں فرق محسوس کریں گی۔

ارم احمد..... لاوہ

س: میرے بال شروع سے ہی لمبے، گھنے اور نرم و ملائم تھے۔ جھڑتے بھی نہیں تھے۔ میری والدہ شروع سے ان کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ تارامیرا کا تیل، ناریل کا تیل اور بادام کا تیل ہمیشہ سے بدل بدل کر یا مکس کرکے میرے بالوں میں لگاتی آئی ہیں۔ ابھی بھی بال اسی طرح لمبے ہیں اور چمک دار بھی مگر اب بال گرنا شروع ہوئے تو رکنے کا نام نہیں لے رہے۔ اس قدر گر گئے کہ سر نظر آنے لگا ہے۔ جس پارلر سے میں بال کٹواتی ہوں، انہوں نے مجھے بے بی شیمپو اور زیتون کے تیل کا مشورہ دیا۔ وہ بھی استعمال کرکے دیکھ لیا ہے مگر کچھ فرق نہ پڑا۔

ج: ارم! آپ کا مسئلہ بیرونی نہیں، اندرونی ہے۔ آپ اپنی غذا پر توجہ دیں۔ آج کل سیب کا موسم ہے، روزانہ ایک سیب ضرور کھائیں۔ سیب چھیل کر نہیں چھلکوں سمیت کھائیں۔ گاجر جلد، بالوں اور نظر کے لیے انتہائی مفید ہے۔ کچی گاجر کھائیں۔ آئرن کی کمی کی وجہ سے بھی بال جھڑنے لگتے ہیں۔ آپ ڈاکٹر کے مشورے سے آئرن ٹیبلٹ استعمال کریں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔

بالوں کے گرنے کی اہم وجہ خشکی بھی ہے۔ اگر آپ کے سر میں خشکی ہے تو اس کے لیے ایک بہت آسان سا نسخہ ہے۔ سیم پر ایلو ویرا کا گودا لگائیں اور آدھے گھنٹے بعد سر دھولیں، خشکی ختم ہوجائے گی۔

سر پر تیل اس طرح لگائیں کہ وہ اچھی طرح جذب ہوجائے۔ پہلے سر پر تیل کا مساج کریں پھر تیز گرم پانی میں تولیہ بھگو کر نچوڑیں اور اسے اچھی طرح سر پر لپیٹ لیں۔ جب تولیہ ٹھنڈا ہوجائے تو اتار لیں۔ اس کے بعد نیم گرم پانی سے سر دھولیں۔

بادام کا، ناریل کا یا زیتون کا جو بھی تیل آپ کے بالوں کو موافق ہو، وہ تیل استعمال کریں۔

روزانہ شیمپو نہ کریں۔ ہفتہ میں ایک یا دو بار شیمپو کریں۔ شیمپو کا زیادہ استعمال بھی بالوں میں موجود قدرتی تیل اور نمی کو ختم کردیتا ہے، جس سے بال روکھے اور کمزور ہوجاتے ہیں۔

بال شیمپو کرنے سے پہلے دو چمچے دہی میں ایک چمچہ سرسوں کا تیل ملالیں۔ اسے بالوں میں لگائیں۔ آدھا گھنٹہ لگا رہنے دیں۔ پھر بال شیمپو کرلیں۔

☆☆